



# عالمی قوانین اور اختلافی نوٹ

خطیب پاکستان حضرت مولانا عتاش احمد تھانویؒ



زیر نگرانی: حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی

شعبہ تصنیف جامعہ احسن امتیاء کراچی



F.9(4)/56-Leg.  
GOVERNMENT OF PAKISTAN  
MINISTRY OF LAW

CONFIDENTIAL  
IMMEDIATE.

Karachi, the 13th August,

My respected Maulana Sahib,

I enclose the first instalment of the draft translation of your note of dissent. It is a draft by the Parliamentary Translator to which we have suggested certain modifications. The remaining instalments will follow quickly.

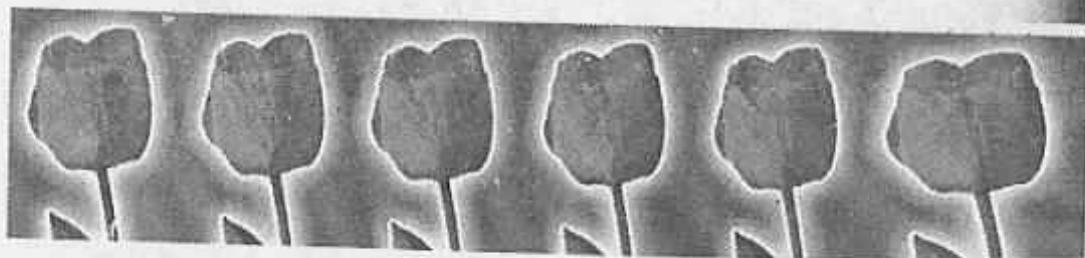
We will publish the entire translation, with the Urdu original, as a translation approved by you as soon as you have returned it to us with your own modifications.

*With regards,*

Yours sincerely,

( S. Mahmood Butt )

Maulana Ehtishamul Haq Sahib,  
56, Jacob Lines, K A R A C H I.







## دستخط شرکاء اجلاس

مختلف مکاتب فکر کے علماء کا نمائندہ اجتماع (منعقدہ 12، 13، 14، 15 ربیع الثانی 1370ھ / 21، 22، 23، 24 جنوری 1951ء، بصدارت علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ) میں مملکت خداداد پاکستان کا دستوری خاکہ (22 نکات پر مشتمل) اسلامی روح کے مطابق مرتب ہوا۔ اس نمائندہ اجتماع میں ہر ایک اکابر علماء کے دستخط درج ذیل ہیں۔

- (۱) سید محمد رفیع
- (۲) محمد رفیع الفارسی
- (۳) سید عبد اللہ اعجازی
- (۴) محمد حیدر دہلوی
- (۵) محمد رفیع مدنی
- (۶) شمس الدین
- (۷) داؤد
- (۸) قاضی علی محمد بانی مکتبہ
- (۹) محمد رفیع
- (۱۰) محمد رفیع
- (۱۱) احمد علی
- (۱۲) کنہ
- (۱۳) خیر
- (۱۴) سید محمد
- (۱۵) رائے حسن
- (۱۶) جلیل الرحمن
- (۱۷) ابو الغفر
- (۱۸) لکھنؤ
- (۱۹) احمد علی
- (۲۰) محمد رفیع
- (۲۱) محمد رفیع
- (۲۲) محمد رفیع
- (۲۳) محمد رفیع
- (۲۴) خادمہ حاجی محمد رفیع



# عائلی قوانین اور اختلافی نوٹ

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی

مولانا حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب

ایں مجلس اراکان عدالت ملک وادیں میں لکھتے  
دور مدینہ میں کس حق نے دیے ہیں اور خسرو

گہر میر دنگ دوری دوش مادیوں لکھتے  
ہوئے کہتے فقیر لکھن چرائی لہا جلا رہا ہے

مردہ شعبہ تصنیف جامعہ احتشامیہ کراچی

ناشر: مکتبہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی



نام کتاب:

قوانین عالمی کمیشن اور اختلافی نوٹ

نام مؤلف:

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی

زیر نگرائی:

حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی،

ترتیب و پیشکش:

شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی

کمپوزنگ و ڈیزائننگ:

جناب محمد سلطان صاحب، جناب محمد عامر صاحب

سن اشاعت:

شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ / ستمبر 2007ء

### ملنے کا پتہ

(1) جامعہ احتشامیہ و مرکزی جامع مسجد تھانوی جیکب لائن صدر کراچی۔ 74400۔

پوسٹ بکس نمبر 8552۔ فون: 111-1960-91 UAN.

(2) حضرت مولانا حافظ تنویر احمد شریفی مالک: مکتبہ رشیدیہ، بالمقابل مقدس مسجد،

اردو بازار، کراچی۔ فون: 2767232۔

## فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
1	پیش لفظ (از: حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی صاحب)	12
2	عالمی کمیشن اور اختلافی نوٹ کی اصل حقیقت	27
3	مطالبہ قیام کمیشن اور اس کے اصل مقاصد	27
4	قیام میرج کمیشن و اراکین عالمی کمیشن	28
5	خطیب پاکستان کو نظر انداز کرنے کی ناپسندیدہ کوششیں	29
6	صدر پاکستان کی دھمکی، خطیب پاکستان کی لٹکار اور نفاذ مارشل لا	33
7	فروغہ سفارشات کو قانونی شکل دینے پر خطیب پاکستان کا احتجاج	34
8	مسودہ میرج کمیشن کا اجمالی خاکہ	34
9	کتاب ہند کے مآخذ	36
10	کتاب ہند کی ترتیب و مندرجات	37
11	دیباچہ رپورٹ و مسودہ	40
12	کمیشن کو مندرجہ ذیل امور تفویض کئے گئے	40
13	پہلا اجلاس اور نئے صدر کا تقرر	40
14	دوسرا اجلاس اور سوانحیہ کی ترتیب و اشاعت	40
15	تفصیلی کمیشن کی وجوہات	41
16	اختیار کی تشریح اور درجہ امتیاز	43
17	اسلام کے قرون اولیٰ	45
18	اسلام ایک ترقیاتی مذہب ہے	46
19	اسلام ایسا دینی نظام نہیں جس پر تقاضات کا تسلط ہو	47
20	پاکستان کا وجود میں آنا	47
21	مستند راز (CONFIDENTIAL) "انگلینڈ میں لاہ اور موجودہ نظام عدلیہ کے نقائص"	48

22	کلاچ اور اہل زندگی سے متعلق قوانین کی اہمیت (میرج ایڈیلی لائف لاز)	50
23	اسلام کے بنیادی اصول سے مطابقت	50
24	شریعت اسلامی کے ماخذ - طریقہ عمل	50 - 51
25	مذہب	52
26	شریعت اور فقہ	53
27	دیباچہ دہوت پر خطیب پاکستان کا اختلافی نوٹ	58
28	سود و بیابچہ غیر آئینی ہے	58
29	قیام کمیشن اور اس کی غرض و غایت پراکٹھارنسوس	58
30	کمیشن کے درجہ کار کا انتخاب مایوس کن ہے	59
31	کمیشن کی قرارداد کمیشن کی خلاف ورزی	60
32	کمیشن کا دوسرا غیر آئینی اجلاس	61
33	غیر آئینی دیباچہ اور اختلافی نوٹ	62
34	نصوص قطعیہ میں تاویل فاسد اور ضرورت اجتہاد پر زور	63
35	صحابہ کرامؓ نے کس چیز کی بنیاد پر اجتہاد کیا؟	65
36	لفظ اجتہاد اور درجات اجتہاد کی غلط تشریح	66
37	مجتہد کی شرائط اور خطائے اجتہادی پر وعدہ اجز کا مطلب	68
38	حکم کا مخاطب کون ہوتا ہے؟	70
39	دیباچہ نگار کی رائے میں مسلمانوں کی پستی کا سبب	71
40	تجدو پسندوں کے التزامات	71
41	تجدو پسندوں کی رائے میں ترقی اور جمود کا مفہوم	71
42	اسلام امین الوقت نہیں بلکہ ابوالوقت ہے	72
43	دوسرے الزام کا حاصل اور اس کا جواب	72
44	پاکستان کی تخلیق	75
45	شریعت اسلامیہ کے چاروں ماخذ کا مفہوم	76
46	سوال بند (از عائلی کمیشن)	78

47	سوالات نمبر 9، 2، 1 کی سرکاری تجویز (کلاچ صرف سرکاری کلاچ خواں پڑھائیں)	78
48	سوالات نمبر 12، 1 اور 9 کی بابت نوٹ	80
49	سوالات نمبر 12، 1 اور 9 کی سرکاری تجویز پر اختلافی نوٹ	80
50	سوال نمبر 3 کی سرکاری تجویز - (دستخط کریں یا نشان اٹھوٹھا)	81
51	سوال نمبر 3 کی سرکاری تجویز پر اختلافی نوٹ	82
52	سوال نمبر 4-5 کی سرکاری تجویز - عمر کلاچ متعین ہو	82
53	سوال نمبر 4 اور 5 کی بابت نوٹ	83
54	سوال نمبر 5 اور 5 کی سرکاری تجویز پر اختلافی نوٹ	84
55	سوالات نمبر 6-7 کی سرکاری تجویز (تفویض طلاق و فتح کلاچ)	87
56	نوٹ بابت سوال نمبر 6 اور 7	87
57	سوال نمبر 8 اور 8 اور 8 اور 8	88
58	سوال نمبر 6 اور 6 کی سرکاری تجویز پر اختلافی نوٹ	88
59	طلاق سوال نمبر ایک کی سرکاری تجویز - تین طلاقوں کو ایک قرار دینا	90
60	طلاق کے سوال نمبر ایک کی تجویز پر اختلافی نوٹ	93
61	تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا غلط ہے	93
62	طلاق، سوالات نمبر 2 اور 3 کی سرکاری تجویز - طلاق کی رجسٹری ضروری ہو اور بغیر عدالت طلاق نافذ نہ ہو	98
63	طلاق کے سوال نمبر 4 - میاں بیوی کے درمیان مصالحت کی کوشش	100
64	طلاق کے سوال نمبر 5 - عقد طائی کی اجازت نہ ہو	100
65	طلاق کے سوالات 2، 3 اور 3 پر اختلافی نوٹ	101
66	طلاق کے سوالات نمبر 3 اور 5 پر اختلافی نوٹ	104
67	خلع کے سوالات نمبر 1-2 کی سرکاری تجویز - تنفیخ کلاچ اور خلع	105
68	خلع کے سوالات نمبر 2 اور 2 پر اختلافی نوٹ	106
69	تعدد از دو اج - سوال نمبر 1 اور 2 - تعدد از دو اج پر پابندی ہو	107
70	تعدد از دو اج - سوال نمبر 3 - عقد طائی با اجازت عدالت ہو	110



71	تعدد ازدواج سوال نمبر ۳۔ عقد ثانی کی صورت میں نصف تنخواہ کی کنوٹی
72	تعدد ازدواج کے سوال نمبر ۵۔ عقد ثانی کی صورت میں عدالت ضمانت لے
73	تعدد ازدواج۔ سوالات 5 تا 1 پر اختلافی نوٹ
74	تعدد ازدواج کا فطری جواز
75	تعدد ازدواج کی شرعی حیثیت
76	قرآن کی اجازت کو عیاشی کا ذریعہ نہ بنانا اور اس کا انسداد
77	عدالت سے اجازت لینے کی پابندی عورتوں کی مشکلات کو بڑھا دے گی
78	بیویوں میں عدل کا مسئلہ
79	مہر کے سوال نمبر 1 کی سرکاری تجویز۔ مہر واجب الادا ہو
80	مہر کے سوال پر اختلافی نوٹ
81	مہر کے سوال نمبر 2 کی سرکاری تجویز۔ مطالبہ مہر کا وقت متعین نہ ہو۔
82	مہر کے سوال نمبر 3 کی سرکاری تجویز۔ کل مہر متعلق ہو۔
83	تولیت کے سوال نمبر 1 کی سرکاری تجویز۔ نابالغ بچوں کی تولیت کی عمریں۔
84	تولیت کے متعلق سوال نمبر 1 کی سرکاری تجویز پر اختلافی نوٹ
85	نان و نفقہ کے سوال نمبر 1 کی سرکاری تجویز۔ مخصوص عدالتوں کا قیام ہو
86	نان و نفقہ کے سوال نمبر 2 کی سرکاری تجویز۔ فوجداری عدالت سے رجوع کیا جائے۔
87	نان و نفقہ کے سوال نمبر 3 کی سرکاری تجویز۔ ماضی کا نان و نفقہ حاصل کرنا
88	نان و نفقہ کے سوال نمبر 3 کی سرکاری تجویز پر اختلافی نوٹ
89	نان و نفقہ کے سوال نمبر 4 کی سرکاری تجویز۔ سوال غیر ضروری ہے۔
90	نان و نفقہ کے سوال نمبر 4 کی سرکاری تجویز پر اختلافی نوٹ
91	املاک کی تولیت کے سوال نمبر 1 کی سرکاری تجویز۔ ماں کو متولیہ قرار دینا
92	املاک کی تولیت۔ سوال نمبر 1 کی سرکاری تجویز پر اختلافی نوٹ
93	تولیت کے سوال نمبر 2 کی سرکاری تجویز۔ اموال نابالغان کی حفاظت عدالت کرے
94	وراثت اور وصایا کے سوال نمبر 1 کی سرکاری تجویز۔ رسوم کو ختم کیا جائے
95	وراثت اور وصایا کے سوال نمبر 2 کی سرکاری تجویز۔ عدالتوں کی پیچیدگی ختم کی جائے

96	وراثت اور وصایا کے سوال نمبر 3 کی سرکاری تجویز۔ بیٹے اور بیٹی کی موجودگی میں پوتے یا نواسے کو بھی میراث ملے
97	وراثت اور وصایا کے سوال نمبر 3 کی سرکاری تجویز پر اختلافی نوٹ
98	وراثت اور وصایا کے سوال نمبر 4 کی سرکاری تجویز۔ مشروطہ کی اجازت ہو۔
99	سوال نمبر 4 کا نوٹ۔ عمری کی تعریف اور حکم
100	وراثت اور وصایا کے سوال نمبر 4 کی سرکاری تجویز پر اختلافی نوٹ
101	وراثت اور وصایا کے سوال نمبر 5 کی سرکاری تجویز۔ وقف مل الاودا ایکٹ 1913ء منسوخ ہو
102	وراثت اور وصایا کے سوال نمبر 5 کی سرکاری تجویز پر اختلافی نوٹ
103	عدالت کے ذریعے فیخ نکاح سوال نمبر 1 کی سرکاری تجویز۔ قانون انفساخ نکاح
104	سوال نمبر 2 کی سرکاری تجویز۔ فتح نکاح کے بعد عورت مہر وغیرہ واپس نہ کرے
105	سوال نمبر 3 کی سرکاری تجویز۔ اختلاف مزاج سبب فتح نکاح نہیں ہے
106	سوال نمبر 4 کی سرکاری تجویز۔ قیدی کی بیوی کا حکم
107	ازدواجی و خاندانی امور کے قوانین کی عدالتیں
108	ازدواجی و خاندانی عدالتوں کے متعلق سرکاری تجاویز
109	بطور رہنمائی چند باتیں
110	گزشتہ سرکاری تجاویز و اصلاحات کا خلاصہ
111	111 (ہالٹرز) Halters
112	گزشتہ سرکاری تجاویز و اصلاحات کا "خلاصہ" پر اختلافی نوٹ
113	ہوتے کسی وراثت اور کثرت ازدواج کے متعلق دو نوٹ
114	مکتوب از ادارہ ثقافت اسلامیہ بخیریت خطیب پاکستان
115	نوٹ نمبر 1۔ پوتے کی وراثت
116	نوٹ نمبر 2۔ کثرت ازدواج
117	عائلی کمیشن کے سوالات اور صاحب اعلیٰ السنہ کے جوابات
118	51 سوالات کے جوابات
119	عائلی کمیشن کے سوالات اور مفتی جمیل احمد تھانوی کے جوابات

120	تہدیدی کلمات	180
121	سب کا الیمینائی اسلامی قانون۔	181
122	51 سوالات کے جوابات	183-203
123	مسلم فیملی لاز آرڈیننس پر 50 علماء کا تبصرہ	204
124	شادی کمییشن کی رپورٹ کا تنقیدی جائزہ	220
125	اسلام میں عورت کا عائلی مقام	238
126	پس منظر کتاب ہدا۔ احوال واقعی	239
127	مقدمات اصول موضوعہ۔ مقدمہ اولیٰ	242
128	مجتہدین کون ہیں اور کون سا قیاس معتبر ہے؟	243
129	مقدمہ ثانیہ۔ جو لوگ اجماع و قیاس کو نہیں مانتے ان کا حکم	244
130	مقدمہ ثالثہ۔ اجماع کی مخالفت کرنا کیسا ہے؟	244
131	مقدمہ رابعہ۔ کس صحابی کی تفسیر حدیث مرفوعہ کے حکم میں ہے؟	244
132	مقدمہ خامسہ۔ کوئی حدیث بحکم متواتر ہے؟	244
133	مقدمہ سادسہ۔ صحابی مجتہد کا قول کب حجت ہے؟	245
134	مقدمہ سابعہ۔ حدیث قرآن کی اور فقہ قرآن وحدیث دونوں کی شرح ہے	245
135	مقدمہ ثامنہ۔ اجتہاد کی اقسام اور چند مجتہدین کے نام	245
136	مقدمہ ناسعہ۔ کن صحابہ کی اتباع واجب ہے؟	246
137	مقدمہ عاشرہ۔ سلاطین کی اتباع کن امور میں لازم ہے؟	247
138	چند غلط مضامین کی نشاندہی	247
139	ناقص عبارات کی تشریحات و تفسیحات	250
140	خلیفہ کو قانون سازی کا حق ہے یا نہیں؟ امیر کی اطاعت کا مطلب	250
141	کیا مسلم خلفاء نے اجتہاد کیا ہے؟ خلفاء کو تبدیلی احکام کا حق نہیں ہے	251
142	کس ملک میں کون سا مسلک رائج ہو؟	253
143	کیا حنفیہ مشورے کے پابند ہیں؟	254
144	احکام اسلام میں فرق مراتب کا لحاظ ضروری ہے	256

145	کیا علماء وقت کے تقاضوں سے بہرہ نر ہیں؟	256
146	یتیم پوتے کی وراثت	258
147	مجتہدین کے اجتہادات حرف آخر نہ ہونے کا مطلب	258
148	بیٹے کے سامنے پوتے کا محروم ہونا اور جمع بین الحقیقہ والجاز	259
149	اگر متوفی کسی کا اقرب ہو تو وارث بھی اس کا اقرب ہوگا	262
150	بیٹی کو آوہا اور پوتی کو چھٹا حصہ کیوں ملتا ہے؟	262
151	بیٹے کی موجودگی میں داد کو چھٹا حصہ کیوں ملتا ہے؟	263
152	بٹیوں اور پوتوں میں کوئی فرق نہیں	264
153	ہر وارث کو اقرب قرار دینے میں خرابی	265
154	حضرت عمرؓ نے بچوں کے لئے وظیفہ جاری کیا تھا	266
155	نکاح کا رجسٹریشن	268
156	نکاح عہادت ہے اور امور تشریحیہ میں داخل ہے	268
157	نکاح کے دو گواہ عادل ہونے چاہئیں یا فاسق	269
158	مہر کی اقل مقدار۔ تعدد از دواج	270
159	تعدد از دواج کی اجازت قرآن سے	272
160	کیا یتیم کے مفہوم میں نابالغ، بالغ اور بیوہ عورتیں سب ہی داخل ہیں؟	273
161	ترجمہ قرآن میں تحریف	274
162	شان نزول کا اعتبار کب نہیں ہوتا؟	277
163	تعدد از دواج اصل ہے	278
164	قاعدہ "فیات الشروط فیات المشروط" کا مطلب	279
165	تعدد از دواج کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے	280
166	عدل کا سوال نکاح سے پہلے یا بعد	281
167	تعدد از دواج کا تعلق جہاد سے نہیں	282
168	طلاق کے احکام	283
169	آیت "لا یعطوا" کا مخاطب کون ہے؟	283

170	آیات طلاق کا معنی و فقہوں سے طلاق دینا ہے یا بیک وقت؟
171	دوسرے مہینہ کی دوسری طلاق بحث نہیں ہے
172	مہر رسالت میں تین طلاقوں کو ایک شمار کرنا
173	تین طلاقوں سے تین واقع ہونا متفق علیہ ہے
174	طلاق کے متعلق حدیث ابن عباس کا جواب
175	طلاق خلع کے متعلق حدیث رکنا کا جواب
176	نکاح کی عمر متعین کرنا
177	صغیرہ یا بالغہ کا نکاح باپ دادا کر سکتا ہے
178	بوقت نکاح حضرت عائشہؓ کی عمر کیا تھی؟
179	حیض آنے سے قبل بھی لڑکی لائق بہسٹری ہوتی ہے
180	حروف "کم" اور "ما" میں فرق
181	عدت کے احکام
182	مہر کا معاف کرنا کب کارثواب ہے؟
183	خلاصہ بحث اور مولانا اقسام الحق قانونی کا اختلافی نوٹ
184	حدود آرڈیننس اور شرعی عدالت
185	حد کی لغوی و اصطلاحی تحقیق۔
186	حد کی وجہ تسمیہ اور مکمل حدود۔ حدود آرڈیننس کے موجدین اور تنقید
187	حدود آرڈیننس کو ختم کرنے کی کوشش اور چیلنج
188	وفاقی شرعی عدالت کا قیام اور کارنامے
189	کچھ سے بالاتر باتیں
190	حدود آرڈیننس پر چند اعتراضات اور تبصرہ جات
191	حدود آرڈیننس کے متعلق چند دیگر اعتراضات
192	اسلامی نظریاتی کونسل کی تجاویز
193	حکومتی ٹیم کا پہلا تجویز کردہ مسودہ
194	حکومتی کمیٹی کا دوسرا تجویز کردہ مسودہ

195	مکتوبات بسلسلہ عائلی کمیشن
196	مکتوب مفتی اعظم پاکستان بنام خطیب پاکستان
197	مکتوب خطیب پاکستان بخدمت ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب
198	مکتوب خطیب پاکستان بخدمت ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب
199	مکتوب خطیب پاکستان بخدمت سیکرٹری کمیشن
200	مکتوب خطیب پاکستان بخدمت عبدالحکیم
201	مکتوب خطیب پاکستان بخدمت دفتر عائلی کمیشن
202	مکتوب خطیب پاکستان بنام انکم ٹیکس آفیسر صاحب
203	مکتوب خطیب پاکستان بنام سیکرٹری صاحب کمیشن اون ایرج
204	مکتوب فصیح الدین صاحب بنام خطیب پاکستان
205	مکتوب سید ولد ارطغرل غازی بخدمت عائلی کمیشن
206	مکتوب خطیب پاکستان بنام ڈپٹی سیکرٹری وزارت قانون حکومت پاکستان
207	مکتوب خطیب پاکستان بنام جناب صابری صاحب
208	مکتوب سلطان عاجب بخدمت خطیب پاکستان
209	مکتوب خطیب پاکستان بنام ڈپٹی سیکرٹری وزارت قانون
210	مکتوب خطیب پاکستان بخدمت اے آر قاضی صاحب
211	مکتوب خطیب پاکستان بخدمت دکتور ناصر صاحب
212	مکتوب خطیب پاکستان بخدمت ایڈیٹر صاحب
213	مکتوب مولانا ظفر احمد عثمانی بنام ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب
214	مکتوب مولانا ظفر احمد عثمانی بسلسلہ اہمیت اختلافی نوٹ
215	مکتوب چوہدری نصیر احمد خان بنام مولانا تنویر الحق قانونی صاحب
216	عائلی کمیشن اور اختلافی نوٹ کے متعلق اہل علم کا اظہار خیال
217	مولانا مفتی عبدالغفور ترمذی۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
218	ادارہ الصدیق ملتان
219	مؤلف کتاب "حیات اقسام"
220	علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب



## پیش لفظ

تحریر: حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی صاحب  
تو نے مجھ کو کیا سے کیا شوق فراواں کر دیا  
پہلے جاں پھر جان جاں پھر جان جاناں کر دیا

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کو 27 سال مکمل ہو چکے ہیں، 22 سال سکوتِ سخن شناسی میں گزرنے کے بعد گزشتہ 5 سال میں حضرت خطیب العلماء مولانا احتشام الحق تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تقاریر و تحریرات اور دیگر علمی و تحقیقی خدمات کی اشاعت کا کام بفضلہ تعالیٰ نہ ہونے کے مقابلہ میں معتد بہ درجہ میں ہو چکا ہے اور اب بھی تو کلا علی اللہ تدریجاً اکمال و اتمام کے جذبہ صادق میں احقر مع اپنے رفقاء کے سرشار ہے۔ جس میں سر فہرست نام طالب گوشہ گنام استاذ جامعہ احتشامیہ حضرت مولانا حافظ محمد صدیق ارکانی صاحب دامت فیضہم العالیہ کا ہے۔ بشمول دیگر سابقہ مطبوعات کے اس عظیم الشان اور معرکہ آرا زیرِ نظر کتاب کی ترتیب و اشاعت میں بھی حضرت مولانا ارکانی صاحب کی انتہائی عرق ریزی و جانفشانی بدرجہ اتم شامل ہے۔ مولانا موصوف کی خواہش ماجدہ سابق کے تحت کتاب ہذا کے بارے میں کچھ بے ربط باتیں عرض کروں گا کہ اسی کو پیش لفظ بھی لکھا کر لیا جائے۔

کتاب ہذا کا پیش لفظ لکھتے ہوئے میرے مخاطب زیادہ تر نئی نسل کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ہوں گے، گو کہ وہ خواتین و حضرات بھی مخاطب بنانے کے زیادہ لائق ہیں کہ جو انگریزی تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ عمر کی اس دہلیز پر ہیں کہ اولاً ماں باپ بنے اور بعد ازاں (دادا، دادی اور نانا، نانی) بھی بن گئے، اللہ ان سب کو ایمان کی سلامتی سے بھی نوازیں، آمین۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام سیکولر اور لادین نظریات سے یکسر آزاد ہو کر اس نظریہ پر جتے ہوئے فرد بھی دینے کی اشد ضرورت ہے کہ لاکھوں مسلمان مردوں عورتوں اور بچوں کی جانی قربانیوں اور شہادتوں کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا پاکستان صرف اور صرف اسلام کے تقاضوں کے مطابق ایک نظامِ حکومت تشکیل دینے کے لئے وجود میں آیا تھا۔ گو کہ یہ مقصد 60 سال کی طویل مدت میں بھی حاصل نہ ہو سکا۔ اس کی سو فیصد مجرم تو ہر حکومت وقت ہے۔

کیونکہ پاکستان مسلم لیگ کی رکنیت کے فارم پر ایک آیت قرآنی لکھی تھی، جو اس امر کا کھلا اعلان تھا کہ قیام پاکستان کے بعد ہم صرف اور صرف اللہ کا دین مملکتِ خدا داد میں نافذ کریں گے وہ آیت یہ تھی ”قُلْ اِنْ صَلَّيْ وَ نُسُكِي وَ مَخَاجِي وَ مَمَالِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ“ ترجمہ یہ ہے ”آپ فرمادیں بے شک میری نماز میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ وحدہ لا شریک کی خوشنودی کے لئے ہے لیکن مسلم لیگ اپنے اس وعدے سے پھر گئی، یہ سب سے پہلا دھچکہ تھا جو تحریک پاکستان کے حامی علماء کو پہنچا اور شاید اسی کی سزا میں مسلم لیگ میں اتنی تقسیم در تقسیم ہوئی ہے کہ الامان الحفیظ۔

لیکن پھر بھی بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم اور مسلم لیگ کے مذہبی قائد شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے آگے پیچھے انتقال کے بعد سیاسی و مذہبی اسٹیج پر امید کی ایک کرن مزید نمودار ہوئی، جیسا کہ نوابزادہ خان لیاقت علی خان مرحوم نے علمائے وقت سے بس اپنی اتنی سے کھٹک کا مخلصانہ اظہار کیا تھا کہ پاکستان میں اسلامی نظام تو بے شک نافذ ہونا چاہئے لیکن علماء یہ تو بتائیں کہ کس فرقہ کا اسلام نافذ ہو؟ تو اس وقت جانشین شیخ الاسلام خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جملہ رفقاء بلکہ اپنے حضرات اکابر کے تعاون اور مدد سے مشرقی و مغربی پاکستان کے جملہ مکتبہ گھر سے تعلق رکھنے والے جید اور اربابِ حل و عقد کے درجوں پر قارئین 31 علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے امور مملکت و سلطنت چلانے کے لئے متفقہ طور پر 22 بنیادی نکات مرتب کر کے حکومت وقت کے حوالے کر دیئے جو آج تک سرد خانے کا شکار ہیں۔

اور مجھے بے حد افسوس اور ملال ہوتا ہے جب 22 نکات کے حوالے سے دو قسم کے طرزِ عمل دیکھنے میں آتے ہیں، یہ بات جملہ معترضہ کے طور پر انتہائی ضروری سمجھتے ہوئے تحریر کر رہا ہوں محض اس لالچ میں کہ شاید مرتبین حضرات نظر ثانی فرمائیں، اور وہ طرزِ عمل اگرچہ اتنا پرانا تو یقیناً ہے کہ جب سے خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کا 27 سال قبل وصال ہوا ہے، لہذا میدان صاف دیکھ کر اس طرزِ عمل کو بہ استثنائے چند بیشتر مولویوں، جن میں زیادہ تعداد سیاسی مولویوں کی ہے جماعت اسلامی تو پوری کی پوری اور اکثر دانشوران قوم کی زبان و قلم سے انتہائی ڈھٹائی اور سفید جھوٹ کے اعزاز میں پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن تازہ ترین ثبوت کے طور پر تین شخصیتوں کی مثال پیش کرتا ہوں۔ پہلے تو اس طرزِ عمل کو دیکھیے کہ ہے کیا؟ یا تو 22 نکات کا سرے

سے ذکر ہی نہیں کیا جاتا اور اگر کوئی موصوف کر بھی دیں تو اس عظیم الشان کارنامہ کے اصل محرک اور داعی حضرت مولانا احتشام الحق قانوی کا نام قصداً حذف کر دیا جاتا ہے اور یا پھر اپنے قائد اور بزرگ کے سرسہرا بانہ دیا جاتا ہے جو کتمان حق اور عناد و تعصب کی انتہا اور گھٹیا ترین مثال ہے۔ اب تازہ ترین مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

گذشتہ ماہ 27، 28 اور 29 اپریل 2007ء پاکستان سمیت دنیائے اسلام کی مسئلہ دینی یونیورسٹی اور مشہور و معروف دینی مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور کا 60 سالہ سہ روزہ اجتماع منعقد ہوا جس میں پوری دنیا سے فضلاء جامعہ نے ایک بہت بڑی تعداد میں شرکت کی اور ماشاء اللہ حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب دامت فیضہم العالیہ کی خصوصی دعاؤں اور حضرت مولانا حافظ فضل رحیم دامت برکاتہم العالیہ سمیت جملہ رفقاء و طلباء اور مخصوص معاونین مخلصین کے مخلصانہ تعاون اور انتھک محنتوں کے باعث توقع سے زیادہ روحانی و دنیوی کامیابیوں سے ہمکنار ہوا، اللہم زدہ فرد۔

28 اپریل کی رات والی نشست میں منجملہ بیشتر قائدین کے قائد جمعیت و حزب اختلاف مولانا فضل الرحمن صاحب نے اپنی گفتگو کا آغاز ہی تحریک پاکستان اور قیام پاکستان سے کیا جس میں وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ علماء نے ہر دور اور ہر زمانے میں نفاذ اسلام کی مخلصانہ کوششیں کیں اور ہر حکومت نے اُن کوششوں کو ہر قیمت پر سبوتاژ کیا، انہوں نے تین ادوار کا ذکر کیا، جس کی ترتیب یہ قائم کی، پہلا دور وہ کہ جب شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے قرارداد مقاصد کو منواتے ہوئے آئین کا حصہ بنوایا، غالباً کچھ ایسا ہی مفہوم تھا، بعد ازاں سن 1973ء میں ایک متفقہ آئین بنایا گیا، جس کی رُو سے قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون پاس نہیں ہو سکے گا اور پھر متحدہ مجلس عمل مسلسل اسلامی نظام کے لیے کوشاں ہے اور اس کی قربانیاں الظہر من الشمس ہیں۔

جب قاضی حسین احمد امیر جماعت اسلامی خطاب کرنے آئے تو انہوں نے آغاز ہی میں کہا کہ ہمارے بانی و قائد حضرت مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کا مجھے وہ وقت یاد آ رہا ہے کہ جب وہ اسی جامعہ اشرفیہ میں آئے اور انہوں نے حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے دوران توجہ دلائی کہ اب وقت ہے کہ بھرپور اتحاد کے ذریعہ تمام مکتاہیب فکر کے علماء ایک ایسا پروگرام مرتب کریں تاکہ ارباب اقتدار کے چیلنج کا مقابلہ کیا جاسکے، چنانچہ سن 1951ء، 1953ء میں ہمارے حضرت مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک پر حضرت مفتی صاحب نے علماء کو جمع کیا اور اسلامی و بنیادی 22 نکات مرتب کئے۔

اور آج مورخہ 29 مئی 2007ء روزنامہ جنگ کراچی کی اشاعت میں کالم نویسوں کے صفحات میں محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کالم بعنوان ”طالبانائزیشن نہیں اسلامائزیشن، مگر تعبیر کون سی؟“ شائع ہوا، خلاف توقع اچھا اور مناسب ہے کیونکہ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں شرح صدر کے ساتھ میں یہ رائے رکھتا ہوں کہ وہ بالعموم علمائے دین کے بارے میں اچھے خیالات کے حامل نہیں ہیں، جن کو وہ ”ملا“ کے فرسودہ لفظ سے اکثر و بیشتر میڈیا پر تعبیر کرتے رہتے ہیں۔ غالباً وہ اُس ملائیت کے بدترین مخالف ہیں کہ جو علماء تصویر کشی اور ویڈیو فلم بنوانے، عورتوں اور خواتین کو کسی محفل درس یا تقریب میں آنے سے سانسے یا مخلوط انداز میں شامل کرنے کو از روئے شرع گناہ اور عمل فحش سمجھتے ہیں، یا اُن کی طرح جن مولویوں کو انگریزی زبان بولنے پر عبور نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔ میں تو اپنے کو طفل کتب نہیں بلکہ کتب اور درس گاہ میں جھاڑو دینے کے قابل سمجھتا ہوں، میرا یہ ذوقی فتویٰ ہے کہ آج کے دور میں جس زبانی مسلمان کا یہ طرز تو اتر اور التزام کے ساتھ ہو کہ وہ اپنی گفتگو میں گھما پھرا کر اور قصد و ارادے کے ساتھ علمائے دین کو ہدف تنقید بنائے وہ خارجی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے اور اس زمانے میں خارجیت کی پہچان ہی یہی ہے، اور اسی خارجی طبقہ کے لیے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا بروقت و بر محل جملہ جو فراست ایمانی کے نتیجہ میں منظر عام پر آیا وہ قیامت تک کے لئے مشعل راہ کا درجہ اختیار کر گیا کہ خارجی وہ ہے جو ”کَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيدَ بِهَا الْبَاطِلُ“ کا مصداق ہے یعنی بات سچی بلکہ کبھی کبھی تو خدا لگتی کہتا ہے لیکن اس کے ارادے اور منصوبے خطرناک ہی نہیں بلکہ باطل کو تحفظ و فروغ بھی فراہم کرتے ہیں۔ کجا بود منزل کجا تا ختم۔

میں تو حقیقت میں اُس مکروہ طرز عمل کی تیسری مثال پیش کر رہا تھا، وہ یہ چند سطریں ہیں جو ڈاکٹر اسرار احمد کے کالم سے من و عن نقل کر رہا ہوں جو کہ میرا مطلوب و مقصود بھی ہیں۔

اقتباس ”بہر حال ہمارے ہاں علماء حق معتد بہ تعداد میں موجود ہیں اگرچہ اس سے بھی انکار نہیں کہ ”علماء سوء“ کی بھی یقیناً کمی نہیں۔ تاہم پاکستان کی 60 سالہ تاریخ کے دوران بحیثیت مجموعی علمائے کرام کا کردار مثبت اور منفی دونوں اعتبارات سے یعنی مثبت طور پر پاکستان میں اسلامی دستور و قانون کے نفاذ اور منفی اعتبار سے اسلام کے مسئلہ اعتقادات و تعلیمات کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کے سد باب، دونوں پہلوؤں سے ہرگز مایوس کن نہیں بلکہ الحمد للہ نہایت روشن اور تابناک ہے۔ جس کی اہم ترین اور نمایاں ترین مثال یہ ہے کہ 50ھ (نوٹ: ہجری کا ہوا تو اخبار والوں کی غلطی سے چھپ گیا ہوگا، باقی یہ کہ سن 1950ء نہیں بلکہ سن 1951ء اور 1953ء ہے)

میں پاکستان کے تمام مذاہب فکر اور مکاتب فقہ کی چوٹی کی قیادت نے اپنے اکتیس زعماء کے اتفاق رائے سے پاکستان کے دستور کے لیے بائیس متفق علیہ اساسی نکات پیش کر کے ان عام سیکولر عناصر کا منہ بند کر دیا تھا جو قرار واد مقاصد کے پاس ہو جانے کے بعد شور مچا رہے تھے کہ پاکستان میں کس کا اسلام نافذ ہوگا؟ شیعہ، یاسی، حنفی یا اچھوت کا؟ بریلوی یا دیوبندی کا؟ وغیرہ وغیرہ۔“ (اقتباس ختم)

مذکورہ بالا تین مثالوں کے مزید تنقیح اور وضاحت کے لیے اُس طرز عمل کی نشاندہی کر دوں تو کوئی حرج نہ ہوگا، مولانا فضل الرحمن صاحب میں اخلاقی جرأت تو شاید نہ تھی کہ شدید اختلاف کے باوجود حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام اور کارنامہ کو نظر انداز کر سکیں، آخر کو شیخ الاسلام کی اولین حیثیت و نسبت دارالعلوم دیوبند کے استاذ الاساتذہ اور شارح مسلم مصنف شیخ الہلم کی بھی ہے۔ سن 1973ء کے آئین کا ذکر اس لیے کیا کہ اُس کارنامہ میں اُن کے والد محترم حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل قافلہ تھے، متحدہ مجلس عمل کا سب سے بڑا دینی کارنامہ شاید اس سے بڑھ کے کیا ہو سکتا ہے کہ اس میں خود مولانا فضل الرحمن صاحب موجود ہیں۔ لیکن اس تعصب کی نفی کوئی غیر جانبدار تاویل فاسد کے بغیر کر دے تو میرا ذہن صاف ہو جائے گا کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور سن 1973ء کے آئین کے دوران مولانا احتشام الحق تھانویؒ کا کارنامہ 22 نکات کون سے پردہٴ بخا میں تھا جو زبان ترجمان اسلام پر جگہ ہی نہ پا سکا۔ افسوس صد افسوس۔ یہ سیاسی تعصب ہے جو وابستگان حضرت تھانویؒ میں سے کسی بھی عالم کے ساتھ نہیں برتا جاتا ہے۔ بجز مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے۔ قاضی حسین احمد صاحب نے تو حد ہی کر دی کیونکہ ”وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا“ سفید جھوٹ کا اشارہ ایسے ہی طرز عمل پر صادق آتا ہے۔ جیسا کہ تمام تر سہرا مودودی صاحب کے سر باندھ دیا اور ڈاکٹر اسرار صاحب نے بھی اپنے مخصوص ذوق اور مشن کے مطابق اُسی اُن کبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کا نام لکھنے سے قلم کی روشنائی بھی بچالی اور نظریہ کی سیاسی بھی محفوظ رہی۔ آمد برسر موضوع

چلیے! اچھرو ہیں چلتے ہیں جہاں پیش لفظ لکھنے کا آغاز کیا تھا۔ بات یہ ہے کہ یہ حقیقت تو آج بالکل روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ لیاقت علی مرحوم کے بعد ہر حکمران اور اس کی کابینہ کے وزراء و اتحادیوں نے سپر طاقتوں کی خوشنودی اور مخصوص اپنے مالی مفادات کی خاطر نفاذ اسلام کے راستے میں ہمیشہ رکاوٹیں ڈالیں اور آج تک ڈال رہے ہیں۔

اگرچہ بڑے ادب کے ساتھ یہ بھی عرض کرنے میں مجھے کوئی حجاب نہیں ہے کہ وہ دینی و

مذہبی شخصیات و مظلیمات بھی نادان دوست کا کردار ادا کرتی رہیں، جنہوں نے بزرگوں کے طرز اور طریقہ کو مصلحت اندیشی اور کہیں بزدلی پر محمول کرتے ہوئے اپنے خود ساختہ طریقوں پر حق کی سر بلندی اور باطل کی سرکوبی کے لیے من مانے جوہر دکھائے، حق سر بلند ہوا اور باطل کا سر پکلا گیا یا نہیں لیکن ارباب اقتدار کو اپنی دیرینہ خواہش کے مطابق نفاذ اسلام کا راستہ روکنے میں مزید سہولت پیدا ہو گئی۔

بہر حال! چونکہ یہ ایک بہت مجھتا ہوا سوال بصورت وبال ایک عرصہ سے نئی نسل کے ذہنوں کو پریشان کیے ہوئے ہے کہ جناب! پاکستان اگر اسلام کے نام پر بنا تھا تو اب تک اسلام کا نفاذ کیوں نہیں ہو سکا؟ اسی لئے تاریخ کے اوراق میں اپنی دانست کے مطابق حقائق کو محفوظ کرنے کے لئے نہ چاہتے ہوئے بھی تحریر پند کو طوالت سے نہ بچا سکا۔ تحریک پاکستان سے وابستہ علماء کی نفاذ اسلام کے سلسلے میں گراں قدر خدمات کو خصوصیت کے ساتھ پیش کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہ داد و تحسین سے بے نیاز حضرات اُن علماء سے ممتاز نظر آئیں کہ جنہوں نے شجہٴ سیاست کے ذریعے اسمبلی کی سیٹوں سمیت بڑے بڑے سرکاری عہدوں اور وزارت و افتادہ ارک وادیت دیتے ہوئے نفاذ اسلام کے مقصد جلیل اور اہم مطالبہ کو ثانوی درجے کا بنا دیا بقول فحشہ کہ۔

منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

غرضیکہ خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے منجملہ دیگر دینی و ملی کارناموں کے، یہ بھی ایک بہت بڑا کارنامہ ہے جس کو آج تک مسلمانان پاکستان ”عالمی قوانین کے جبر اقیام اور اُس پر فقید المثال اختلافی نوٹ“ کے نام سے یاد رکھتے ہیں۔ اس زیر نظر کتاب کے مآلہ و مآلیہ پر نہیں تھی دامن تو کیا لکھ پاؤں گا لیکن خود خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ رحمۃ اللہ علیہ کی زبان و تقریر سے اس کالب لباب اور خلاصہ اگر شامل کر دیا جائے تو پیش لفظ دو آتھ ہو جائے گا، حضرت خطیب پاکستان نے خطابات جمعہ کے اپنے تفسیری سلسلے میں جب سورۃ طلاق کو اختیار فرمایا تو تقریباً 15 سے 20 تقاریر میں مضامین مکمل ہو گئے۔ ان میں سے ایک تقریر کے اقتباسات من و عن نقل کرتا ہوں:

”یہ صرف ایک دین اسلام ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو وہ حقوق دیئے ہیں جو معاف کیجئے آپ کو ہر سڑ اور وکیل نہیں دے سکتے ہیں۔ جن کے بہکائے میں اکثر خواتین آ جاتی ہیں اور وہ یہ سمجھتی ہیں کہ یہ ہر سڑ اور وکیل جو ہماری حمایت کر رہے ہیں شاید ہم کو یہ حق دلوار ہے ہیں۔ نہیں اسب سے زیادہ مٹی پلید اس وقت ہوتی ہے جب آپ اللہ کے دین کو چھوڑ دیں۔ اگر



آپ ماں کی شفقت پر بھروسہ نہ کریں آپ کا کیا خیال ہے کہ دنیا میں کوئی عورت آپ کو ایسی ملی گی جو ماں سے زیادہ آپ پر مہربان ہوگی؟ جموٹ ہے یہ، دھوکا ہے یہ، ہونٹیں سکتا، دیکھنے میں چاہے کتنا ہی حسین برتاؤ آپ کو نظر آئے لیکن یاد رکھئے یہ ہے دشمنی آپ کے ساتھ۔

تو مطلب میرے کہنے کا یہ تھا کہ جتنے حقوق اسلام نے دیئے ہیں عورتوں کو، دنیا کا کوئی امیر بیرسٹر وکیل عدالت نہیں دے سکتی ہے۔ اور جب عورتوں کے حقوق پر یہ کچھ ان کو دیا جاتا ہے تو بعد میں انہیں پتہ چلتا ہے کہ یہ ہمارے لئے تو بہت بُرا ہو گیا۔ میرج کیشن، جو بہت سے نوجوانوں کو ماضی کی باتیں تو یاد دلانی پڑتی ہیں۔ ایک یہاں وزیراعظم ہوا کرتے تھے۔ محمد علی بوگڑا مشرقی پاکستان میں۔ انہوں نے اپنی اسٹینو گرافر Stenographer یا پرائیویٹ سیکرٹری Private Secretary کے ساتھ نکاح کر لیا اور یہ جو انجمن خواتین بنی ہے جس کو آپ لوگ اپنا (APWA) کہتے ہیں ان عورتوں نے ان کے گھر پہ پکٹنگ (Packing) لگا دیا۔ انہوں نے کہا ہم یہاں دھرتا دے کے بیٹھ گئے ہیں، یہ جو دوسرا نکاح کیا ہے یہ دوسرا نکاح نہیں ہونے دیں گے۔ محمد علی بوگڑا نے ایک میرج کیشن بنا دیا۔ اس میرج کیشن کا مطلب یہ تھا کہ بھی، اسلام عورتوں کو کیا حق دیتا ہے چلو بھی آج آپ کو ہمارے نکاح پر اعتراض ہے تو ہم ایک کیشن بنائے دیتے ہیں اُس میں عورتوں کے مستقبل کا فیصلہ ہوگا۔ تو میرج کیشن بن گیا۔ اُس کے سربراہ تھے فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس، جسٹس عبدالرشید، بہت بڑے آدمی تھے۔ اس میں تین عورتیں تھیں، تین جج تھے اور (اسلام تو اس ملک میں کیفیت کے اعتبار سے شاید اقلیت سمجھا جاتا ہو اس لئے) ایک نمائندہ اسلام کا میں تھا اس میں۔ عورتوں میں بیگم شاہ نواز بیگم جی احمد، بیگم شمس انصار۔ یہ مشرقی پاکستان کی تھیں بیگم شمس انصار یہ تین عورتیں تھیں۔ تین جج تھے۔ ایک میں تھا۔ اب اس کے اندر اس بات پر بحث کی جا رہی ہے کہ صاحب ہم کو اجتہاد کرنے کا حق دیا جائے۔ نہیں نے کہا کہ مجھے تو دینے میں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن یہ بتائیے کہ چھیننے والا آپ سے اجتہاد کے حق کا کون ہے؟ اگر آپ سے کسی نے چھینا ہے تو چھیننے والے سے واپس لیجئے۔ اور اگر آپ کو اسلام نے حق دیا ہی نہیں ہے تو آپ کا ہے کہ کہتے ہیں کہ حق دیا جائے؟ کہنے لگے، نہیں! ہم کو اسلام نے حق دیا ہے میں نے کہا کہ ذرا میں بھی چاہتا ہوں کہ میں سن لوں آپ سے کہ اسلام نے آپ کو حق کیسے دیا ہے۔ کہاں دیا ہے۔ کہاں لکھا ہے۔ کیا ہے؟

کہنے لگے کہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری جب یمن میں بھیجے گئے تو ان

سے پوچھا گیا کہ آپ وہاں پر فیصلہ کس طرح کریں گے؟ انہوں نے کہا کہ سب سے پہلے قرآن کو ٹولیں گے جو بات قرآن میں ہے، قرآن کے مطابق فیصلہ دیں گے۔ اور اگر قرآن کریم میں نہیں ملے گی تو سنت رسول سے فیصلہ دیں گے۔ اگر قرآن میں نہ ہو سنت رسول میں بھی نہ ہو تو ہم قرآن اور سنت رسول کی روشنی میں اجتہاد کریں گے۔ انہوں نے کہا یہ حدیث ہم کو اجتہاد کا حق دیتی ہے۔ میں نے کہا کہ ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو یہ حق دیا تھا کہیں لکھا ہے کہ جسٹس رشید کو یہ حق دیا گیا ہے۔ اس میں ہے کہیں لکھا ہوا؟ میں نے کہا معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری کون ہیں؟ رسول اللہ کے صحابہ میں سب سے بہترین عالم ہیں۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں۔ جب حضورؐ نے ان کو یمن بھیجا ہے تو یہ الفاظ لکھوا کے بھیجے ہیں۔ اِنْسِيْ بِمَعْشَرِ الْيَحْمٰكِيْنَ اَهْلِيْكُمْ خَيْرٌ اَهْلِيْكُمْ میں اپنے صحابہ میں سے جن کے مکھن تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ تو میں نے کہا کہ اجتہاد کا حق تو صحابہ میں جو سب سے چوٹی کے عالم تھے جن کی قرآن پہ بھی نظر تھی، جن کی سنت رسول پہ بھی نظر تھی، جنہوں نے رسول اللہ کو بھی مل کر تے دیکھا تھا، اجتہاد کا حق انہیں تھا یہ کیسے آپ کو قلعہ چھٹی ہو گئی کہ یہ حق جسٹس رشید کو بھی مل گیا؟ جو قرآن کی آجوں کا تلفظ تک نہیں کر سکتے کیا ایسے لوگوں کو حق اجتہاد اسلام نے دیا ہے؟ خیر! ہم تو بھی مولوی ہیں آپ کہیں گے یہ تو تک نظری کی بات کر رہے ہیں۔ علامہ اقبال تو تک نظر نہیں تھے؟

انہوں نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کے اجتہاد سے کہ جن میں بصیرت نہیں، جن کی نظر نہیں ہے قرآن میں، سنت میں نہیں ہے۔ جیسے آپ کے یہاں کا ایک سرکاری مفتی آیا تھا ڈاکٹر فضل الرحمن، تو اس نے ریسرچ کر کے یہ بتایا تھا قرآن و سنت کی رو سے کہ یہ جس کو آپ لوگ شراب کہتے ہیں یہ حلال نہیں ہے بیئر Beer حلال ہے۔ شراب کی قسموں میں سے جس کو بیر کہتے ہیں وہ حلال ہے؟ اس پر اس زمانے کا جو وزیر قانون تھا ان بچاروں نے تک آ کر یہ کہا کہ صاحب ہم ایسے ریسرچ سے باز آئے کہ جس ریسرچ میں آپ بیئر کو بھی حلال قرار دے دیں۔ جس ریسرچ کے اندر آپ سود کو بھی حلال قرار دے دیں۔ ہم ایسے ریسرچ سے باز آئے۔ ریسرچ سمجھتی اجتہاد۔ آپ بتائیے علامہ اقبال نے کہا کہ جو ایسے کم نظر عالم ہوں کہ جن کا علم کوتاہ ہو، معاف کیجئے! ان کے اجتہاد سے ہم یہ زیادہ بہتر سمجھتے ہیں، ہم پرانوں کی پیروی کر لیں گے، لکیر کے فقیر بن جائیں گے مگر عالمان کم نظر کے اجتہاد کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ یہ تو کسی مولوی نے نہیں کہا ہے؟ پرانے لوگوں کی پیروی کرنا ہی ہمارے لئے محفوظ ہے۔ اور یہ لوگوں کا پوچھنا بیگناہ ہے کہ

مولویوں نے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ ہم نے کبھی اجتہاد کا دروازہ بند نہیں کیا ہے۔ قیامت تک اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اجتہاد ہوتا رہے گا اور یہ اجتہاد نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ جب کوئی ایجاد سامنے آتی ہے فوراً شرعی طور پر اس پر غور کیا جاتا ہے کہ اس کا حکم کیا ہے؟ ٹیلی فون، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیپ ریکارڈر یہ سب چیزیں پہلے تو نہیں تھیں آج ہیں۔ علماء کے سامنے بھی یہ مسئلہ آیا کیا ٹیپ ریکارڈ کی شہادت، شہادت ہے؟ کیا ٹیلی فون کی شہادت، شہادت ہے، کیا ریڈیو کی شہادت، شہادت ہے؟ کیا ٹیلی ویژن کی شہادت، شہادت ہے؟ علماء نے اس پر غور کیا، قرآن و سنت کی روشنی میں غور کیا اور یہ کہا کہ ان میں سے کسی ایک چیز کی شہادت بھی شہادت نہیں ہے۔ چاہے آپ ٹیلی فون کے اوپر کسی کی آواز پہچان رہے ہوں، چاہے ٹیلی ویژن پر آپ کے سامنے کوئی شخص کہہ رہا ہو، چاہے ٹیپ ریکارڈ آپ پیش کر رہے ہوں۔ اسلام کہتا ہے یہ شہادت نہیں ہے۔ کیوں؟ شہادت کا سب سے بڑا حصہ جو ہے وہ یہ ہے، شہادت سننے والے اور دینے والے کے بیچ میں کوئی معمولی سا جالی کا پردہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ دیواریں حائل ہوں، پہاڑ حائل ہوں، عمارتیں حائل ہوں وہ تو بات ہی دوسری ہے نہیں نے کہا جالی کا پردہ بھی حائل نہیں ہونا چاہئے ورنہ وہ شہادت نہیں ہے۔ اسی لیے اسلام نے شہادت کے قانون کے احترام کی خاطر پردے کے قانون کو قربان کر دیا۔ بڑی سے بڑی پردہ نشین خاتون ہو، اسلامی عدالت میں جائے شہادت دینے کے لیے۔ قاضی کہے گا۔ مجھے معاف کریں، آپ نقاب الٹ کے مجھے شہادت دیں، نقاب ڈال کر جو شہادت ہے وہ شہادت نہیں ہے۔ اور اس کو بے پردگی نہیں کہا گیا ہے، ضرورت ہے۔ کیونکہ شہادت کہتے ہی اسے ہیں کہ سننے والے اور شہادت دینے والے کے بیچ میں کوئی جالی کا پردہ بھی حائل نہ ہو۔

تو خیر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اس میرج کمیشن میں عورتوں کے حقوق کا سوال آیا۔ اور جب عورتوں کے حقوق کا سوال آیا تو عورتیں سب سے زیادہ خوش اس بات پر ہوتی ہیں کہ ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت نہ دی جائے اور یہ خوشی ان کی جذباتی خوشی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس کا رواج ہونا چاہئے۔ خاص طور پر ہمارے ہندوستان و پاکستان میں، یہاں کی عورت اتنی زیادہ اپنے شوہر کی پرستش کرتی ہے یا اس کی مطیع اور فرمانبردار ہوتی ہے کہ جب وہ یہ دیکھتی ہے کہ آپ کی توجہ دوسری طرف بھی ہے تو گھر کا ماحول خراب ہو جاتا ہے۔ تعلقات ٹھیک نہیں رہتے۔ لیکن جہاں تک اسلام کے حکم کا تعلق ہے، اس کو آپ خلاف مصلحت، خلاف دانش، خلاف انصاف نہیں کہہ سکتے

کہ اسلام میں ایک سے زیادہ کی اجازت ہے۔ چار تک کی اجازت ہے۔ اب جب یہ مسئلہ عورتوں کے سامنے آیا، وہ سمجھتی ہیں کہ یہ سارا کاسارا حق جو ہے یہ ہمیں میر سٹر صاحب دیتے ہیں اسلام نہیں دیتا ہے۔ نعوذ باللہ انہی نے نہیں دیا ہمیں اسلام نے نہیں دیا، قرآن نے نہیں دیا، سنہ نے نہیں دیا، مگر جب اس کے نتائج سامنے آتے ہیں تو پتہ چلتا ہے۔

اچھا صاحب! میرج کمیشن میں جب یہ سوال سامنے آیا تو صرف ایک مخالف نہیں تھا۔ میں نے کہا کہ صاحب! مجھے اس سلسلہ میں آپ سب سے اختلاف ہے، تو وہ کہنے لگے کہ ہم آپ کو لکھے دیتے ہیں کہ آپ کو اختلاف ہے میں نے کہا، نہیں۔ آپ نہیں لکھتے۔ میں اختلاف اور اختلاف کے دلائل خود پیش کروں گا۔ وہ اختلافی نوٹ پھر میرا اخبارات میں چھپا بھی تھا۔ لیکن میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ وہ تین عورتیں، تین جج، ایک جج مین چکر کھا رہے ہیں، راستہ نہیں ملتا ہے۔ منزل سے ہٹک گئے، کیا لکھیں؟ چیف جسٹس صاحب نے فرمایا کہ یہ لکھو کہ جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ کورٹ کو کہ دوسرے یا تیسرے نکاح کے بعد بھی یہ اخراجات برداشت کر سکتا ہے اس وقت تک اجازت نہ دی جائے۔ اب وہ سوال عورتوں کے سامنے آیا۔ عورتیں کان میں ایک دوسرے کے بات کر رہی ہیں۔ اٹھ کے چلی گئیں باہر۔ مجھے معلوم ہوا کہ وہ بات یہ کر رہی ہیں۔ ارے بھئی! یہ اگر آپ نے شرط لگا دی کہ جو خرچہ اٹھا سکے اس کو اجازت ہے تو یہ تو اصل میں ہائی سوسائٹی کا مسئلہ ہے، وہ تو خرچہ اٹھا ہی سکتے ہیں، تو اس کا مطلب ہے ہائی سوسائٹی کو تو دو، تین، چار کی اجازت دے رہے ہیں آپ! غریبوں کی سوسائٹی کا تو یہ مسئلہ ہی نہیں ہے۔ ہم تو نما سبکی اعلیٰ سوسائٹی کی کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ ہمارا تو سر توڑ دیں گی عورتیں، کہ تم نے اخراجات کی بنیاد پر اجازت دلوادی ہے۔ اب جناب وہ بڑی ناراض۔ کہنے لگیں صاحب نہیں۔ یہ تو ہماری بڑی رسوائی ہو جائے گی یہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیا ہونا چاہئے؟ میں نے بیچ میں بولتے ہوئے ایک بیگم صاحبہ سے کہا کہ آپ کی پریشانی کو دیکھ کر میں آپ کو ایک راستہ بتاتا ہوں، میں تو اپنا اختلافی نوٹ لکھوں گا، میرا اس بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن میں آپ کو ایک راستہ بتاتا ہوں۔ آپ اس عبارت میں یہ لکھوا لیجئے کہ جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ یہ عدل کرے گا۔ لفظ عدل لکھوائیے، اخراجات نہ لکھوائیے۔ تو اب وہ خاتون کہنے لگیں، ہاں مولانا صاحب! آپ نے تو بڑی اچھی بات بتا دی ہے۔ بس جسٹس صاحب! یہ لکھ لیجئے۔ لیکن ایک پرانے گھاگھج بیٹھے ہوئے تھے وہ کہنے لگے کہ یہ مولانا صاحب نے تو آپ کو بڑے چکر میں ڈال دیا ہے۔ انہوں نے کہا کیسے؟ کہنے لگے لفظ عدل

میں دو چیزیں ہیں۔ ایک ہے خرچہ اور ایک ہے حق زوجیت۔ تو یہ کس کس کی ڈاکٹری کرانی جائے گی کہ آیا یہ حق زوجیت دو کا ادا کر سکتا ہے یا نہیں ادا کر سکتا ہے۔ اب عورتیں بچاری پھر غزوہ ہو گئیں۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ پریشانی صرف اس لئے ہے کہ اسلام کا نقطہ نظر چھوڑا اور پریشانی ہوئی کوئی حل نہیں ہے۔ جب زیادہ دیر ہوگئی تو چیف جسٹس صاحب نے وہ سارا کا سارا فائل پھینک دیا اور کہا ارے بھئی! آخر کوئی تو عبارت ہوگی مجھے بتاؤ نا کہ آخر میں کیا عبارت لکھوں کہ کس طرح اجازت دی جائے؟ کوئی عبارت نہیں بتا سکے۔

آپ نے دیکھا! اب اس کے بعد فرض کر لیجئے کہ یہ پابندی لگ جائے۔ جن ملکوں میں یہ پابندی ہے، نکاحی تو اصل میں ہے امریکا کی، برطانیہ کی، یورپ کی تو مجھ سے ایک امریکن نے یہ سوال کیا تھا کہ کیا ایک سے زیادہ نکاح کے آپ حق میں ہیں؟ میں نے کہا کہ یہ میں بعد میں بتاؤں گا کہ میں حق میں ہوں یا نہیں؟ میں نے کہا آپ مجھے بتائیے آپ کے یہاں کا قانون کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک سے زیادہ نکاح نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کی پوری آبادی کے اندر کوئی ایک بھی امریکن ایسا ہے کہ جس نے ساری زندگی صرف ایک عورت پر اکتفا کیا ہو، دوسری عورت سے تعلق نہ قائم کیا ہو، کوئی ہے؟ تو ہنسنے لگا، کہنے لگا، نہیں۔ ایسا تو ایک بھی آدمی نہیں ملے گا۔ ارے! میں نے کہا تو پھر فائدہ کیا ہوا؟ اصل سوال یہ ہے کہ ایک عورت کے اوپر آپ قاعدت کر سکتے ہیں؟ اگر کر سکتے ہیں، اسلام آپ کی کھڑوٹکتا ہے۔ سبحان اللہ! آپ بہت اچھے ہیں لیکن اگر آپ یہ کہیں کہ جی نہیں، ہم تو ایک پہ قاعدت نہیں کر سکتے۔ پھر؟ پیسے دے کے اس کی عزت خریدیں گے۔ پیسے خرچ کر کے اس کی آبرو خریدیں گے۔ پیسے خرچ کر کے عیاشی کریں گے۔ جس کا مطلب یہ ہے اسلام یہ کہتا ہے کہ بھئی ایک عورت پر ہم نے بھی قاعدت نہیں کی، تم نے بھی قاعدت نہیں کی۔ ہم تم دونوں برابر ہیں۔ لیکن عزت کو پیسوں سے خریدنا اور عزت سے کھینا ہم پسند نہیں کرتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ اگر آپ ایک عورت پر قاعدت نہیں کرتے ہیں تو دوسری عورت کی عزت کو خریدیں نہیں بلکہ اس کو اپنے گھر کی مالک بنا کے، بیوی بنا کے نکاح میں لائیں اور آپ رکھیں۔ آپ (یعنی مغربی ممالک والے، وضاحت از تنویر: 2007-5-31) بازاروں میں اس کی عزت خریدتے ہیں۔ آپ بتائیے کہ ہمارا فیصلہ صحیح ہے یا آپ کا فیصلہ صحیح ہے؟ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یورپ کی عورتیں ہوں یا ہمارے یہاں کے اونچی سوسائٹی کی عورت، کہتے ہیں کہ جی نکاح کر کے نہ لائے۔ چاہے طوائفوں میں چلا جایا کرے۔ لاجول ولا قوۃ الا باللہ کسی مسلمان

عورت کا یہ خیال ہونا چاہئے؟ کبھی نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اس کو تو یہ رائے دینی چاہئے کہ دیکھو خدا کی نافرمانی سے یہ بہتر ہے کہ تم جائز بنا کے رکھو۔

اچھا صاحب! قانون بن گیا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ اونچی سوسائٹی میں جب یہ دوسرے تیسرے نکاح ہوتے ہیں، یہ ایکسیڈنٹ (Accident) کے طور پر ہوتے ہیں۔ مرد اور عورت کی نگاہیں مل گئیں دوستی ہوگئی، منصوبہ تو کوئی بنا نہیں تھا حادثہ پیش آ گیا ہے۔ اب کیا کریں؟ قانون کہتا ہے کہ ایک سے زیادہ نکاح نہیں کر سکتے تو اب اس حادثہ کے بعد دوسری شکلیں رہ گئیں۔ یا حادثہ کے ساتھ تعلق ہمیشہ ہمیشہ ناجائز رکھیں اور اگر آپ اس کو نکاح میں لانا چاہیں تو قانون یہ کہتا ہے کہ پہلی بیوی جو ہے جس نے آپ کے ساتھ دس سال گزارے ہیں، اپنی جوانی گنوائی ہے۔ اس کے بچے بھی ہیں، اس کو طلاق دے کے سب کو گھر سے نکال دو پھر نئی ٹولی کو لے آؤ۔ اب ایک عورت یہ کہتی ہے ارے بھئی میں نے تو اپنے شوہر کے گھر میں وقت گزارا ہے۔ میں جانا نہیں چاہتی ہوں میں اسی کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ قانون یہ کہتا ہے کہ نہیں نہیں پہلے یہ سارے کنبے کو نکالو، پھر یہ دوسری آئے گی اور اگر پہلے کو نہیں نکالتے ہو تو دوسری سے تمام عمر ناجائز تعلق رکھو۔ آپ مجھے بتائیے کہ یہ واقعی کیا عورتوں کے حقوق ہیں؟ یہ عورتوں کے حقوق نہیں ہیں۔

یہ اسلامی ملک ہے، یہاں پر تو زنا کو سب سے زیادہ مغضوب قسم کا جرم قرار دینا چاہئے۔ قانون میں اجازت نہیں دینی چاہئے۔ مگر آپ کا قانون کیا کہتا ہے، آپ نے ایک نکاح کیا ہے، دوسری عورت سے آپ نے تعلقات قائم کر رکھے ہیں، باقاعدہ کسی مکان میں آنا جانا ہے، پولیس میں آپ کی رپورٹ ہوگئی ہے کیا؟ کہ صاحب ایک بیوی ہے یہ دوسری بیوی اس نے کی ہے۔ قانون کے خلاف کیا ہے۔ پولیس تحقیقات کے لئے آتی ہے۔ آپ کیا بیان لکھواتے ہیں؟ آپ لکھواتے ہیں۔ نہیں صاحب! میں نے اس سے نکاح نہیں کیا ہے یہ میری آشنا ہے، میں نے اس کو داشتہ بنا کے رکھا ہے۔ ناجائز طریقے پر رکھا ہے۔ ہے آپ کا کوئی قانون جو آپ مجھے منع کر سکتے ہیں؟ اور اگر آپ یہ کہیں کہ میں نے نکاح کر لیا ہے تو پولیس پکڑ کے لے جائے گی۔ عجیب بات ہے کہ اسلامی ملک میں نکاح کر کے رکھو تو جرم اور بغیر نکاح کے رکھو تو جائز۔ کیا یہ عورتوں کا حق ملا اس سے؟ اور یہ عالمی قوانین جو اتنے زمانے سے جاری ہیں، مجھے افسوس ہے بڑی بڑی تحریکیں چلتی ہیں اور چلتی رہی ہیں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں اتنے طویل زمانے سے آپ کے ملک میں بڑے پیمانے کے اوپر زنا کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ اس ملک میں جو آخر یہ بے چینی ہے یہ بلا وجہ نہیں ہے۔



یہ اللہ کی بغاوت کا بھی نتیجہ ہے۔ عالمی قوانین میں قانون یہ ہے کہ اگر کسی نے تین طلاقیں دے دیں تو نوے دن کے اندر اندر اس کو واپس کیا جاسکتا ہے۔ اس ملک کی آبادی زیادہ تر خفی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے یہاں تین طلاقیں دینے کے بعد کوئی فکھ واپس جانے کی نہیں ہے، حرام ہے، مغلط ہے۔ قانون کہتا ہے کہ نوے دن کے اندر اندر آپ چاہیں تو اس عورت کو واپس لے لیں، بہت سی عورتیں اس قانون کا سہارا لے کر فتویٰ کے خلاف شوہروں کے پاس رہ رہی ہیں اور وہ بالکل قطعاً ناجائز ہے اور بالکل حرام ہے۔ لیکن اس قانون کے تحت ایسا ہو رہا ہے۔ بڑی بڑی باتیں تو بعد کی ہیں لیکن کم سے کم یہ جو باتیں ہیں جس کی رو سے اس ملک کے اندر اللہ کی معصیت کا اور گناہ کا ارتکاب ہو رہا ہے یہ تو کم سے کم بند ہونی چاہئیں۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ بڑی بڑی باتوں کے مطالبات اٹھائے جاتے ہیں اور یہ چھوٹے چھوٹے اقدامات جو ہیں یہ کسی نے نہیں کئے۔“ (اقتباس ختم) ماخوذ از تقریر جمعہ بتاریخ 10-28-1977 تفسیر سورہ طلاق۔ مقرر حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی خطبات احتشام الحق جلد سوم مطبوعہ مدراس (جنوبی ہند)۔

اس پیش لفظ کے اختتام سے قبل دو باتوں کی وضاحت کروں گا۔ ایک تو یہ کہ پاکستان بھری وہ تمام مسلمان اور مظلوم عورتیں اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ آپ کو اطمینان و سکون کی دولت، جائز حقوق کی وصولیابی اور ظالم شوہروں اور بھائیوں کے بے جا ظلم و ستم سے چھٹکارا تب ہی میسر آ سکتا ہے کہ جب فیلڈ مارشل ایوب خان کی مطلق العنان فوجی حکومت اور جبری آرڈیننس کے ذریعہ مسلط شدہ عالمی قوانین کی غیر اسلامی شقوق کو فی الفور منسوخ کر دیا جائے۔

میری اسلامی ماؤ، بہنو اور بیٹیوں! میں قسم کھا کر کہتا ہوں، آپ کو اسلامی نظام سے یہ کہہ کے ڈرایا جاتا ہے کہ اگر پاکستان میں اسلامی نظام نافذ ہو گیا تو آپ کو شل کاک (SHUTTLE CORK) برقعے اوڑھا کے گھر میں مقید کر دیا جائے گا، تعلیم سے محروم کر دیا جائے گا، اور گلا گھونٹ قسم کا قانون مسلط کر دیا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ سارا کاسا راپروپیگنڈا اور باب اقتدار سمیت سیکورڈز میں رکھنے والی اور اسلام دشمن سیاسی پارٹیوں اور سماجی تنظیموں کا ہے، اے ماشاء اللہ۔

حالانکہ اپنے بزرگوں سے حاصل شدہ معلومات اور حقائق کے حوالے سے یہ حقیقت تمام سیاسی پارٹیوں سمیت ایک ایک پاکستانی کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں کہ قائد اعظم محمد علی جناح مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر اپنی پوری توانائی اور ذہانت و لیاقت لگانے کے باوجود ایک مرحلے پر مسلمانان ہند کی حمایت سے مایوس ہو گئے تھے، اور کیوں نہ ہوتے؟ اس لیے کہ مسلم لیگ کے

مد مقابل حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جید ہستی سمیت آسمان علوم نبوت کے آفتاب و ماہتاب اور تقویٰ و نذیرین کے اوج کمال پر فائز کثیر علماء و صلحاء جمعیت علمائے ہند کے پلیٹ فارم پر دلائل و براہین سے آراستہ تقسیم ہند اور قیام پاکستان سے بھرپور اختلاف فرما رہے تھے، ایسے میں قائد اعظم کو تھانہ بھون کی یاد آئی اور وقت کے مجدد حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے حصول حمایت کے لیے باضابطہ رابطہ قائم کیا گیا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی آنکھ بند کر کے نہیں بلکہ بڑے اتمام حجت کے بعد شرط حمایت کا جب اعلان فرمایا تو پڑمردہ مسلم لیگ کی جان میں جان آئی اور اتنی طاقت ملی کہ سن 1946ء کے الیکشن میں بھرپور کامیابی سے ہمکنار ہوئی تو پاکستان وجود میں آیا۔

میری بہنو! کیا مولانا اشرف علی تھانوی نے ایسے پاکستان کے لیے حامی بھری تھی جس میں عالمی قوانین کی لغت سے لگا کر آج تک میرا حق نہیں کے نام پر قوم کی جوان اور مسلمان بچیوں کی تنگی مانگوں اور جسم و بدن کی فحاش کر کے پوری دنیا کے سامنے سڑکوں پر دوڑانے پر فخر کیا جائے وغیرہ وغیرہ؟ ہرگز ہرگز نہیں۔

بہر حال اشریعت اسلامیہ اور قرآن و سنت نے عورتوں ہی کو نہیں، بلکہ کل بنی نوع انسان حتیٰ کہ حیوانات و نباتات تک کے لیے جو راحت اور سکون مہیا کیا ہے، اُس کی مثال قیامت تک کوئی مذہب یا بڑے سے بڑا فلاح و بہبود کے نام پر قائم ہونے والا یا حقوق انسانی کا علمبردار کوئی ادارہ پیش کر ہی نہیں سکتا۔

ایک وضاحت یہ بھی کر دوں کہ آغاز ہی میں جو شعر احقر نے منتخب کیا اس کا مقصد اس خوشی کا اظہار ہے کہ بھرا اللہ اسلام کے فرائض و واجبات کی ادائیگی اور تلاوت کلام اللہ کی توفیق ربانی کے بعد اگر کوئی حاصل زندگی مشغلہ نصیب ہوا ہے تو وہ اپنے والد محترم حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے یہی علوم و مضامین اور مکتوبات و مخطوطات اور دینی و سیاسی بیانات کی جمع و ترتیب کا نجات دہندہ مشغلہ ہے کہ ایک کے بعد ایک، پھر دوسرا تیسرا اور پے درپے اشاعت و طباعت کے مرحلے سے گزر کر اصحاب ذوق کے ہاتھوں کی زینت بننے ہوئے اوراق تاریخ میں محفوظ ہو رہا ہے۔ یہ سب کچھ تو میرا ایک خواب ہی تھا لیکن اس کو حقیقت کی تصویر بنانے میں حضرت مولانا حافظ محمد صدیق ارکانی صاحب دامت فیوضہم کا بہت بڑا حصہ ہے، انہوں نے علوم و معرفت کی ایسی شراب دل و دماغ میں اٹھیل دی ہے کہ اب اگلے جام کے لیے طبیعت بے چین رہتی ہے۔

لا پلاوے ساقیا پیانہ پیانے کے بعد

ایک بہت بڑے موہوم الزام سے برأت کا بھی کچھ تحریری بندوبست کر دوں جو یقیناً زبانی اظہار کے مقابلے میں زیادہ ناقابل تکذیب و تنسیخ ہو سکے گا، وہ مشہور ہے۔

عشق است و ہزار بدگمانی

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و افکار کو اب تک جو کتاب و مجموعہ کی شکل میں لایا گیا ہے، وہ یا تو کسی عاشق و معتقد نے اپنی جیب خاص سے چھپوا دی، اور بیشتر ایسا ہی ہوا ہے، یا پھر ادارے نے چھوٹی موٹی ہمت کر کے چھپوا دی تو اشاعت پر اخراجات کا عشر عشر بھی وصول نہیں ہوا، جس کا جیتا جاگتا ثبوت ”ماہنامہ حق نوئے احتشام“ ہے، جس کی چھپائی اور تیاری کا ماہانہ خرچ جس میں اندرون ملک و بیرون ملک میں ترسیل کا خرچہ اضافی ہے، رسالے بکنے کی شکل میں جو نور بھری آمدنی ہوتی ہے اس کو تو آمدنی کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے ان علوم کی اشاعت میں نہ میرا شخصی کوئی فائدہ ہے، نہ ادارے کو کچھ ملتا ہے جس کو خود کفیل ہونے کا معزز نام دیا جاسکے، اس لیے کہ مقصد صرف اور صرف تبلیغ دین ہے البتہ یہ کوشش ہماری ضرور ہے کہ ہم ایسا کوئی ٹھوس نظام بنالیں کہ جس کی بناء پر تمام مطبوعات و ٹیپ شدہ تقاریر و تلاوت مکتبہ احتشامیہ واقع مرکزی جامع مسجد تھانوی جیکب لائن ہی سے دستیاب ہو سکیں۔ اس پیش لفظ کا اختتام اپنے اس بے ڈھب جملے پر کرتا ہوں، ”کاش کہ مجھ کو پیش لفظ لکھنے کا حکم ہی نہ دیا جاتا“ طویل سے الطول اور پھر مطول ہونے پر حد درجہ معذرت خواہ۔

طلبکار دعوات صالحہ

تھانوی

احقر النیس

(مولانا تنویر الحق تھانوی)

14 جمادی الاولیٰ 1428ھ

31 مئی 2007ء

## عائلی کمیشن اور اختلافی نوٹ کی اصل حقیقت

حامداً و مصلیاً و مسلماً اما بعد!

قارئین کرام و ہمدردان اسلام! اس وقت کتاب ”عائلی قوانین اور اختلافی نوٹ“ آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ جنرل محمد ایوب خان صاحب 17 جنوری 1951ء کو مملکت پاکستان کے چیف آف آرمی اسٹاف بنے اور 27 مارچ 1958ء کو انہوں نے میجر جنرل اسکندر مرزا کا تختہ الٹ کر ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا اور خود صدر مملکت بن گئے جبکہ جنرل موسیٰ خان صاحب پاک فوج کے سربراہ بن گئے۔ مارچ 1959ء کو ”لیڈ و قانون“ نافذ کر کے 350 بیوروکریٹس اور 1300 سرکاری ملازمین کو برطرف کر دیا گیا، اگست 1959ء کو ”لیڈ و قانون“ نافذ کر کے 1947ء سے برسرِ پیکار 980 سیاست دانوں کے خلاف کارروائی کی گئی، 1965ء کے صدارتی ایکشن میں جنرل محمد ایوب خان نے فاطمہ جناح کے مقابلے میں کامیابی حاصل کی، 25 مارچ 1969ء کو جنرل محمد ایوب خان عوام کے پرزور احتجاج پر مستعفی ہو گئے اور جنرل محمد یحییٰ خان صدر بن گئے۔

### مطالبہ قیام کمیشن اور اس کے اصل مقاصد

جولائی 1955ء میں پاکستان کی چند جدید تعلیم یافتہ خواتین نے حکومت پاکستان (صدر میجر جنرل اسکندر مرزا، سربراہ فوج جنرل محمد ایوب خان) سے مطالبہ کیا کہ قوانین ازدواجی و عائلی مسائل میں نظر ثانی کی جائے اور اس میں اضافہ و ترمیم کر کے اسے موجودہ ترقی یافتہ زمانہ کے مطابق کیا جائے، کیونکہ موجودہ ازدواجی و عائلی مسائل نے خواتین کی ترقی روک دی اور مردوں کو حد سے زیادہ آزادی دے دی جس کی وجہ سے مرد و زن کے درمیان مساوات اور برابری کا فلسفہ ختم ہو گیا، اس مطالبہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ جس طرح مردوں کو طلاق دینے کا حق ہے اسی طرح عورتوں کو بھی مردوں سے علیحدگی کا (بصورت طلاق) حق دیا جائے، یا مردوں سے بھی حق طلاق واپس لیا جائے۔

مردوں کے لئے ایک سے زیادہ بیوی رکھنے (یعنی نکاح ثانی) پر پابندی ہو، عدالت کی

اجازت کے بغیر شادی نہ ہو، شادی کی عمر مقرر ہو، اس مقررہ عمر کے بغیر شادی نہ ہو، نکاح کرنے کرانے کا اختیار (ولایت) حکومت یا عدالت کے پاس ہونے کے والدین کے پاس، نکاح کو تجارت سمجھا جائے نہ کہ عبادت، اجتہاد و قیاس کے نام پر احکام شریعت میں من مانی رد و بدل اور خواہشات نفسانی کے مطابق اضافہ و ترمیم کا اختیار حکومت کو دیا جائے نہ کہ علماء اور ائمہ مجتہدین کو۔ اگر کوئی شخص بیک الفاظ تین طلاقیں دیں تو ایک طلاق سمجھا جائے نہ کہ تین۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے تو اسے اس وقت تک معتبر قرار نہ دیا جائے جب تک عدالت اور حکومت اسے جائز قرار نہ دے۔ مطلقہ بیوی کا نان نفقہ (تا عقد ثانی یا تاحین حیات) مرد پر واجب قرار دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

### قیام میرج کمیشن و اراکین عالمی کمیشن

اس مطالبہ پر حکومت پاکستان نے 4 اگست 1955ء میں چند تجویز پسند حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جسے "عالمی کمیشن و میرج کمیشن" کا نام دیا گیا تھا، اس عالمی کمیشن کے سربراہ و چیئرمین جناب خلیفہ شجاع الدین صاحب مقرر ہوئے، چنانچہ کمیٹی کا پہلا اجلاس انہی کی صدارت میں 5 اکتوبر 1955ء کو لاہور میں ہوا۔ 6 اکتوبر 1955ء کو جناب خلیفہ شجاع الدین اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، ان کے بعد جناب میاں عبدالرشید صاحب سابق چیف جسٹس پاکستان چیئرمین مقرر ہوئے اور ساری کارروائی انہی کی زیر نگرانی ہوئی۔

دیگر اراکین یہ تھے۔ (1) ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، سیکریٹری (2) حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی (3) جناب عنایت الرحمن صاحب (مشرقی پاکستان موجودہ بنگلہ دیش) (4) محترمہ بیگم شاہنواز صاحبہ (5) محترمہ بیگم انور بیگم احمد (6) محترمہ بیگم شمس التہار محمود صاحبہ۔

اس عالمی کمیشن کے جملہ افراد تجویز پسند، مغرب زدہ، دین اسلام سے عاری، دماغ عقل سے خالی اور احکام شریعت سے ناواقف تھے، البتہ دنیا اور باشندگان پاکستان کو یہ باور کرانے کے لئے کس کس مسئلہ میں ہمیں علماء کی حمایت و مدد بھی حاصل ہے خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کو بھی اس عالمی کمیشن کا ممبر بنایا گیا، لیکن ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی بے باکی اور حق گوئی میں اپنی مثال آپ ہیں، وہ زبردست عالم دین ہونے کے ساتھ سیاست اور فتنی بصارت و بصیرت کے بھی حامل ہیں اور حق بات کہنے اور لکھنے میں کسی بھی حکمت و مصلحت کو بیچ میں آنے نہیں دیتے۔

### خطیب پاکستان کو نظر انداز کرنے کی ناپسندیدہ کوششیں

جب حکومت پاکستان اور لادین اراکین کمیشن کو یہ اندازہ ہو گیا کہ خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب تو سرکاری مولوی بننے کے بجائے اصل حقائق سامنے لائیں گے اس لئے انہیں مختلف حیلوں، بہانوں سے نہ اجلاس میں شریک ہونے کا موقع دیا گیا اور نہ ہی اختلافی نوٹ لکھنے کی سہولت دی گئی تاکہ سانپ بھی مر جائے اور لالھی بھی نہ ٹوٹے، اس کے بعد خطیب پاکستان کے خلاف مختلف ناپسندیدہ منصوبے بنائے گئے جن میں سے چند یہ ہیں۔

(1) 26 نومبر تا 29 نومبر 1955ء آل پارٹیز کشمیر کانفرنس کی تاریخیں طے شدہ تھیں اور اس کانفرنس میں خطیب پاکستان اور رکن عالمی کمیشن بیگم شاہنواز صاحبہ سمیت حکومت پاکستان کے وزراء کی شرکت بھی سرکاری طور پر طے شدہ تھی، اس لئے ان دنوں عالمی کمیشن کا اجلاس منعقد نہیں ہونا چاہیے تھا تاہم منع کرنے کے باوجود انہی دنوں عالمی کمیشن کا اجلاس طلب کر لیا گیا تاکہ خطیب پاکستان اس میں شریک نہ ہو سکیں، اس پر خطیب پاکستان نے جو احتجاجی خط روانہ کیا وہ یہ ہے:-

جناب سیکریٹری صاحب کمیشن اون میرج اینڈ فیملی لاز، انشٹیٹیوٹ آف اسلامک کلچرزنسگ واس گارڈنس کلب روڈ، لاہور۔

مخدوم گرامی قدوم خلیفہ عبدالحکیم صاحب، السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

جناب کامراسلہ کمیشن کی میٹنگ سے متعلق موصول ہوا۔ لیکن 26 نومبر سے آل پارٹیز کشمیر کانفرنس ہے جو تقریباً 29 تک رہے گی۔ اس لئے کمیشن کے اجلاس میں شرکت بہت دشوار ہے۔ بیگم شاہنواز بھی کانفرنس میں مدعو ہیں۔ ان کے لئے بھی شرکت مشکل ہوگی۔ بہتر ہوگا تاریخیں تبدیل فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ والسلام (مولانا) احتشام الحق تھانوی۔ 22 نومبر 1955ء۔

(2) سرکاری افراد جب سرکاری دورے پر جاتے ہیں تو آمد و رفت کا کرایہ فوراً دیدیا جاتا ہے تاکہ آمد و رفت میں مشکلات کا سامنا کرنا نہ پڑے، اس کے برعکس خطیب پاکستان کو آمد و رفت کے کرائے کی وصولی کے لئے باقاعدہ احتجاج کرنا پڑا، احتجاجی خط یہ ہے۔

جناب سیکریٹری صاحب کمیشن اون میرج اینڈ فیملی لاز، انشٹیٹیوٹ آف اسلامک کلچرزنسگ واس گارڈنس کلب روڈ، لاہور۔

گرامی قدوم سیکریٹری صاحب، السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

میں ۳ اکتوبر (1955ء) کو لاہور حاضر ہو کر ۵ اکتوبر کو کمیشن کی میٹنگ میں شریک ہوا



اور ۶ اکتوبر کو روانہ ہو کر ۷ اکتوبر کو کراچی پہنچا۔ اس سلسلے میں کراچی سے لاہور اور لاہور سے کراچی کے مصارف سفر میں نے اپنے پاس سے برداشت کئے۔ امید ہے کہ آپ کرایہ سفر میرے پتہ پر روانہ فرمادیں گے۔ والسلام

(مولانا) احتشام الحق تھانوی۔ ۵۶۔ جبکہ لائن کراچی ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء۔ اس کے بعد خطیب پاکستان نے دوسرا خط لایوں روانہ فرمایا:

گرامی قدرم سیکریٹری صاحب کمیشن اون میرج السلام علیکم ورحمۃ اللہ  
مصارف سفر کے سلسلہ میں قیام لاہور کے وقت یہ معلوم ہوا تھا کہ دو تین روز میں چیک پہنچ جائے گا، مگر ہنوز وہ مصارف موصول نہیں ہوئے۔ امید ہے کہ جناب اس کی تکمیل فرمادیں گے۔ والسلام (مولانا) احتشام الحق تھانوی۔ 28 فروری 1956ء۔ دو خطوط بھیجنے کے بعد دفتر عالمی کمیشن سے درج ذیل جواب موصول ہوا۔

بخدمت مولانا احتشام الحق صاحب۔ 56۔ جبکہ لائنز، کراچی۔

مکرم و محترم جناب مولانا صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط موصول ہوا اور اس کے ساتھ وہ رسید بھی جو بغرض دستخط آپ کی خدمت میں بھیجی گئی تھی۔ ایک چیک جو مبلغ 421.10.0 (چار سو اکیس روپے دس آنے) کا ہے ارسال خدمت ہے۔ دوسرا بل بھی منظور ہو گیا ہے اس کا چیک تیار ہوتے ہی آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا، کوئی اور خدمت میرے لائق ہو تو اس سے بھی مطلع فرمائیں۔ ہمارے سیکریٹری صاحب مولوی غلام نجی الدین صاحب کی جانب سے بہت بہت السلام علیکم والسلام مع الکرام، آپ کا خادم فصیح الدین۔ کارکن "دی کمیشن اون میرج اینڈ فیملی لاز" 16 مارچ 1956ء۔

(۳) عالمی کمیشن نے اپنی طرف سے تجاویزات و سفارشات کا جو مسودہ تیار کیا تھا وہ انگریزی میں تھا حالانکہ پاکستان کی قومی سرکاری زبان اردو ہے اور تشریحات و تعبیرات قرآن وحدیث کی کی جا رہی ہیں، پھر یہی انگریزی مسودہ دستخط اور اختلافی نوٹ کے لئے اراکین کمیشن کو فراہم کیا گیا تھا جبکہ ان کو خوب معلوم تھا کہ خطیب پاکستان انگریزی سے ناواقف ہیں، پھر اس انگریزی مسودے پر چیئر مین کی طرف سے یہ ہدایت بھی درج تھی "کسی شخص پر مسودہ کا اظہار غیر آئینی ہے" اس ہدایت کے بعد خطیب پاکستان کے لئے اس انگریزی مسودے سے براہ راست استفادہ کرنا یا کسی سے ترجمہ کروانا اور اختلافی نوٹ لکھنا حد درجہ مشکل ہو گیا۔

تاہم خطیب پاکستان نے بڑی مشکل سے چیئر مین عالمی کمیشن سے انگریزی مسودے کو اردو میں منتقل کرنے کی اجازت حاصل کی اور جناب اے آر قاضی ڈپٹی سیکریٹری وزارت قانون حکومت پاکستان سے یہ مدد لی، اس سلسلے میں خطیب پاکستان نے جو خطوط بھیجے وہ یہ ہیں۔

گرامی قدرم ڈپٹی سیکریٹری صاحب، گرامی قدر اے آر قاضی ڈپٹی سیکریٹری وزارت قانون حکومت پاکستان، کراچی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اختلافی نوٹ کا انگریزی ترجمہ جس کے ابتدائی 18 صفحات جناب نے بھیجے تھے وہ میں نے دیکھ لئے اور شکریہ کے ساتھ واپس ہیں۔ قلم زد عبارت کی جگہ متنیل سے لکھی ہوئی عبارت اصلاح شدہ ہے وہی ہونی چاہیے۔ باقی ترجمہ اچھا ہے، محنت سے کیا گیا ہے۔ والسلام بندہ احتشام الحق۔ 15 اگست 1956ء۔ دوسرا خط یہ ہے۔

گرامی قدر اے آر قاضی صاحب، ڈپٹی سیکریٹری وزارت قانون حکومت پاکستان کراچی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اختلافی نوٹ کے انگریزی ترجمہ کے بقیہ اجزاء صحیح کے بعد شکریہ کے ساتھ ارسال خدمت ہیں۔ والسلام (مولانا) احتشام الحق تھانوی، ۲۳ اگست ۱۹۵۶ء۔

(۴) 15 مارچ 1956ء میں خطیب پاکستان کو اختلافی نوٹ لکھنے کے لئے انگریزی زبان میں لکھا ہوا مسودہ ملا اور ساتھ یہ بھی ہدایت کی گئی کہ پندرہ دن کے اندر اختلافی نوٹ دفتر کو موصول ہو جانا چاہیے ورنہ اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد خطیب پاکستان نے یہ مسودہ اے آر قاضی ڈپٹی سیکریٹری وزارت قانون کو بغرض ترجمہ فراہم کیا جو جون 1956ء میں خطیب پاکستان کو مترجم (اردو میں) مسودہ ملا، اس مترجم مسودہ ملنے تک پندرہ دن والی مدت ختم ہو گئی، یوں خطیب پاکستان کا اختلافی نوٹ حکومت کے نزدیک قابل مسترد ٹھہرا۔

(۵) اوائل مئی 1956ء کو وزیر اعظم پاکستان کی ہدایت پر خطیب پاکستان چیئر مین کے سرکاری دورے پر تشریف لے گئے۔ خطیب پاکستان چیئر مین کے سرکاری دورے پر جاتے ہی ۱۲ مئی 1956ء کو چیئر مین عالمی کمیشن صاحب کی طرف سے صدر دفتر دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار حیدر آباد کو ایک تار موصول ہوا جس میں اختلافی نوٹ کا تقاضہ کیا گیا، حالانکہ چیئر مین عالمی کمیشن کو بخوبی علم تھا کہ خطیب پاکستان چیئر مین کے سرکاری دورے پر ہیں، اس تار کا جواب یہ دیا گیا: مکرری۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

رمضان کے آخری حصے میں کمیشن کے دفتر سے ایک نامور مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے نام موصول ہوا جس میں اختلافی نوٹ کی بابت تقاضا کیا گیا تھا۔ مولانا وزیراعظم صاحب کے ایماء پر چیمن تشریف لے گئے ہیں، اور آخر اپریل میں مولانا کی طبیعت کسی قدر طویل رہی اور ایک ہفتہ کوئی کام نہ کر سکے اور پھر اچانک سفر چین کے لئے وزیراعظم صاحب نے اصرار فرمایا۔ اس لئے وہ اختلافی نوٹ ہنوز آپ تک نہیں بھیجا جاسکا۔

میں امید کرتا ہوں کہ مولانا سفر چین سے واپس آتے ہی اختلافی نوٹ آپ کی خدمت میں روانہ کر دیں گے۔ یہ عرض بطور اطلاع کے جناب کی خدمت میں ارسال ہے۔ والسلام۔ (مولانا) ولد اعلیٰ غازی۔ صدر دفتر دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار، جیکب لائن، کراچی۔ 13 مئی 1956ء۔

(۶) ابھی خطیب پاکستان چین کے سرکاری دورے ہی پر تھے کہ حکومت پاکستان اور اراکین عالمی کمیشن نے مسودہ عالمی کمیشن (جو کہ قرآن و سنت کے خلاف ہے) کو اخبارات میں شائع کر دیا اور ساتھ یہ اعلان بھی ضروری سمجھا گیا کہ یہ مسودہ تمام اراکین کمیشن کا متفقہ ہے، حالانکہ یہ اعلان غلط ہے، اس پر خطیب پاکستان نے سخت لہجے میں احتجاج کیا۔

(۷) 9 جولائی 1956ء کو خطیب پاکستان نے 62 صفحات پر مشتمل اپنا اختلافی نوٹ چیمن میں عالمی کمیشن کے پاس بھیجا جسے وصول کرنے سے انکار کیا گیا اور یہ ہدایت کی گئی کہ اپنا اختلافی نوٹ وزارت قانون کے پاس بھیجا جائے جبکہ اس اختلافی نوٹ کا تعلق وزارت قانون سے نہیں تھا بلکہ چیمن کمیشن سے تھا۔ اس پر خطیب پاکستان نے سیکریٹری وزارت قانون کے نام یہ خط لکھا۔

گرامی قدم ڈپٹی سیکریٹری وزارت قانون حکومت پاکستان کراچی۔ سلام مسنون۔

شادی و عالمی کمیشن کی رپورٹ کا مسودہ جو 88 صفحات پر مشتمل تھا مجھے چیمن کی طرف سے ”اختلافی نوٹ“ کے لئے وسط مارچ 1956ء کے بعد موصول ہوا۔ جس میں مباحث کمیشن کے علاوہ ایک طویل ”دیباچہ مباحث“ بھی شامل کیا گیا تھا جس کا کوئی حرف کمیشن کے کسی اجلاس میں زیر بحث نہیں آیا تھا۔ 88 صفحات کا یہ مسودہ رپورٹ انگریزی میں تھا جس کی بابت چیمن میں کی یہ تحریری ہدایت تھی کہ کسی شخص پر مسودہ کا اظہار غیر آئینی ہے۔ اور مباحث کمیشن و دیباچہ مباحث کی بابت اختلافی نوٹ پندرہ روز میں چیمن کو بھیج دیا جائے، جو میرے لئے کسی طرح ممکن نہ تھا۔ چین انہیں تاریخوں میں رمضان المبارک شروع ہو گیا جس میں میری مصروفیتیں معمول سے کچھ زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔

رمضان سے فارغ ہوتے ہی اگلے دن وزیراعظم پاکستان کے حکم پر سفر چین کے لئے روانہ ہونا پڑا۔ واپسی پر معلوم ہوا کہ کمیشن کی رپورٹ شائع ہو گئی اور مجھے اپنا اختلافی نوٹ بجائے چیمن کمیشن کے وزارت قانون کو بھیجنا ہے۔

حالانکہ کمیشن کے گزشتہ اجلاس میں یہ قرار پایا تھا کہ یہ آخری رپورٹ نہیں ہے بلکہ مسودہ رپورٹ ہے اس پر اراکین کمیشن کے اظہار خیال کے بعد کمیشن کے آخری جلسہ میں آخری اور مکمل رپورٹ مرتب کی جائے گی۔ اور وہ ہی کمیشن کی اصل رپورٹ ہوگی۔ معلوم نہیں ایسے اہم مسئلہ میں پاس شدہ قرارداد کے خلاف کیوں ہوا اور کیسے ہوا؟

کمیشن کے گزشتہ اجلاس میں یہ طے پایا تھا کہ مسز عنایت الرحمن جو کسی اجلاس کمیشن میں شریک نہیں ہوئے ان کو صرف اطلاع کے لئے مسودہ رپورٹ بھیجا جائے گا اور ان کی رائے شامل نہیں کی جائے گی جیسا کہ چیمن میں صاحب نے مسودہ رپورٹ کے صفحہ 21 کے آخری پیرا گراف میں اس کا اظہار کیا ہے۔ مگر شائع شدہ رپورٹ میں عنایت الرحمن صاحب (ڈاکٹر) کی منظوری بھی شامل کی گئی ہے جو خلاف اصول ہے۔ میں اس اظہار حال کے ساتھ اپنے اختلافی نوٹ کو بھیج رہا ہوں جو 62 صفحات پر مشتمل ہے۔ والسلام۔ (مولانا) احتشام الحق تھانوی، 12 جولائی 1956ء۔ ممبر کمیشن ادون میرج۔

صدر پاکستان کی دھمکی، خطیب پاکستان کی لٹکار اور نفاذ مارشل لاء

باجملہ خطیب پاکستان نے بصیرت افروز اختلافی نوٹ لکھ کر اصلاح شدہ مسودہ 12 جولائی 1956ء میں وزارت قانون حکومت پاکستان کے حوالے کیا، لیکن حکومت پاکستان اور عالمی کمیشن نے اس اختلافی نوٹ کو چھپا کر اخبارات میں یہ بیان جاری کر دیا کہ عالمی کمیشن کی مجوزہ سفارشات بعنوان ”عورتوں کے حقوق کی نگہداشت، میرج کمیشن و عالمی قوانین“ اراکین عالمی کمیشن کا متفقہ ہیں، جب اس پر خطیب پاکستان نے صدائے احتجاج بلند کی تو وقتی طور پر معاملہ پس منظر میں چلا گیا لیکن صدر پاکستان میجر اسکندر مرزا نے یوں دھمکی دی کہ ”اسلامی دستور کا نام لینے والے یہ علماء کا نگرہی ہیں انہیں چاندی کی کشتی میں رکھ کر بھارت کو پیش کر دیا جائے گا، اس کے جواب میں طبقہ علماء میں سے صرف ایک آواز بلند ہوئی اور وہ آواز خطیب پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کی تھی، مولانا نے جواب میں فرمایا کہ اسکندر مرزا اور اس کے ساتھی برطانیہ اور امریکہ کے جاسوس ہیں، ہم انہیں عیسائیوں کے تابوت میں بند کر کے سمندر میں بہا دیں گے، اسکندر مرزا کے

حق میں مولانا کا یہ ارشاد یوں الہامی ثابت ہوا کہ جنرل محمد ایوب خان صاحب نے 27 مارچ 1958ء کو صدر پاکستان یحییٰ جنرل اسکندر مرزا کا تختہ الٹ کر ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا اور خود صدر مملکت کے عہدے پر فائز ہو گئے، یوں ان فرسودہ تجاویز کی منظوری نہیں ہو سکی۔

### فرسودہ سفارشات کو قانونی شکل دینے پر خطیب پاکستان کا احتجاج

اس کے بعد جنرل محمد ایوب خان نے 2 مارچ 1961ء میں ان فرسودہ سفارشات کو ایک آرڈیننس کے ذریعے قانونی شکل دی اور خطیب پاکستان کے اختلافی نوٹ کو کالعدم قرار دیا۔ اس پر خطیب پاکستان نے بذریعہ خط صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان سے احتجاج کیا اور اخبارات میں درج ذیل احتجاجی بیان جاری کیا۔

گرامی قدر ایڈیٹر صاحب کراچی

آج اچانک اخبارات کے ذریعہ پاکستان میں عالمی قوانین کے آرڈیننس کا علم ہوا، مجھے اس ضمن میں خصوصیت کے ساتھ ایک وضاحتی بیان کی ضرورت اس لئے پیش آرہی ہے کہ ۱۹۵۶ء میں عالمی قوانین کی ترتیب دینے والے کمیشن میں میرا نام بھی تھا اور میں نے اس وقت کمیشن کی سفارشات کی ان تمام دفعات سے اختلاف کیا تھا جو شرعی نقطہ نظر سے قابل اعتراض تھیں۔ میرا اختلافی نوٹ اس وقت اخبارات میں شائع ہو چکا ہے، اب گورنمنٹ نے اسی کمیشن کی سفارشات کو آرڈیننس کی شکل دیکر نافذ کرنے کا اعلان کر دیا ہے، مجھے افسوس ہے کہ میں آج بھی اپنی ساقیہ رائے پر قائم ہوں اور جن وجوہ کی بناء پر اختلاف کیا تھا وہ آج بھی موجود ہیں۔

میری ناقص رائے یہ ہے کہ ان سفارشات کو مزید کچھ دنوں تک کے لئے ملتوی رکھا جائے اور علماء سے مشورہ کرنے کے بعد اس آرڈیننس کو نافذ کیا جائے، شرعی قوانین میں ہر طبقہ کے علماء کا اتفاق ہے اور عالمی مسائل میں تقریباً سب متحد ہیں۔ صرف چند ماہرین قانون اور سماجی کارکنوں کے مشورہ پر اس کو قطعی صورت دیدینا میری رائے میں قبل از وقت ہوگا۔ (مولانا) احتشام الحق تھانوی ۳ مارچ ۱۹۶۱ء۔ اس اخباری بیان کے بعد حکومت پاکستان نے عارضی طور پر اس آرڈیننس کا نافذ موخر کر دیا۔

### موسودہ میرج کمیشن کا اجمالی خاکہ

ممبران میرج کمیشن و عالمی کمیشن نے عالمی قوانین پر مشتمل جو موسودہ تیار کیا ہے وہ انگریزی میں ہے، اس انگریزی موسودے کا ترجمہ خطیب پاکستان نے بصورت رف کرایا ہے، جس کی

تفصیل آچکی ہے، اس وقت میرے سامنے یہی مترجم رف موسودہ ہے جو بڑے سائز کے 142 صفحات پر مشتمل ہے، اس رف موسودہ کے شروع میں طویل دیباچہ ہے جو مناسب عنوانات کے اضافے کے ساتھ من و عن یہاں شامل کیا جا رہا ہے، کیونکہ خطیب پاکستان نے اس طویل دیباچہ پر بھی اختلافی نوٹ لکھا ہے۔

اس طویل دیباچہ کے درج ذیل عنوانات سے پہلے یہ جملہ مکتوب ہے ”صیغہ راز“ اس کا مطلب دال میں کالا ہے، دیباچہ کے عنوانات یہ ہیں (الف) اینگلو محمدن لاء اور موجودہ نظام عدلیہ کے تھائس (ب) میرج اینڈ فیملی لائن لاز۔ ازدواجی اور پہلی زندگی سے متعلق قوانین کی اہمیت (ج) سوال بند۔ اس عنوان کے تحت آئندہ صفحات میں جو سوالات درج کئے گئے ان کا تعارف اور خود وخال پیش کیا گیا ہے۔ یہاں تک طویل دیباچہ یا مقدمہ مقالہ ورپورٹ ختم ہوا اس کے بعد سوالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، سب سے پہلے نو سوالات اس طرح درج کئے گئے، سوالات نمبر 1-2 اور 9-10 سوال نمبر 3-5 سوالات نمبر 4 اور 5-6 سوالات نمبر 7 اور 8-9 خطیب پاکستان نے جو اختلافی نوٹ لکھا وہ بھی اسی ترتیب سے لکھا ہے۔ اس کے بعد درج ذیل بڑے عنوانات اور سوالات ہیں۔

(الف) شوہر کی طرف سے طلاق، اس عنوان کے تحت نمبر ایک سے پانچ تک سوالات درج ہیں۔ (ب) خلع، بیوی کی طرف سے طلاق کا مطالبہ، اس عنوان کے تحت دو سوالات درج ہیں۔ (ج) تعدد ازدواج، اس عنوان کے تحت ایک سے پانچ تک سوالات درج ہیں۔ (د) مہر، اس عنوان کے تحت ایک سے تین تک سوالات درج ہیں۔ (ه) حق تولیت کے تحت ایک سوال ہے۔ (و) گزارہ۔ بیوی بچوں کا نان و نفقہ، اس عنوان کے تحت ایک سے چار تک سوالات درج ہیں۔ (ز) املاک کی تولیت، اس میں دو سوالات ہیں، نمبر ایک اور دو۔ (ح) وراثت اور وصایا۔ اس میں پانچ سوالات ہیں 1، 2، 3، 4، 5 (ط) عدالت کے ذریعے تحفیض کاح، اس میں چار سوالات ہیں 1، 2، 3، 4۔ (ی) ازدواجی و خاندانی امور کے قوانین کی عدالتیں۔ اس عنوان کے تحت اراکین عالمی کمیشن کی طرف سے چند فرسودہ تجاویز اور غیر شرعی امور پیش کئے گئے ہیں۔

یہ کل دس (۱۰) بڑے عنوانات ہو گئے جو مجموعی طور پر لگ بھگ 40 سوالات پر مشتمل ہیں، ان 40 سوالات کے جوابات اراکین کمیشن نے اپنے طور پر تیار کئے جو چوں چوں کا مرسل ہونے کے ساتھ شریعت اسلامیہ اور اسلامی تہذیب و تمدن کے بھی خلاف ہیں، پھر یہ موسودہ اراکین کمیشن



نے بغرض دستخط و منظوری خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے پاس بھیجا۔ خطیب پاکستان نے سب سے پہلے دیباچہ مسودہ پر اختلافی نوٹ لکھا پھر 40 سوالات میں سے 24 سوالات کے جوابات پر اختلافی نوٹ لکھا۔ اختلافی نوٹ اس لئے لکھنا پڑا کہ یہ مسودہ رپورٹ جہالت و حماقت کا مرقع اور اسلام دشمنی کا عمدہ نمونہ تھا۔ اس میں اجتہاد و قیاس کے نام پر قصوص قضیہ کا حلیہ لگا ڈالیا تھا، بلاوجہ آیات و روایات میں غلط تاویل کی گئی تھیں اور قرآن و حدیث کو پس پشت ڈال کر اغیار کے قوانین کو اسلامی ملک پاکستان پر مسلط کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی تھی۔

یہ اختلافی نوٹ علوم و معارف کا خزانہ، احکام شریعت کا اصول ذخیرہ، قابل عمل دین اسلام کا بہترین نمونہ، دشمنان اسلام کی ناپاک جسارت کا عمدہ جواب، علمائے ربانین کی صداقت و حقانیت کا مظہر اتم، ائمہ اور اکابرین و یوہندو علمائے حق کی صحیح ترجمانی کی ایک قابل تقلید مثال ہے جس کی وجہ سے مسلمانان عالم کا سرخرو سے بلند ہوا، شریعت کی حقانیت ظاہر ہوئی اور مشہور مقولہ ”الاسلام یغلبو ولا یغلبو“ کا مصداق سامنے آیا۔

یہی توجہ ہے کہ یہ اختلافی نوٹ منظر عام پر آتے ہی وہ حضرات بھی خطیب پاکستان کے دوست بن گئے جو غلط فہمی کی بناء پر خطیب پاکستان کے دشمنوں کی صف میں تھے اور دوست و دشمن سب نے بلند و بالا الفاظ و کلمات سے خطیب پاکستان کو خراج تحسین پیش کیا، عالم اسلام اور پاکستان کے مسلمانوں نے خطیب پاکستان کو شریعت اسلامیہ، امت محمدیہ اور مسلمانان عالم کا صحیح ترجمان قرار دیا۔

### کتاب ہذا کے ماخذ

اس وقت میرے سامنے درج ذیل مواد ہیں (۱) عالمی کمیشن کا اصل مسودہ و مقالہ جس کا تعارف ماقبل میں آچکا ہے۔ (۲) دف کی صورت میں خطیب پاکستان کا منتشر اختلافی نوٹ (۳) کتابت کی صورت میں خطیب پاکستان کا منتشر اختلافی نوٹ (۴) کتاب ”عورتوں کی مشکلات کا صحیح حل“ (رپورٹ عالمی کمیشن پر اختلافی نوٹ) ناشر کتب خانہ صدیقیہ و ادارہ ماہنامہ الصدیق بیرون بوہڑ گیٹ ملتان، بتاریخ صفر المظفر 1374ھ/ 1956ء، صفحات 42۔ اس میں نہ پورا اختلافی نوٹ ہے اور نہ ہی سوالات، بلکہ اختلافی نوٹ کے معتد بہ اقتباسات ہیں۔ (۵) صاحب اعلام السنن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کے رقم کردہ دو جہتی و علمی مقالات جو عالمی کمیشن سے متعلق ہیں، ان دونوں مقالوں کا تعارف متعلقہ مقالہ کی تمہید میں ہے۔

(۶) تحقیقات ادارہ ثقافت اسلامیہ، ثقافت اسلامیہ کے نام سے لاہور میں ایک ادارہ قائم تھا جس کے اراکین یہ تھے (الف) پروفیسر ایم ایم شریف ایم اے ڈائریکٹر (ب) ڈاکٹر سٹالٹڈ ایم اے، پی ایچ ڈی پروفیسر اعلیٰ عربی محکمہ تعلیم مغربی پاکستان (ج) مسٹر اے ایس سلام ایل ایل ایم لندن، ایل ایل ایم بیل (د) مسٹر محمد عارف ایل ایل ایم لندن (ه) پیر شریفی (و) ڈاکٹر علاؤ الدین صدیقی صدر اسلامی مشاورتی کونسل حکومت پاکستان۔

مذکورہ حضرات نے ”مسلم عالمی قانون 1961ء نمبر 16 (16)/ 65ء سی، آئی، آئی“ پر پوتے کی وراثت اور کثرت ازدواج کے متعلق دو نوٹ (مختصر مقالہ) تیار کئے پھر یہ مقالہ بغرض طلب رائے خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے پاس بھیجا، خطیب پاکستان نے اس مقالہ پر اختلافی نوٹ اس لئے نہیں لکھا کہ عالمی کمیشن پر جو کچھ لکھا وہ اس کے لئے بھی کافی ہے۔ یہ دونوں نوٹ بھی شامل اشاعت ہیں۔ (۷) چند دیگر شخصیات و مشائخ کے گرانقدر مقالات جن کا تعارف متعلقہ مقالہ کے تحت ہے۔

### کتاب ہذا کی ترتیب و مندرجات

راقم الحروف نے سب سے پہلے مذکورہ جملہ مواد کو کمرسہ کر رہنمائی پڑھا، پھر ہر ماخذ کی صحیح و نظر ثانی کی تاکہ ان ماخذ سے استفادہ کرنا آسان ہو، اس کے بعد جگہ جگہ مناسب عنوانات لگائے، حدود و احاطہ کے ساتھ پروف خوانی کی اور کمرات حذف کئے، اس کے بعد زیر نظر مقالہ و کتاب مرتب کیا۔ زیر نظر مقالہ کی ترتیب کچھ یوں ہے کہ شروع میں ”دیباچہ رپورٹ از عالمی کمیشن“ کا عنوان ہے، اس عنوان کے تحت عالمی کمیشن نے مسودہ رپورٹ کی ابتداء میں جو طویل دیباچہ لکھا ہے اسے من و عن اردو میں نقل کیا گیا ہے، اس کے بعد ایک عنوان یہ ہے ”دیباچہ رپورٹ پر خطیب پاکستان کا اختلافی نوٹ“ اس عنوان کے تحت خطیب پاکستان نے دیباچہ رپورٹ پر جو مفصل اختلافی نوٹ لکھا ہے وہ مکمل طور پر مناسب عنوانات کے اضافے کے ساتھ نقل کر دیا گیا ہے تاکہ دونوں کا تقابل باسانی کیا جاسکے۔

اس کے بعد عالمی کمیشن کا مقالہ من و عن درج کیا گیا ہے، اس مقالہ (رپورٹ) کے جس جس مقام کے متعلق خطیب پاکستان نے اختلافی نوٹ لکھا اس اختلافی نوٹ کو بھی من و عن مناسب عنوانات کے اضافے کے ساتھ وہیں فٹ کر دیا تاکہ تقابلی انداز میں تصویر کے دونوں رخ قارئین و مستفیدین کے سامنے آجائیں اور اقاویت و معنویت میں چار چاند لگ جائیں۔ البتہ

مسودہ عالمی کمیشن اور اختلافی نوٹ میں حد امتیاز قائم کر دیا گیا ہے تاکہ التباس اور خلط ملط نہ ہو۔

یہ تفصیل تو خطیب پاکستان کے اختلافی نوٹ سے متعلق ہے، اس کے بعد چند بڑے عنوانات یہ ہیں: (الف) پوتے کی وراثت اور کثرت از دو واج کے متعلق دو نوٹ (ب) عالمی کمیشن کے سوالات اور صاحب اعلاء السنن کے جوابات (ج) عالمی کمیشن کے سوالات اور مفتی جمیل احمد تھانوی کے جوابات (د) مسلم فیملی لاز آرڈیننس پر علماء کا تبصرہ (ه) شادی کمیشن کی رپورٹ کا تنقیدی جائزہ (و) اسلام میں عورت کا عالمی مقام (ز) مکتوبات بسلسلہ عالمی کمیشن۔ (ح) عالمی کمیشن اور اختلافی نوٹ کے متعلق اہل علم کا اظہار خیال (ط) حدود آرڈیننس اور شرعی عدالت۔ یہ نو عنوانات دراصل نویسی مقالات ہیں، ہر مقالہ کا جملی خاکہ اس مقالہ کی تمہید میں درج ہے، لہذا مزید تفصیل وہیں ملاحظہ ہو۔

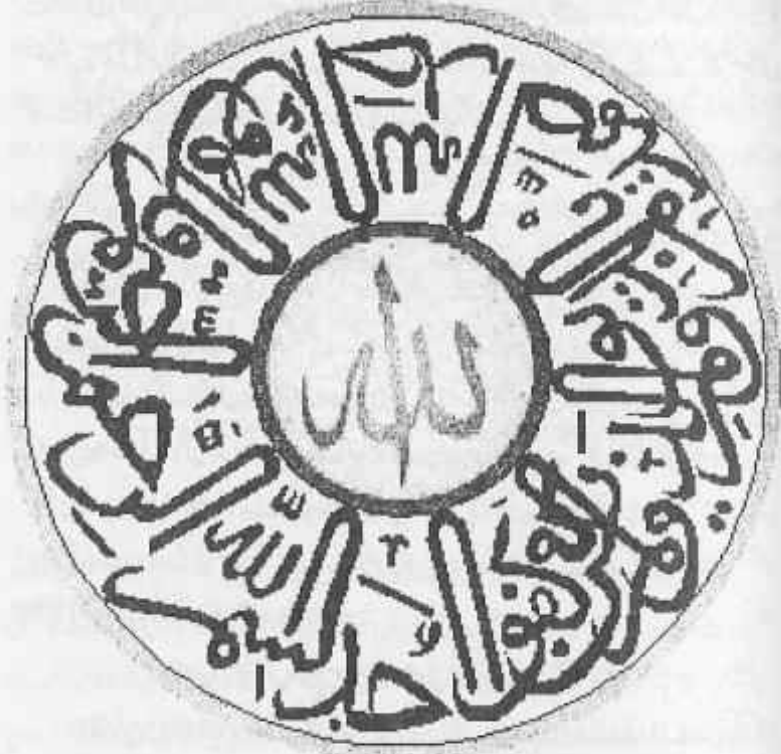
راقم الحروف کی پوری کوشش یہ رہی کہ عالمی کمیشن کا تیار کردہ مکمل مقالہ، خطیب پاکستان کا پورا اختلافی نوٹ اور دیگر کبار علماء کے دستیاب مقالات (جو عالمی کمیشن سے متعلق ہیں) من وعن اس انداز سے قارئین کرام کے سامنے آجائیں کہ مکررات بھی نہ ہوں، کتابی شکل بھی ہو، مناسب عنوانات بھی ہوں، پردف کی غلطیاں بھی نہ ہوں، ترتیب بھی عمدہ ہو، علماء کے لئے علمی سامان بھی ہو، تاہل حکومت و افراد کی سازش بھی آشکارا ہو، نئی نسل کے لئے مشعل راہ بھی ہو، علمائے ربانین کی صداقت کا اظہار بھی ہو، احکام شریعت کی حقانیت کا ظہور بھی ہو اور یہ سرمایہ گراں مایہ محفوظ و مصون بھی ہو جائے۔ اب راقم ان امور میں کہاں تک کامیاب ہوا اس کا فیصلہ اہل علم اور باذوق قارئین کرام بعد المطالعہ ہی کر سکیں گے۔ اگر اس میں کوئی غلطی رہ جائے یا لغزش واقع ہو یا ترتیب میں خلل ہو یا اور کوئی قابل اعتراض بات ہو تو اس کی نسبت راقم الحروف کی کج فہمی، نا تجربہ کاری، نا سچی اور سطحی نظر کی طرف کی جائے گی نہ کہ علمائے حق اور خطیب پاکستان کی طرف۔ اس مقالہ (کتاب) کا نام ”عالمی قوانین اور اختلافی نوٹ“ رکھا جا رہا ہے۔

غزائے احتشام کی چھان بین کے بعد عالمی کمیشن کے متعلق جو خلط و دستیاب ہوئے وہ آخر میں منسلک کر دیا تاکہ اختلافی نوٹ کی افادیت و معنویت میں خاطر خواہ اضافہ ہو۔ خطیب پاکستان کی سوانح عمری و دیگر اکابر علماء کی حالات زندگی پر مشتمل کتابوں کے مطالعہ کے بعد عالمی کمیشن اور اختلافی نوٹ کے متعلق جن حضرات کے مضامین دستیاب ہوئے وہ بھی آخر میں الگ عنوان کے تحت پیوست کر دیا، تاکہ عالمی کمیشن کی خطرناک سازش اور خطیب پاکستان کی فراست اور اختلافی نوٹ کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔ پوری کتاب میں قوسین کے درمیان والی عبارت

مرتب کی طرف سے ہے۔

یہ جو کچھ بھی ہوا وہ سب کچھ خطیب پاکستان کے خلف رشید حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی صاحب، بانی و مہتمم جامعہ احتشامیہ، خطیب مرکزی جامع مسجد تھانوی جیکب لائن، سرپرست مسجد و مدرسہ ابو بکر صدیق نیوکراچی و مسجد ابراہیم ہادی آباد پیر ہائی وے کے تعاون، مواد کی فراہمی، نظر ثانی اور مفید مشوروں سے ہی ممکن ہو سکا، اگر موصوف کی مدد نہ ہوتی تو نہ یہ کتاب منظر عام پر آتی اور نہ ہی ہمیں اور آپ کو استفادے کا موقع ملتا، اللہ تعالیٰ حضرت کا سایہ تادیر سلامت رکھے اور ایسی مزید خدمات کی توفیق دے۔ ”وما ذلک علی اللہ بعزیز“ قارئین کرام کی پرزور اپیل و اصرار پر یہ کتاب قسط وار ماہنامہ ”حق نوائے احتشام“ میں شائع کی گئی ہے۔

احکم فی اللہ (مولانا) محمد صدیق ارکانی، مدیر تنظیم ماہنامہ حق نوائے احتشام و استاذ الحدیث جامعہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی، بتاریخ 29 ربیع الاول 1427ھ / 28 مارچ 2006ء یوم الجمعہ بعد العصر۔



## دیباچہ رپورٹ

حکومت پاکستان نے بتاریخ 4 اگست 1955ء کو شادی اور خاندانی قوانین سے متعلق حسب ذیل سات (7) اشخاص پر مشتمل ایک کمیشن کا اعلان کیا۔ (1) ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین۔ صدر (2) ڈاکٹر خلیفہ عبدالکیم۔ ممبر سکرٹری (3) مولانا احتشام الحق (4) جناب عنایت الرحمن (5) بیگم شاہنواز (6) بیگم انور بیگم (7) بیگم شمس التہار محمود۔

### کمیشن کو مندرجہ ذیل امور تفویض کئے گئے

آیا موجودہ قوانین شادی، طلاق، استقامت و دیگر متعلقہ امور میں جو مسلمانوں میں فی الوقت رائج ہیں کسی ایسی ترمیم کی گنجائش ہے جس سے عورت کو اپنا معاشرتی مقام حاصل ہو، کمیشن سے شادی و طلاق کی رجسٹری، کورٹ یا کسی اور عدالتی ذریعہ سے فریقین کے حق طلاق و ہندگی کا استعمال، حقوق نسواں پر اثر انداز ہونے والے مقدمات کو فوری طور پر فیصلہ کرنے کے لئے خصوصی کورٹ کا قیام و وجود جیسے امور پر رپورٹ پیش کرنے کو کہا گیا۔

### پہلا اجلاس اور نئے صدر کا تقرر

کمیشن کا پہلا اجلاس 5 اکتوبر 1955ء کو ہوا جس میں کمیشن کے طریقہ کار پر بحث ہوئی، کمیشن کی خاص سفارش یہ رہی کہ مفوضہ امور کو بد نظر رکھتے ہوئے ایک سوالنامہ تیار کیا جائے، بد قسمتی سے اس اجلاس کے فوراً بعد کمیشن کے صدر ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین کا حرکت قلب کے بند ہو جانے سے اچانک انتقال ہو گیا، اور صدر کی کمی کے باعث کمیشن تحمل ہو گئی، اور وزارت قانون کو کسی ایسے صدر کی تلاش میں کچھ وقت لگ گیا جو قانون اور عدالت سے متعلق وسیع تجربہ کا حامل ہو، کمیشن کو یہ بات معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ یہ معاملہ پاکستان کے سابق چیف جسٹس میاں عبدالرشید سے رجوع کیا گیا اور انہوں نے بطور عہدہ صدارت منظور کر لیا۔ 27 اکتوبر 1955ء کو آپ کے تقرر کا باقاعدہ اعلان ہوا۔

### دوسرا اجلاس اور سوالنامے کی ترتیب و اشاعت

30 نومبر 1955ء کو کمیشن کا دوسرا اجلاس عمل میں آیا۔ نئے صدر نے رائے ظاہر کی کہ

ایک مبسوط سوالنامہ کی تشکیل اولین ٹھوس قدم ہے، جس کی نگین ذمہ داری محض سکرٹری کے کامروں پر نہیں چھوڑی جاسکتی۔ انہوں نے اپنے خیالات ممبران کمیشن کے سامنے پیش کئے جو اس امر پر راضی ہو گئے کہ سوالنامہ کی تشکیل مکمل بحث و مباحثہ کے بعد عمل میں آئے۔ کمیشن کے فوراً بعد سے سوالنامہ جس صورت میں برآمد ہوا اسے اردو اور انگریزی میں شائع کیا گیا اور شروع میں تین ہزار کاپیاں چھاپ کر تقسیم کی گئیں۔ مشرقی پاکستان میں سوالنامہ کی توسیع اور بنگالی میں ترجمہ کا کام بیگم شمس التہار محمود کے سپرد ہوا۔

سوالنامہ اخبارات میں بھی شائع ہوا، اور عوام کو اس کے مسائل کا احساس دلایا گیا اور انہیں اپنے علم و تجربہ سے کمیشن کی مدد کرنے کو کہا گیا۔ جوابات کے موصولی کی آخری تاریخ 15 جنوری 1956ء متعین کی گئی جس سے عوام کو مطلوبہ مسائل پر اطمینان سے غور کرنے کے لئے ایک ماہ سے زائد کی مہلت بہم ہوئی، لیکن ابتداء میں جوابات کا سلسلہ غیر متوقع طور پر مایوس کن رہا، اس پر عوام نے سوالنامہ کی وسیع پیمانہ پر نشر و اشاعت اور جوابات موصول ہونے کی تاریخ میں توسیع کا تقاضا کیا، جس کی بناء پر سوالنامہ کی ہزار ہا کاپیاں چھپوائی گئیں اور جس نے بھی طلب کیا اسے ارسال کی گئیں۔ جوابات موصول ہونے کی آخری تاریخ بھی 15 فروری تک بڑھادی گئی۔ اب درجنوں جوابات ہر روز موصول ہونے لگے اور بہت سے اُن حضرات نے بھی مفصل جوابات ارسال کئے جن کی رائے بڑی وقعت رکھتی ہے۔ ہم ان تمام حضرات اور جماعتوں کے ممنون ہیں جنہوں نے ہمارے سوالنامہ کا بغور مطالعہ کرنے اور ان کے جواب دینے کی زحمت گوارا کی۔ جوابات مختلف ہیں جن کی تصنیف و ترتیب مشکل ہے تاہم امعان تجسس نے یہ امکان پیدا کر دیا ہے کہ عام رجحانات کا اندازہ لگایا جاسکے۔ ممبران کمیشن نے اپنی انفرادی رائے کو استعمال کیا ہے تاہم پڑھے لکھے فراخ دل اور روشن خیال اشخاص کے آرام پر بھی بغور توجہ دی ہے۔

### تشکیل کمیشن کی وجوہات

ہم اس کمیشن کی تشکیل کی وجوہات اجمالاً بیان کریں گے۔ دین مسلم کا یہ ایک ناقابل تردید عقیدہ ہے اور اس کا ہر مسلمان کو دعویٰ ہے کہ جہاں تک اساسی اصول اور مبادی رجحانات کا تعلق ہے تعلیم اسلام مبسوط اور ہمہ گیر ہے اور شریعت اسلامی اپنے اصول و حدود یا تو ان اسناد مہار کے سے اخذ کرتی ہے یا اسے اخذ کرنا چاہیے جن کا قرآن میں انکشاف ہوا ہے یا ان فرامین سے جو سنت پر



جینی ہیں۔ یہی وہ عقیدہ ہے جسے قرارداد مقاصد اور پاکستان کے دستور میں تسلیم کیا گیا ہے۔ یہاں یہ اعتراض عائد ہو سکتا ہے کہ جب شادی اور خاندانی قوانین سے متعلق ایک اچھا خاصا محدود معروف دستور موجود تھا تو اس پر نظر ثانی اور تعدیل کے لئے ایک کمیشن مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس سوال کا جواب فقہ اسلامی کی تاریخ نیز موجودہ حالات کی جانب رجوع کرنے سے بہ آسانی مل سکتا ہے۔ جہاں تک کلام پاک کا تعلق ہے وہ قوانین و فرامین جن کا اس میں اعلان ہے انہیں اساسی اصول اور ٹھوس اہم مسائل سے سروکار ہے اور یہ قوانین و فرامین ان سوالات کے جوابات پر مشتمل ہیں جو اس زمانے میں درپیش تھے جبکہ کلام پاک نازل ہو رہا تھا۔

قرآن پاک کے احکامات کا پورے کا پورا مجموعہ محض چند صفحات پر حاوی ہے، بدلتے ہوئے حالات اور ان واقعات کی جو رسول اکرمؐ کی زندگی میں پیش آئے اصول اساسی ہیں جن کی وضاحت و تشریح اور ان کی تطبیق کا شرف انہیں ہی حاصل تھا۔ آپ کے نصائح، آپ کا طرز عمل اور آپ کی توضیحات و تشریحات ہی وہ چیزیں ہیں جنہیں سنت کہا جاتا ہے۔ چونکہ تمام واقعات اور تمام مصرات کے لئے انسانی تعلقات کی بے انتہا بے قلمونیوں کا اندازہ لگانا کسی کے بس کی بات نہیں لہذا پیغمبر اسلام نے اپنے معاصرین (صحابہ کرامؓ) کے لئے بھی جن کے سامنے قرآن پاک اور احادیث نبویؐ دونوں موجود تھے، آزادانہ قانون سازی و عدالت پر داری کا ایک بہت بڑا میدان چھوڑ رکھا۔ یہی وہ اصول اجتہاد ہے جو قرآن اور سنت کے دائرہ حدود میں رہ کر عمل پیرا ہے۔

اگرچہ رسول کریمؐ کے زمانہ حیات میں عرب کی زندگی میں قرون اولیٰ کی سادگی تھی، تاہم آپ کی حکمت نبویؐ اس بات سے آگاہ تھی کہ ایسے مواقع و مسائل بھی ہوں گے جن کا ذکر قرآن میں صریح طور پر نہ کیا گیا ہو اور یہ کہ ان صورتوں میں قرآن صرف ایسے اساسی اصول پیش کر سکتا ہے جن سے نامعلوم حالات میں بھی روشنی اور ہدایت مل سکے۔ رسول اکرمؐ کو یہ بھی علم تھا کہ آپ کی تہنیمات و تشریحات سے خود اس کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ واقعات و حالات کی تمام جزئیات یا ان کی نیرنگی پر حاوی ہوں۔ صحابہ کرامؓ سے جنہیں اہم فرائض سپرد کئے گئے تھے آپ کا ارشاد تھا کہ اگر کسی خاص معاملہ میں قرآن یا حدیث سے کوئی صریح ہدایت نہ ملے تو ضمیر کی صفائی کے ساتھ اپنی عقل سے کام لیں۔

جن دنوں اسلامی ریاست اور معاشرہ نشوونما پا رہے تھے ان دنوں خلفائے راشدین اور

دیکر لوگ جو کہ عقل اور روح اسلام سے آراستہ و بیدار تھے اجتہاد سے کام لیتے رہے، یہی وہ چیز ہے جسے اسلام کا بڑا فلسفہ اور اس کا احیاء کرنے والا اقبالِ حریک اصول کے نام سے تعبیر کرتا ہے جو اس کے نزدیک اسلام کی امتیازی خصوصیت ہے۔

### اجتہاد کی تشریح اور درجات اجتہاد

لفظ "اجتہاد" کے لغوی معنی جہد کرنا ہے، اسلامی شریعت کی زبان میں اس سے وہ جہد مراد ہے جو قانونی مسائل میں ایک آزاد رائے قائم کرنے کے لئے کی جائے۔ میرا ماننا ہے کہ یہ خیال قرآن کی اس مشہور آیت سے ماخوذ ہے کہ "جو جہد کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہ دکھاتے ہیں"۔ ایک حدیث میں اسے زیادہ اختصار سے بتایا گیا ہے، مروی ہے کہ "جب معاذ یمن کے حاکم مقرر ہوئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ اپنے پیش آمدہ معاملات کو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ معاذ نے جواب دیا کہ خدا کی کتاب کے موجب، ارشاد ہوا کہ اگر خدا کی کتاب میں ایسا کچھ نہ ہو جس سے تمہیں ہدایت ملے تو؟ جواب ملا تو میں خدا کے رسول کے سہاوت پر عمل کروں گا، ارشاد ہوا اگر یہ بھی رہنمائی نہ کریں تو؟ جواب ملا تو میں اپنی فحی رائے قائم کرنے کی جہد کروں گا تاہم تاریخ اسلام کے طالب علم کو بخوبی معلوم ہے کہ اسلام میں ملکی توسیع کے ساتھ ساتھ قانونی فکر و فکر کرنے بالترتیب ایک حتمی ضرورت کی شکل اختیار کر لی اور ہمارے ابتدائی علماء شریعت، عربی اور غیر عربی دونوں کام کرتے رہے حتیٰ کہ شرعی انکار کے تمام جمع شدہ سرمایہ نے ہماری شریعت کے تسلیم شدہ مکاتب کی شکل اختیار کر لی۔ ان مکاتب نے اجتہاد کے تین درجے تسلیم کئے۔

1- قانون سازی میں وہ مکمل اختیار جو صرف ان مکاتب کے ہائوں تک محدود تھا۔ 2- ہر اسکول سے متعلقہ اختیار جو اسی میں عمل پیرا تھا۔ 3- کسی ایسے قانون کی تعیین سے متعلق خصوصی اختیار جو کسی خاص واقعہ پر عائد ہوتا ہو اور جس کی ہائیا، مکاتب نے کوئی تعیین نہ کی ہو۔

اس مقالے میں مجمع اجتہاد کے پہلے درجہ سے سروکار ہے یعنی قانون سازی کا مکمل اختیار، اجتہاد کے اس درجہ کا نظری امکان سنیوں کے ہاں مسلم ہے، لیکن جب سے ان مکاتب کا قیام عمل میں آیا ہے اس وقت سے عملی طور پر اس سے ہمیشہ انکار ہوتا رہا ہے کہ اجتہاد کا تصور ایسے شرائط کا حامل ہے جن کا ایک فرد میں پایا جانا ممکن نہیں۔ کسی ایسے قانونی نظام میں جو بیشتر قرآن سے بہم پہنچاتے ہوئے مواد پر مبنی ہو یہ رویہ طرز عمل نہایت ہی عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے، خصوصاً جبکہ

قرآن بالزوم زندگی کے حرکی نظریہ کا قائل ہے، اس لئے فکر و فکر کے اس طرز عمل کے وجوہات سے بحث کرنا ضروری ہے جس نے قانون اسلام کو ایک غیر حرکی حالت پر لا کر چھوڑ رکھا ہے۔

Iqbal's: The Re Construction of Religions Thought in Islam, PP 148-149

خاموش تسلیم کا یہ رجحان اور گزشتہ کے کسی مانے ہوئے امام فقیہ کی اسناد کی سختی سے تقلید یا بے چون و چرا پیروی تاریخی واقعات کی طرف رجوع کرنے سے سمجھ میں آئے گی۔ انسانی خیال اور اداروں کی تاریخ میں یا محض مفسرین نے قرہا قرن ہمیشہ بلند بالا مفکرین کی پیروی کی ہے۔ فقہ اسلامی میں جمود کے سیاسی وجوہات بھی ہیں، بنی عباس کے تخلیقی دور کے ساتھ اسلامی تہذیب کے مراکز بربروں و تاتاریوں کی دست برد سے تباہ اور کتب خانے اور علوم کے مراکز برباد ہو گئے اور اس طرح تخلیقی اور ترقیاتی فکر ناممکن ہو گئی۔ قانون اسلام کی تعمیر کو بچانے کے لئے بھی مفید خیال کیا گیا کہ دوسرے درجہ کے ان مبہنین کی سرگرمیوں کی روک تھام کی جائے جو ثقافتی انتشار کو زیادہ انتشار آمیز ہی بنا سکتے تھے۔ نیچے اسلامی تہذیب جامد و ساکت ہو کر رہ گئی اور انیسویں صدی کے وسط والی بیداری اور تحریک تک ایسی ہی رہی۔ قانون کے معاملہ میں اسلام شدید قسم کے کٹر پن سے تعبیر ہونے لگا اور مغربی دنیا نے جو اپنی زندگی کو بڑھتے ہوئے علم کی روشنی میں ڈھال رہی تھی اور بدلتے ہوئے حالات کا جامہ پہن رہی تھی اسلام کو ایک ایسا فرسودہ مذہب قرار دے کر اس پر اتہامات دھرنا شروع کیا جس کے لئے بدلتے ہوئے حالات سے سازگاری کے قابل نہیں تھا۔ مسلم اسنادی اور مقلد اسی بات کو فراموش کر گئے کہ خدا نے انہیں اپنی رائے سے کام لینے کا حکم دیا ہے اور رسول خدا نے بھی شدت سے اس پر زور دیا ہے ”اجتہدوا و کمل منسیر لیسما خلیقی لہ“ اجتہاد کرو! اللہ ان لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرتا ہے جو اجتہاد سے آراستہ ہیں۔

ایک اور محترم اور روشن حدیث ہے ”اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاَجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ وَ اِذَا حَكَمَ فَاَجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَا فَلَهُ اَجْرٌ“ جب کوئی قاضی یا حاکم اجتہاد سے کام لیتا ہے اور اس کا فیصلہ صحیح ہوتا ہے خدا اسے دگنا اجر دیتا ہے لیکن اگر وہ اپنے اجتہاد میں غلطی کر جائے پھر بھی خدا اسے ایک اجر دیتا ہے۔

باوجود اس کے کہ اس میں غلطی کا خطرہ ہے، جمہوریت اور جموں کی ہمت افزائی ہوتی ہے کہ وہ اپنی قوت فیصلہ کو آزادانہ کام میں لائیں کیونکہ زندگی کی اصلاح آزادی رائے ہی سے ہوتی ہے

ایک حدیث میں مسلمان علماء کو پیغمبروں کا جانشین کہا گیا ہے اور اس بات کو تمام مسلمانوں نے تسلیم کیا ہے کہ ہر نبی ایک مجتہد تھا جس نے قوانین و ضوابط کو بدلا اور اپنی سوسائٹی کی ضروریات کے مطابق آئین بنایا۔ ”الْعُلَمَاءُ اُمَّنَاءُ اُمَّنَی“ علماء میری امت کے امین ہیں۔

”الْعُلَمَاءُ مَضَابِیْحُ الْاَوْحَی وَ خُلَفَاءُ الْاَنْبِیَاءِ وَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ“ علماء زمین کے چراغ اور انبیاء کے جانشین ہیں۔ وہ میری اور دیگر انبیاء کی میراث کے وارث ہیں۔

حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ بعض اوقات ایک عام عورت آپ کی بہ نسبت بہتر رائے دیتی ہے، اگر وہ علم کی بناء پر کچھ کہتی ہے تو یقیناً وہ اپنے اس حق کا استعمال کر رہی ہے جو اسے اسلام نے عطا کیا ہے۔

بڑے بڑے جمہوریت اور امام میں سے کسی نے اپنے آپ کو غلطی سے مبرا نہیں سمجھا اور نہ ہی ان کے شاگردوں نے ان سے اختلاف سے دریغ کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے دو شاگرد امام ابو یوسف اور محمدؒ میں جو اختلافات تھے وہ مشہور ہیں۔ محبان ابن ہشامؒ سے مروی ہے کہ امام مالکؒ کہا کرتے تھے کہ میں ایک انسان ہوں، کبھی میں راستی پر ہوں اور کبھی غلطی پر۔ میرے فیصلوں کو خدا کی کتاب اور سنت پر جانچو اور اگر وہ ان پر نہ اتریں تو انہیں رو کر دو۔

امام اعظم امام احمد بن حنبلؒ کہا کرتے تھے ”میری یا مالک یا الشافعی یا ثوری کی پیروی مت کرو بلکہ اپنی رائے کے مطابق ان خارج سے نتیجہ اخذ کرو جن سے انہوں نے استنباط کیا ہے۔ شیعہ اجتہاد کی مناسبت اور ضرورت پر سنیوں کی بہ نسبت زیادہ زور دیتے ہیں اور اپنے مجتہدین کو زیادہ ذہیل رعایات دیتے ہیں۔

### اسلام کے قرون اولیٰ

اسلام کے قرون اولیٰ حرکی، تخلیقی اور تشکیلی تھے۔ اس عہد نے شہرہ آفاق فقیہ پیدا کئے جن کا ہزاروں سال تک امام کا سا احترام ہوتا رہا اور جن کے ضوابط آج بھی اسلامی شریعت اور فقہ کا ایک معتد بہ حصہ ہیں، لیکن اسلامی معاشرہ پھیلتا گیا اور طبقاتی، معاشی، قانونی اور سیاسی رشتوں کے ساتھ معاملہ الجھ گیا۔

نئے مواقع کے لئے جو رسول اکرمؐ کے زمانے میں ذہن میں بھی نہیں آسکتے تھے ایسے قوانین و ضوابط کی ضرورت پیش آئی جو فراخ تفہیم، جمشیل، انصاف اور فلاح عام پر مبنی ہوں، ان محترم فقہاء نے اپنی ذہانت کے مطابق اس کام کو بڑے مستحسن طریقے سے انجام دیا لیکن یہ ناگزیر تھا کہ وہ ہمیشہ متفق نہیں ہو سکتے تھے۔ جزئیات کے متعلق انہیں تاہم اختلاف تھا اور بعض اوقات بڑے

بڑے اور اہم مسائل میں بھی خود ان کے شاکر دوں کو اپنے اساتذہ سے اختلاف رکھنے میں تردد نہ تھا، لیکن کوئی بھی قرآن و سنت کی وسیع حدود سے تجاوز کی جرأت یا تجاوز کرنا نہیں چاہتا تھا۔

اگر اسلامی ریاست یا معاشرہ شامی اور جاگیردارانہ اثرات اور قانون دانوں کی بے رحمی سے جامد اور بے حس نہ ہو جاتی تو یہ طریقہ کار الگ غیر معینہ حد تک جاری رہتا اور اسلامی معاشرہ کو وقاف و قنات زندگی بخشتا رہتا۔ ہم اس جمود کے وجوہات نہیں بتا سکتے لیکن الفاظ کی پرستش اور ماضی کے بے جا احترام کا ایک انفسوس ناک نتیجہ یہ ہوا کہ علماء اور ناخواندہ کی ایک بڑی اکثریت کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ تخلیقی اور تطبیقی آئین سازی کا دور ختم اور اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بالخصوص پچھلی تین صدیوں سے تمام دنیا کے مسلمان طبقاتی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی ترقی کی سریرانہ تیز رفتار دوڑ میں پیچھے رہ گئے، اس عام پس ماندگی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمان بدلتے ہوئے حقائق اور نئے اور ان دیکھے عوامل کے ورود کی اہمیت کی قدر شناسی کے لئے تیار نہیں۔ کارنگر کا کارگر کے ساتھ، زمیندار کا کسان کے ساتھ، سرمایہ دار کا مزدور کے ساتھ، مرد کا عورت کے ساتھ جو رویہ تھا وہ بدل چکا ہے اور اس قدر بدلتا جا رہا ہے کہ کوئی اندازہ نہیں، یہ تبدیلیاں نئے طریقے، رفتار و گفتار کے نئے اصول اور ہر شعبہ زندگی میں نئے قوانین اور قانونی اور عدالتی نظام کی نئے سرے سے تشکیل چاہتی ہیں، جبکہ دنیا تیز رفتاری سے ترقی کر رہی ہو کوئی قوم ایک کامل الوجود یا حیرت زدہ تماش بین کی حیثیت سے ایک طرف کھڑی نہیں رہ سکتی، آج کوئی قوم خواہ چھوٹی ہو یا بڑی بے سرو کارانہ علیحدگی اختیار نہیں کر سکتی، نئی زمانہ ہر شخص کو یا تو اپنی شخصی ہوشیاری، ہنرمندی اور استقامت سے منزل معین تک کھینچنا پڑتا ہے یا پھر تیز رو کے ساتھ بہہ جانا یا گھر جانا پڑتا ہے

### اسلام ایک ترقیاتی مذہب ہے

کوئی مسلمان اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ اسلام ایک فرسودہ مذہب ہے جس میں ارتقائی قوتی کے تقاضے پورا کرنے کی صلاحیت نہیں۔ اس کے عدل و انصاف کے اساسی اصول، اس کی عالمی علم کے حصول کی خواہش، اس کی زندگی کو ہر رنگ میں قبول کرنے کی صلاحیت، نظریہ عالم، انسانی رشتے اور انسانی تقدیر کے متعلق اس کا نظریہ اور ہر طرفہ اور سازگار تشوفا کے متعلق اس کا تقاضا یہ ایسی چیزیں ہیں جو زندگی کے متلاطم سمندر میں ایک مضبوط چٹان کی طرح ایستادہ ہیں۔

### اسلام ایسا دینی نظام نہیں جس پر قضا کا تسلط ہو

قانون کے اعتبار سے مغرب کی بیشتر قوموں نے گرجا اور حکومت کی صد ہا سالہ تلخ کشیدگی کے بعد ہدایت مقدسہ سے مایوس ہو کر لادینیت سے چارہ جوئی کی۔ مغربی سیاسیات کی تاریخ میں دینی نظام جن محنتوں میں مستعمل ہے اسلام سے وہ معنی ہرگز مرا نہیں۔ اسلام کے لئے زندگی ایک ایسی ناقابل قسمت وحدت ہے جس میں روحانیت اور مادیت کو جدا نہیں کیا جاسکتا، مذہب کی اساسی تعلیم یعنی جس کو خدا نے وصل دیا ہے، اسے انسان کو فصل نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن اور انجیل دونوں میں تمام زندگی کا اصل الاصول ہے، اسلام کی رو سے مذہب سے مراد وہ روحانی انداز سے برہونے والی زندگی ہے جو ہر اس چیز کو بلندی بخشنے جس سے اسے سابقہ پڑے، محض اس بناء پر اسلام نے کبھی ایسے گرجا کو پروان نہیں چڑھایا جس میں مقررہ علماء عوام سے ایک علیحدہ طبقہ پر مشتمل ہوں، اسلام میں خدا اور قیصر کے تقاضوں کو محض اس بناء پر علیحدہ علیحدہ پورا نہیں کیا جاسکتا کہ ان دونوں میں باہم تضاد اور تنازع ہے کیونکہ اسلام سرے سے قیصروں کا قائل ہی نہیں، چونکہ اسلام بادشاہوں کا قائل نہیں جن سے کسی غلطی کا امکان ہی نہ ہو اور جو قانون سے بالا و برتر ہوں، لہذا وہ ایسے علماء کا بھی قائل نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ اسلامی شریعت کا دوسروں کی بہ نسبت زیادہ علم رکھتے ہوں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ ایک علیحدہ طبقہ ہیں، وہ کسی خاص اختیار کے مالک نہیں اور نہ ہی انہیں کوئی شرف حاصل ہے۔

### پاکستان کا وجود میں آنا

مسلم لیڈروں نے جن میں سب سے اول سر سید احمد خان اور آخر قائد اعظم محمد علی جناح کی اہم ہمتیاں ہیں، پاکستان کے وجود کو برصغیر ہند سے علیحدہ طور پر معرض ہستی میں لایا ہے۔ اس پاکستان کے اسلامی نقطہ نظر کو معرض عام پر لانے کا سہرا علامہ اقبال کے سر ہے۔ اقبال کو یقین تھا کہ حقیقی اسلام نہ صرف اس قائل ہے کہ بدلتی حالتوں میں ایک خاص نشان سے دوسری ترقی کن طاقتوں کے ساتھ شانہ بشانہ گامزن ہو سکتا ہے، بلکہ اس میں اس کی بھی صلاحیت ہے کہ ان متفرق طاقتوں کو نئے راستوں اور امید افزا مرکزوں پر چلائے۔

پاکستان کا قیام ایک انقلابی اقدام تھا اور تمام انقلابات ان امور کے متقاضی ہوتے ہیں کہ طریقہ تعلیم کو از سر نو منظم کیا جائے اور قوانین اور نظام عدالت کو ایک ایسے نئے سانچے میں ڈھالا



جائے جو ایک آزاد قوم کے خیالات اور ان کی بڑھتی ہوئے اقدار اور نصب العین کی تکمیل میں مدد کر سکے۔ مگر پاکستان کے وجود میں آتے ہی اس کو ایسے مصائب کا سامنا کرنا پڑا جن میں اس کا وجود بھی معرض خطر میں آ گیا تھا۔

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سب سے پہلا اور اہم ترین کام پاکستان کے اپنے وجود و بقا کی طرف اٹھایا گیا۔ بڑی ملکیتوں کی دشمنی اور اقتصادی ذیوں حالی سے پاکستان میں ایسے ایسے خطرناک مواقع پیدا کئے گئے جن کی ذمہ داری کسی حالت میں بھی پاکستان پر نہیں آ سکتی، ان مواقع کا قلع قمع کرنا ایسا مشکل کام تھا جس کی طرف ملک کی تمام طاقتیں اور صلاحیتیں منعطف کرنی پڑیں جس کی وجہ سے تعلیمی ترقی یا نظام عدالت کی از سر نو تنظیم نہ ہو سکی۔ قانونی اور عدالتی اصلاحات کا کام بے انتہا جدوجہد کا متقاضی ہوتا ہے اور اس کام کے سرانجام دینے کے لئے ایک خاص وقت درکار ہے۔ اس کام کی ذمہ داری ایک ایسی جماعت کے سپرد کی جاسکتی ہے جو ماہرین قانون اور خاص قسم کے محققین پر مشتمل ہو اور جو نہ صرف وسیع قانونی تجربہ رکھتے ہوں بلکہ اسلامی قانون و فقہ سے کما حقہ آگاہی رکھنے کے ساتھ اس امر پر بھی اعتقاد رکھتے ہوں کہ اسلامی بنیادی احکام کو بدلنے ہوئے ماحول اور حالات کے دو بدل کرنا ایک اہم ترین مسئلہ ہے جس کا حل جلد از جلد کرنا ضروری ہے تاکہ ان تمام برائیوں اور خرابیوں کا قلع قمع ہو سکے، اور ان امور کا بھی قلع قمع کیا جاسکے جو مسلمانوں کی ترقی میں حائل ہیں۔

جو مذہب اور رواج کے آداب میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے راستے میں روڑے اٹکائے ہوئے ہیں، اس کمیشن کے ذمہ جو خدمات تفویض ہوئی ہیں وہ ایک خاص اہمیت کی حامل ہیں چونکہ انسانی تعلقات سے متعلق قانون سازی کا کام اب مزید التوا کا تحمل نہیں ہو سکتا۔ گو تمام قانونی طریقہ کار پر نظر ثانی کرنا دیر طلب کام ہے لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کا آغاز ضروری ہے اور اسی لئے سب سے پہلے اس کا فیصلہ کیا گیا ہے کہ خاندانی قانون پر نظر ثانی کرنے کی طرف سب سے اول قدم اٹھایا جائے۔

صیغہ راز (CONFIDENTIAL) ”اینگلو محمد ن لاء“

اور موجودہ نظام عدلیہ کے نقائص

ہمارا موجودہ نظام عدلیہ بلکہ پورا نظام قانون بڑی حد تک انگریزی عہد کا ورثہ ہے، اس عہد

میں انگریزوں نے جو نظام عدل قائم کیا، اس میں بہت سے پہلو خوش آئند اور بہ کار آمد بھی نظر آتے ہیں مگر اس واقعہ سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس نظام میں بالخصوص قوانین اور ضابطوں میں ایسی چیزیں در آئیں جو ہم لوگوں کی زندگی اور ذوق، مزاج و فطرت سے ہم آہنگ نہ تھیں۔ ایک بڑی خرابی تو یہ پیدا ہو گئی کہ عدل حاصل کرنا انتہائی پیچیدہ مسئلہ بن گیا۔ حصول عدل کے لئے جو سادگی ہونی چاہیے وہ مفقود ہو گئی۔

پھر حصول انصاف میں وقت کا ضیاع اور مصارف کی زیادتی حد سے بڑھ گئی، اہل رومہ کی طرح انگریزوں نے بھی یہ پالیسی اختیار کی کہ رعایا کے مختلف فرقوں اور مذہبوں کے پیروؤں کے پرسنل لاء یعنی شخص قوانین میں دخل اندازی سے پرہیز کیا، چنانچہ مسلمانوں پر عدل کا جو نظام مسلط کیا گیا اسے عرف عام میں ”اینگلو محمد ن لاء“ یا انگریزوں کے عہد کا قانون شریعت کہا جاتا ہے۔ اس طرح جو قوانین شرع رائج کئے گئے اس میں نمو کی قوت ختم ہو گئی اور حیات جو مسلسل آگے بڑھنے کا نام ہے، مفقود ہو گئی۔ ترقی پذیر عناصر ہم آہنگی اور بدلتے ہوئے حالات اور تقاضوں سے ہمدوش ہونے کی صلاحیت اس میں باقی نہ رہی۔ مسلمانوں کا فحشی قوانین نام رہ گیا ہے، قدامت پرستی، جمود اور کٹھ ملا پن کا، بیشتر باتیں مبہم اور فرسودہ تھیں، اس کیفیت کا سبب کیا تھا؟ ہماری سیاسی غلامی، کیونکہ دور غلامی میں تہجد، آزاد روش اور حریت فکر و عمل کا تصور کرنا قریب قریب ناممکن تھا مگر اب جبکہ پاکستان وجود میں آچکا ہے اور وہ ایک آزاد، خود مختار مملکت ہے اور اس کے قیام کا واضح و بین مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کو اپنی آزاد زندگی بسر کرنے اور اسلام کی بنیادوں پر اپنی زندگیاں استوار کرنے کا موقع ملے، اس لئے اب کوئی وجہ ہی نہیں معلوم ہوتی کہ اس ضمن میں مزید دیر کیوں لگائی جائے اور ہم کیوں نہ تہجد یہ حیات و فکر کی راہ پر چل پڑیں، اور اپنی اس آرزو کو عملی جامہ پہنائیں۔ ہمارے دستور میں صراحتاً یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ نفاذ دستور کے ایک سال کے اندر اندر ایک ایسے کمیشن کا تقرر کیا جائے گا جو ملک کے قوانین پر اس نقطہ خیال سے نظر ثانی کرے کہ انہیں کس طرح روح اسلام کی مطابقت میں لایا جاسکتا ہے اور اسلام نے جو ہدایات و فرائض ہم پر عائد کئے ہیں ہمارے قوانین کس حد تک انہیں پورے کرتے ہیں۔

ہمیں تو قلع ہے کہ اس کمیشن کی نتیجہات میں یہ امر بھی شامل کیا جائے گا کہ عدالتی کارروائی اور ضابطوں کی کس طرح اصلاح کی جائے (اور یہ امر بڑا ضروری اور فوری طور پر اصلاح طلب ہے) تاکہ حصول انصاف کی پیچیدگی اور دیر طلی کی الجھنیں دور ہو جائیں کیونکہ ان دونوں باتوں

سے بہترین سے بہترین قانون کے فوائد کی بھی لٹی ہو جاتی ہے۔

نکاح اور اہلی زندگی سے متعلق قوانین کی اہمیت (میرج اینڈ فیملی لائف لاز)

نکاح اور امور خاندان (اہلی زندگی) کے مسائل کا شریعت اسلامیہ میں بڑا کافی حصہ ہے۔ اس کمیشن نے اس سلسلے میں جو کچھ کام کیا ہے وہ ایک وسیع تر کام کا جزو ہے، جو اب پاکستان میں کیا جانا چاہیے کیونکہ ہم اب ان امور کو طے کرنے کا فرض اپنے اوپر عائد کر چکے ہیں۔ اس کمیشن نے جو اصلاحات تجویز کی ہیں اگر انہیں عوام کے روشن خیال اور آزاد فکر طبقے نے قبول کر لیا اور اس کو قانونی منظوری بھی دیدی گئی تو ہمیں یقین ہے کہ عوام و خواص کے وہ طبقے جو محمود سے بیزار ہو چکے ہیں ضرور اسے تجدید و تعمیر حیات کے وسیع تر منصوبہ کا ایک جز و تصور کریں گے علاوہ ان چند لوگوں کے جو روایت پرستی، جامد تقلید اور کٹر پن سے اپنی بصیرت ہی کو کام میں لائے بغیر تبحر بن چکے ہوں۔

### اسلام کے بنیادی اصول سے مطابقت

کمیشن کو جو امور متفق طلب دیئے گئے تھے ان کی نوعیت ہی اس قسم کی ہے کہ اسلام کے بنیادی اصولوں سے متجاوز نہ ہوا جائے اور نہ اس کا ایسا منشا ہے اور نہ ارادہ و نیت ہے کہ اصول اسلام سے غرض بھر کیا جائے۔ حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ کمیشن کا ایمان و ایمان ہے کہ اسلام کے جو اصول و ضوابط قرآن حکیم سے مخرج ہیں اگر ہم ان اصول و ضوابط کی صحیح روح کو پالیں اور بصیرت، عقل اور حریت فکر کے ساتھ ان کی تصریح و تاویل کریں تو ان میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے کہ نئی نوع انسان کے مختلف افراد کے درمیان صحیح عدل اور بہتر حیات پر ور تعلقات قائم کریں اور خوشگوار اہلی زندگی کا موجب بنیں۔

کمیشن کی رائے ہے کہ شریعت اسلام صدیوں سے غلط تاویلات کا شکار رہی ہے۔ اس کی روح صبح کردی گئی ہے اور اس کا حریت پسندانہ پہلو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے اور وہ کچل کر رہ گیا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ ہم قرآن و سنت کی اصل روح تک پہنچیں اور ہمارے عہد کے تقاضے جو چیزیں طلب کرتے ہیں ان سے مطابقت رکھنے والی بنیادی باتوں کو جو روح اسلام کی اصل ہیں اختیار کریں اور اس روپ دینی تک پہنچیں۔

### شریعت اسلامی کے ماخذ

ائمہ اسلام نے شریعت اسلامیہ کے جن چار ماخذوں کو تسلیم کیا ہے کمیشن کی رائے میں وہ

بہت وسیع محیط و مکمل ہیں، یعنی (1) قرآن حکیم (2) سنت (3) اجماع (4) قیاس۔

یہ کمیشن جو تجاویز پیش کرے گا وہ ان میں سے کسی نہ کسی کے ذیل میں ہوگی، یہ چیز بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مطابق امتحان کا بھی شریعت اسلامیہ میں بڑا زبردست حصہ ہے، ماضی میں امتحان کی بدولت بہت سے پیچیدہ اور نازک مسائل کا ہم نے حل کیا ہے اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہم مستقبل میں بھی اپنی زندگیوں میں اس سے کیوں نہ کام لیں۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کمیشن اصول اجتہاد کو تسلیم کرتا ہے اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ قوانین و ضوابط اسلام، مجوسیوں یا اہل میدیہ کی روایتی شریعتوں کی طرح پتھر کی طرح جامد اور بے چلک چیزیں نہیں ہیں بلکہ ان میں بدلتے ہوئے حالات چلک اور تبدیل پذیری کی صلاحیت خوب تر موجود ہے۔

### طریقہ عمل

فقہ اسلامیہ کے بنیادی مسائل میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر نص قطعی موجود نہ ہو اور بدھتا و صراحت کسی بات کا شرع میں امتناع نہ پایا جائے اور اس بات کا فرد یا معاشرہ علی العموم طلب کار ہو تو اسے مباح و جائز سمجھا جائے۔

پھر یہ بھی ہے کہ فقہاء و ائمہ فقہ نے جو ضوابط و منضبط کئے ان کی بابت کمیشن کا تصور یہ ہے کہ انہیں کا ملاً غلطی سے پاک نہیں سمجھا جاسکتا کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ خود ائمہ اور ان کے جانشین بھی باہم اکثر مسائل پر کھلے عام اختلاف کا اظہار کرتے تھے، اس لئے اگر کسی ایک امام فقہ کی رائے کے مقابلہ میں ہم کسی دوسرے امام کی رائے کو سند سمجھ کر تسلیم کریں تو اس میں قطعاً کوئی ناجائز بات نہیں ہے، کیونکہ کسی ایک خاص امام کی رائے یا تاویل کو کاملاً تسلیم کرنا ضروری نہیں ہے، یعنی اسناد کے معاملہ میں ہماری آزادی کو سلب نہیں کیا گیا ہے۔ خود صاحب کرام کا یہ معمول ہمارے علم میں ہے کہ وہ اکثر مسائل پر خوب بحث کرتے اور احقاق حق کی سعی کرتے تھے اور ایمان داری کے ساتھ اپنی اپنی تاویلات پوری گرم جوشی کے ساتھ سب کے سامنے لاتے تھے (1)۔

کمیشن کی یہ بھی رائے ہے کہ احکام شرع کے سلسلہ میں امتیاز کی ضرورت ہے اس معنی کر کہ کسی ایک خاص عہد اور کسی خاص طبقہ امت اور خاص خطہ ارض میں کسی خاص حکم شرع کے اطلاق کی نوعیت، کیفیت و عمومیت و عدم عمومیت وغیرہ کے اعتبار سے اس مخصوص حکم شرع کا جواز اور مکناہ جواز کیا ہوگا (2)۔

مثال کے طور پر اور یہ مثال بالکل واضح اور اس نقطہ خیال کی شرح ہے، اسلام میں مسئلہ طلاق کو لیجئے، ہر شخص جانتا ہے کہ اسلام نے غلامی جیسے غیر انسانی فعل (3)۔

کے استیصال کا بیڑ اٹھایا مگر اس قدیم زمانہ میں چونکہ سوسائٹی کا تار و پود ہی غلامی کی بنیاد پر تھا اس لئے اسلام ایک ہی ضرب میں اس کا مکمل استیصال نہیں کر سکتا تھا، اس لئے اسلام نے اس سلسلہ میں بھی عملی سیاست کا ثبوت دیا، یعنی یہ کہ غلاموں سے متعلق احکام جاری کئے، انسداد غلامی کی داغ بیل ڈالی، اس کی شدت کو کم کیا اور جہاں تک امکان یہ تھا اس احتکوتہ رجحان ختم کرنے کی سعی کی یہاں تک کہ جب بھی اور جہاں کہیں بھی اس کو کاملاً نیست و نابود کیا جاسکتا ہو اس کی بھی عملاً کوشش کی۔ چنانچہ سیدنا عمر فاروقؓ نے وقفہ وقفہ سے دو احکام جاری کئے، یہ کہ کوئی مسلمان غلام نہیں رکھا جائے گا، پھر یہ حکم جاری کیا کہ کوئی عرب غلام نہیں رکھا جاسکتا (4)۔

اگر نشانے الٹی ان کی زندگی میں مزید توسیع عطا فرماتا تو ممکن ہے کہ وہ عالم گیر امتناع غلامی کے احکام صادر فرماتے (5)۔

اب چونکہ بفضلِ انسانیت نے اس احتکوتہ تقریباً کلیہ ختم کر دیا ہے۔ اس لئے غلامی کے سلسلے میں جو احکام شرعی تھے وہ بھی اب غیر ضروری ہو گئے۔ اس بات سے یہ امر واضح ہو گیا کہ معاشروں میں ان کے رسوم و عوائد میں ہمہ وقت تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اور ان کے بنیادی تقاضے بھی اس تبدیلی و تغیر کا مورد رہتے ہیں (6)۔

انگریزی شاعر ٹینیسن کے الفاظ میں ”عہد ماضی عہد حاضر کے لئے جگہ خالی کرتا ہی رہتا ہے اور خدا خود اپنی خدائی کا جلوہ بدلتا رہتا ہے کہ کہیں کوئی اچھی سے اچھی بات بھی دنیا کو خراب نہ کر دے۔“ مدعا یہ کہ حقیقت ابدی ہے اور تغیر کو ہی ثبات ہے (7)۔

### مذہب

قرآن حکیم نے دین کی یہ تعریف بتائی ہے کہ قوانین فطرت غیر تبدل ہیں اور ان پر ایمان لانا ہی دین ہے (8)۔

اور یہی احوال زندگی کے بنیادی اصولوں کا ہے جو کبھی نہیں بدلتے۔ مملکت اور معاشرہ بدلتے رہتے ہیں یا تبدیلی کے خواہاں ہوتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ فلاں تبدیلی اب ناگزیر ہو گئی ہے ایسی حالت میں انہیں اپنے تار و پود میں اول بدل کرنا ہی پڑتا ہے مگر انہیں بنیادی باتوں کو

بجسہ رکھا جاتا ہے اور قرآن حکیم کے مطابق یہی اصل دین ہے۔ اسلام نے ہمیں بتایا ہے کہ بعض اہل بنیادی باتوں میں انسانیت کو چاہیے کہ ان میں کوئی تبدیلی نہ کرے اور جو قرآن کے مخصوص الفاظ میں ”لوح محفوظ“ کے نقوش ہیں اور وہ لوح محفوظ ”الم کتاب“ ہے (9)۔

یعنی زندگی اور ہستی و موجودات کا سرچشمہ ہے، کسی شخص کو ان اہل بنیادی حقیقتوں کو بدلنے کا کوئی حق و اختیار و طاقت نہیں ہے۔ انہیں محکمات کہتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ان لوگوں کو جبر کا ہے جو غیر ضروری سوالات کے عادی تھے۔ مرقوم ہے کہ رسول اللہؐ نے ایسے لوگوں کو ”الظالمون“ کہا ہے جو زندگی کے ایسے مسائل کے بارے میں افراد کو اپنے اختیار تیزی کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے، اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق کام کرنے کی حکمت سے سرفراز کیا گیا ہے، ان کے بارے میں بھی مجھ سے سوال پر سوال کئے جاتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ میں کسی باب میں جو بھی جواب دوں گا (10)۔

وہ میری امت کے لئے بمنزلہ فریضہ ہو جائے گا اور اس طرح فرد کی شخصی آزادی اور حریت عمل کی جو حرمت ہے وہ فوت ہو جائے گی۔

اسلامی فقہ میں رسول اللہؐ کی اس روش مبارک کو خاص طور پر مشعل ہدایت سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن وسیع تر امور میں غیر مصرح کیفیت ہو وہاں وضع قوانین و ضوابط کا کیا اصول کار فرما ہونا چاہیے، یعنی یہ کہ اگر کوئی نص قطعی موجود نہ ہو تو فرد یا معاشرہ کی بھلائی اور فلاح کے باب میں اس بات کو مباح و جائز سمجھا جاتا ہے اور وضع قوانین میں ظاہر ہے کہ یہ اصول مانا جائے گا کہ اگر امتناع قطعی کسی نص مصرح سے ثابت نہ ہو تو پھر وضع قانون میں امت کو اختیار و آزادی ہے (11)۔

### شریعت اور فقہ

عام لوگوں اور کم استعداد عالموں تک میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ ”شریعت“ اور ”فقہ“ کو غم کر دیتے ہیں۔ کسی مسلمان کو بھی دین یا شریعت میں حک و اضافہ کا اختیار نہیں ہے، یعنی وہ بنیادی اصول و روح دین اور اعمال جن کا ہر مسلمان کو پابند بنایا گیا ہے اور فرض مبین ہیں، ہرگز ہرگز تبدیل نہیں ہو سکتے اور ان میں کسی فرد واحد کی رائے یا مرضی و فیصلہ ذاتی کا کوئی حق و اعتبار نہیں ہے، مگر فقہ ایک ایسا ذوق و فکر پیش کرتا ہے کہ قرآن و سنت میں جن چیزوں کی تفصیل و جزئیات کے بارے میں خاموشی پائی جاتی ہے یا فرائض و احکام شرعی کی تاویل و تفصیل کیا ہے، فقہ پیش از پیش



ان چیزوں میں رہنمائی کرتی ہے یا ان امور کی چھان پھک کے موضوع سے متعلق ہے (12)۔ پس شلی اور اقبال جیسے فضلاء جب یہ اپنی ملت سے کہتے ہیں کہ اجتہاد سے کام لو اور اس کی ضرورت پر زور ڈالتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ دین یا شریعت میں رخنڈا لیتے ہیں بلکہ وہ اس میں فقہ کے ان پہلوؤں کی تجدید پر زور دیتے ہیں جو زمانہ حاضر کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے اور عصر موجودہ ان میں تعمیر و تالیف کا تقاضہ کر رہا ہے کیونکہ فقہ کے یہ پہلوئے تجدید ہیں (13)۔

خود امام ابو حنیفہ غیر تقلیدی اور آزاد فکر ہونے کی وجہ سے الزامات کا موجب و مورد بنے اور اپنے ہی ہم عصر علماء کے ہاتھوں اور اسی طرح دوسرے ائمہ پر بھی ظلم ہوا۔ فقہ کی پوری تاریخ ان واقعات سے لبریز ہے۔ تفصیل و جزئیات اور تاویلات و شرح کے باب میں اختلاف، کج بجھی، مباحثہ و جدالہ کیا کیا نہیں ہوتا رہا ہے۔ غرض یہ امر الٰہی ہے کہ ہمیشہ ہی موجب نزاع ہوا ہے۔

کمیشن کو نہ یہ اختیار حاصل ہے اور نہ اس کے لئے تیار ہے کہ وہ احکام شریعت میں تعمیر و تبدل کرے لیکن اس کمیشن کے اراکین اور ان سینکڑوں مسلمانوں نے جنہیں کمیشن کا ”سوال بند“ بھیجا گیا تھا اور جن میں عالم اور غیر عالم، سب ہی شامل ہیں سب نے بالکل آزادی کے ساتھ مسائل فقہ پر اپنے خیالات اور آراء کا اظہار کیا ہے، قانون تجربات حیات سے تعلق رکھتا ہے اس لئے ہر عام و خاص کا اس سے ربط و تعلق ہے اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قوانین کے باب میں علمائے دین ہی کو کامل اجارہ داری حاصل ہے۔ ایسے واقعات و شواہد تاریخ میں موجود ہیں کہ ایک معمولی سی بے پڑھی بڑھیا اٹھ کر خلیفہ کو نوک دیتی ہے اور فیصلہ کی غلطی کو خلیفہ ہتھکڑیاں پہن کر لیتا ہے۔ اگر مسلم معاشرہ کو ایک ذی حیات، فعال، ترقی کی معاشرہ بن کر دنیا کے دیگر معاشروں اور نئی نوع انسان و جمہور عالم کے لئے ایک نمونہ بننا ہے تو ابتدائے اسلام کی اس روح کو بیدار کرنے اور اس کے مکمل احیاء کی اشد ضرورت ہے۔

نکاح اور اہلی تعلقات کے ضمن میں قرآن حکیم نے جو حدود و مقرر کردہ ہیں اور سنت رسولؐ میں جو مستند و واضح احکام متصدد رہو چکے ہیں انہیں بدلنے یا ان میں ترمیم و تالیف کرنے کا ہرگز کوئی منشا ہمارے سامنے نہیں ہے، ہماری سوسائٹی کے مختلف طبقوں اور مختلف ذہنی و علمی سطح کے لوگوں نے بھی ہمارے ”سوال بند“ پر غور و فکر کیا ہے اور ان سوالات کے جوابات ہمیں روزندہ کئے ہیں، ان کا بھی مقصد وحید یہ ہے کہ اصل بنیادی فرائض و احکام شرع اسلامی میں کسی تبدیلی یا ترمیم کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جس جز کی ضرورت ہے وہ بدلتا رہتا ہے کہ ان احکام کی حریت نگراور عقلیت کے

دائرہ میں کس طرح تاویل و توجیہ کی جائے اور انہیں کس طرح ہم اپنی زندگیوں میں بروئے کار لائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ صحیح احکام اسلام سے ہی ہمارے عوام کی بے خبری بہت بڑھ گئی ہے اور انگلو مجنون لاء کی غیر مترقی روح، اس کی پیچیدگی، اطناب و طوالت اور برٹش کے نظام عدلیہ کی وقت کشی، بے حد گراں اور پیچیدہ ضابطہ بازی نے بھی وہ تمام خرابیاں اور عیب ہمارے معاشرہ میں پیدا کر دیے ہیں جو ہمارے خاندانوں کی اہلی زندگی میں فساد کا موجب ہیں۔ اگر معاشرہ ترقی، فعال و ترقی پذیر ہوتا تو ابتدائے اسلام کے فقہیوں کے بنائے ہوئے ان ضوابط میں جو ترمیم طلب تھے، سوسائٹی کے موجودہ تقاضوں کے مطابق رد و بدل کیا جاسکتا تھا (14)۔

نیز حصول عدل میں غلطی اور پیچیدہ ضابطہ بندی کی اصلاح و سلاست کا کام بھی جو ہندوستان کی انگریزی عدالتوں میں ضروری تھا، نہ کیا جاسکا۔ جو صاف ظاہر ہے، اگر ایسی عدالتیں موجود ہوتیں جو صرف نکاح و معاملات اہلی کے مقدمات کا فیصلہ کرتیں اور ان پر ایسے ججوں کا تقرر عمل میں لایا جاتا جو نہ صرف ان قوانین میں جنہیں اسلامی کہا جاتا ہے، مہارت تامہ رکھتے بلکہ اسلامی فقہ کی اصل روح اور اس کی فکری حریت سے بھی کما حقہ آگاہ ہوتے، تو بہت سے عیوب و نقائص کا سد باب ہو جاتا۔ ایک دوسری مصیبت یہ پیدا ہو گئی تھی کہ ججوں کی رہنمائی کے لئے مسلمانوں کے جو شخصی قوانین بنا کر دیئے گئے وہ ابہام سے پاک نہیں ہیں اور اس ابہام نے بڑا فساد پیدا کیا ہے۔ پھر یہ بھی ہوا ہے کہ اس شخصی قانون کے ایک بڑے حصہ کو آئینی منظوری بھی حاصل نہیں ہے۔

یعنی یہ ہوتا رہا ہے کہ ہر کیس پر از سر نو بحث کی جاتی ہے، جج اور فریقان مقدمہ بالکل متضاد اسناد پیش کرتے ہیں، غریب بے بس عورتیں خاص طور پر ظلم کا شکار ہیں نہ صرف اپنے شوہروں کے ہاتھوں بلکہ خود اپنے والدین، بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں کے ہاتھوں بھی۔ ہماری عورتوں کی شادیاں فریقین کی آزاد رضا و منشا معلوم کئے بغیر کر دی جاتی ہیں، بلکہ بعض طبقوں میں تو ہونے والے شوہروں کے ہاتھ انہیں مویشیوں کی طرح فروخت کر دیا جاتا ہے، یعنی جو شخص لڑکی کے باپ کو زیادہ سے زیادہ بولی دیتا ہے اس کے نام لڑکی کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور لڑکی کے علم میں بھی نہیں ہوتا کہ میری شادی کس شخص سے ہو رہی ہے اور اس کی مرضی کیا ہے۔

مہر جس کا مقصد یہ تھا کہ لڑکی کو کچھ اقتصادی استحکام و حیثیت میسر آئے، فی الحقیقت شاذ و نادر ہی ادا کیا جاتا ہے، بیشتر معاملات نکاح ایسے ہوتے ہیں کہ مہر کی رقم ایک بوگس معاملہ بن کر رہ

جاتی ہے۔ ہماری عدالتوں کا جو نظام ہے وہ طوالت، پیچیدگی اور تباہ کن (مالی) بوجھ کا موجب ہوتا ہے اس لئے زوجہ کو نہ جرات ہی ہوتی ہے نہ اس کے پاس وسیلہ ہی ہوتا ہے کہ ادائیگی حق مہر کے لئے کوٹھاں ہو سکے (15)۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارے ہاں تعدد از دواج کے عامل مردوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے لیکن ان کا محرک اور رویہ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ نہ قرین عقل و دانش ہوتا ہے نہ اسلامی ہوتا ہے، اسلام نے تعدد از دواج کی قطعی ممانعت نہیں کی ہے اور بعض خاص ناگزیر حالات میں اس کی اجازت دی ہے تاکہ ان مخصوص حالات کی تالیف کی جاسکے، مگر ساتھ ہی نہایت کڑی شرطیں بھی رکھی ہیں بالخصوص یہ امر کہ شوہر کو سب بیویوں کے مابین پورا عدل قائم رکھنا پڑے گا جس کے لئے شوہر کی مرضی اور استعداد و وسائل دونوں داخل ہوں گے اور زندگی کے ہر شعبے کو حاوی ہوں گے، سوا محبت کی مساوی تقسیم کے جو نفسیاتی طور پر ایک ناممکن العمل فعل ہے۔ قانون اور قانونی عدالتوں کو سوسائٹی کے طبقات میں عدل و مساوات کی اس کیفیت کو عمل پیرا کرانے کا اختیار ہونا چاہیے تھا کیونکہ قانون اور عدالتیں ہی سوسائٹی کے ان حقوق کی محافظ ہو سکتی ہیں۔ مگر اس وقت ہمارا جو نظام عدلیہ ہے اس میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ تعدد از دواج سے پیدا ہونے والے مسائل سے نمٹ سکیں یا ان حدود شرعی کو جاری کر سکیں۔ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ تعدد از دواج بے روک ٹوک جاری ہے اور پہلی بیوی اور اس کے بچوں کے حقوق کی پامالی ہو رہی ہے، بالخصوص بچے معصوم مظلوم ہیں کیونکہ بے بسی یا قانون کی درپردہ اجازت کا فکاہ ہیں (16)۔

### چشم پوشی ..... Connivance

نکاح، طلاق اور وراثت کے بے شمار مقدمات محض اس وجہ سے منسہر ہو کر آتے ہیں کہ نکاح یا طلاق کسی چیز کا بھی ثبوت یا شہادت مطلقاً موجود نہیں ہوتی۔ اور یہ تو پیشتر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک ہی عورت کے دو دعویدار ”شوہر“ نمودار ہو جاتے ہیں۔ دونوں ایسے گواہان پیش کرتے ہیں کہ جو کسی ایک سے عورت کا نکاح ہونے کی شہادت دیتے ہیں اور عدالتیں بالکل مجبور و بے بس ہوتی ہیں کہ کسی قابل اعتماد و ستاویزی ثبوت کی عدم موجودگی میں وہ کس کو صحیح شوہر تسلیم کریں۔ بالکل اسی طرح طلاق کا معاملہ ہے، یہ بھی محض اس وجہ سے مابہ النزاع ہو جاتا ہے کہ کوئی چیز اسے ثابت کرنے یا نہ کرنے کے لئے موجود نہیں ہوتی۔

قرآن و سنت دونوں نے مسلمانوں پر زور دیا ہے کہ تم اپنے اہم معاشی معاملات جب طے

کرو یا معاہدات و وصیت کرو تو اسے تحریر میں لے آیا کرو اور اس پر گواہیاں کرا لیا کرو، لیکن مسلمانوں نے نکاح و طلاق جیسے اہم معاملات تک کو تحریر کے احاطہ میں لانے سے انتہائی غفلت برتی ہے۔ یعنی یہ عام ہو رہا ہے کہ کوئی بھی شخص دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح یا طلاق کا معاملہ کر سکتا ہے اور غیر رجسٹر شدہ ”نکاح نامہ“ تک کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے (17)۔

اب اگر نکاح خواں یا گواہان نکاح فوت ہو جائیں یا نامعلوم دور دراز مقامات پر چلے گئے ہوں تو نکاح کا کوئی ثبوت باقی نہیں رہتا، پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ نکاح خواں یا گواہان اس سے بھی منکر ہو جاتے ہیں کہ ہم نے نکاح میں حصہ لیا تھا، اسلام نے اس وقت جبکہ شاید مشکل سے ہی کوئی ایک آدمی سو (100) میں پڑھا لکھا ہوتا تھا، معاہدات معاملہ و وصایا کو قلمبند کرنے کا حکم دیا تھا، اس لئے عین ضرورت ہے کہ اب جبکہ ہر مذہب معاشرہ میں خواہ وہ انسانوں کی تعداد بے انتہا کافی ہو چکی ہے، نکاح و طلاق کے عمل کو ایسی پختہ و مستحکم بنیادوں پر قائم کیا جائے کہ ابہام یا انکار قطعی ناممکن ہو جائے۔

اس ضمن میں اس کمیشن نے جو سفارشات پیش کی ہیں وہ قرآن و سنت کے اصول سے مکمل مطابقت رکھتی ہیں اور یہ توقع کی جاتی ہے کہ اگر ان پر عمل کیا گیا تو نہ صرف یہ تمام عیوب اور برائیاں دور ہو جائیں گی بلکہ لوگوں کی ازدواجی زندگی میں مسرت پیدا ہوگی اور اہلی زندگی کی خوش آئندگی کا ایک نیا دور شروع ہو جائے گا (18)۔

**نوٹ :-** قارئین کرام یہاں تک تو انجمن عائلی کمیشن (یعنی دیباچہ رپورٹ) کا طویل دیباچہ ختم ہوا، چونکہ اس طویل دیباچہ میں اراکین کمیشن نے اپنے غلط مدعا کو ثابت کرنے کے لئے قرآن و حدیث کی غلط تفسیحات کیں اور آثار و دلائل میں فاسد تاویلیں کیں، اس لئے خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے اس دیباچہ پر بھی اختلافی نوٹ لکھا، جو بعنوان ”دیباچہ رپورٹ پر خطیب پاکستان کا اختلافی نوٹ“ من و عن مناسب عنوانات کے اضافے کے ساتھ پیش خدمت ہے۔ مذکورہ دیباچہ میں قوسین کی عبارتیں مرتب کی طرف سے ہیں۔ (ادارہ)

## دیباچہ رپورٹ پر

## خطیب پاکستان کا اختلافی نوٹ

مسودہ دیباچہ غیر آئینی ہے

شادی کمیشن کی رپورٹ کا وہ مسودہ مجھے موصول ہو گیا جو کمیشن کے تین چار اجلاسوں کے بعد اراکین کمیشن کی رائے معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے، اس مسودہ کی ابتداء میں ایک طویل دیباچہ بھی ہے جس میں علاوہ اس کے کہ اسلام کے مسلمات اور شریعت اسلامیہ کی بنیادوں کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے اپنی جگہ غیر آئینی اور غیر اصولی بھی ہے، اس لیے کہ اس دیباچہ کا کوئی حرف بھی ممبران کمیشن کے سامنے زیر بحث نہیں آیا۔ کمیشن کے مشورہ اور اطلاع کے بدون ایک غیر ماہر شریعت شخص اور غیر اسلامی افکار و توہمات کو کمیشن کی رپورٹ کا دیباچہ اور بنیاد قرار دینا بہت بڑی زیادتی ہے اور کمیشن کے کاموں میں اب تک جہاں اور دوسری بے اصولیاں ہوتی رہی ہیں ان میں سے یہ سب سے زیادہ سنگین اور ناقابل درگزر ہے۔ بالخصوص اختلافی نوٹ لکھتے وقت نفس مسائل میں اختلاف کرنا اور دیباچہ کے فرضی و معنوی اصول سے میرا سکوت اختیار کرنا گویا کہ اختلاف رائے کو غیر معقول اور غیر مؤثر بنانا ہے۔ میں دیباچہ کے غیر اسلامی افکار اور اس کی غیر آئینی حیثیت پر شدید احتجاج کرتا ہوں۔

### قیام کمیشن اور اس کی غرض و غایت پر اظہارِ افسوس

حکومت پاکستان نے 4 مارچ (1955ء) کو ازدواجی اور عائلی امور کے لیے ایک کمیشن کا اعلان کیا۔ جس کی غرض و غایت اور دائرہ عمل یہ تجویز کیا گیا کہ چونکہ موجودہ رائج الوقت ازدواجی اور عائلی قوانین فرنگی دور غلامی کے وہ قوانین ہیں جو مسلم اقلیت کو بطور مذہبی تحفظات دیئے گئے تھے، جن میں کچھ تو شریعت اسلامیہ سے پوری مطابقت نہیں رکھتے اور کچھ تحفظ حقوق نسواں کے لیے تشدد اور نا تمام ہیں۔ اس لیے یہ کمیشن رائج الوقت اور نا تمام قوانین کو شریعت اسلامیہ کے

مطابق تبدیل کرنے اور مزید اضافہ کی سفارشات پیش کرنے کا کام کرے گا، تاکہ اب ایک آزاد اور اسلامی ملک کی خواتین ایک طرف ان مظالم سے محفوظ ہو سکیں جن میں وہ اب تک گرفتار رہی ہیں اور دوسری طرف سوسائٹی میں اپنا وہ صحیح و بلند مقام بھی حاصل کر سکیں جو اسلام نے ان کو عطا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ منصف مظلوم کی دادی اور حقوق نسواں کے تحفظ کے پیش نظر یہ مقصد اس قدر اہم تھا کہ تقسیم ہند کے فوراً بعد اس کے لیے کسی موثر قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔ بالخصوص ان وردناک عائلی و ازدواجی حالات کے پیش نظر جو بڑے پیمانہ پر قتل و غارتگری اور ہجرت کے نتیجے میں پیدا ہوئے اور قانونی تعاون نہ ہونے کی وجہ سے ہزاروں جوان لڑکیوں کی جوانیاں یا فارت ہو گئیں یا غیر شرعی طریقہ پر وہ لڑکیاں کسی کے گھر میں بیٹھ گئیں۔ اور اب تک بربادی کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ مجھے تحفظ حقوق نسواں کے نام نہاد اداروں کی سنگدل اور حکومت کی بے حس پرانوس ہے کہ ہزار ہا بے لواء اور بے مایہ عورتوں اور خاندانوں کی بربادی پر تو ان کا دل نہ پگھلا البتہ ملک کے بعض برسر اقتدار خاندانوں میں ”دوسری بیوی“ کے مسئلہ پر وہ قیامت خیز ہنگامہ پکا کیا گیا کہ گویا ملک و ملت کا یہی ایک اساسی مسئلہ ہے اور حالانکہ ہمارے ملک کا عام طبقہ بالعموم بلا ضرورت دوسری بیوی کرنے کو ناپسندیدہ ہی سمجھتا ہے۔

حیرت ہے کہ ہزاروں لاکھوں مظلوم خواتین کی مشکلات پر تو کسی کا جذبہ رحم آج تک پیدا نہیں ہوا اور دوسری بیوی کے مسئلہ پر فوراً کمیشن وجود میں آ گیا۔ بہر حال یہ اقدام خواہ کتنی ہی تاخیر کے بعد ہوا اپنی جگہ نہایت ضروری اور اہم ہے۔

### کمیشن کے رجال کا انتخاب مایوس کن ہے

لیکن اس مقصد کے حصول کے لیے رجال کا راور اراکین کمیشن کا انتخاب نہایت مایوس کن بھی ہے اور موجب حیرت بھی۔ شریعت اسلامیہ کے ساتھ اس سے زیادہ بدسلوکی کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ کمیشن کے بیشتر افراد جو نہ احکام و قوانین اسلام کا تفصیلی علم رکھتے ہیں اور نہ استنباط قوانین کے کام سے واقف ہیں، ان کو شریعت اسلامیہ کے مطابق ازدواجی قوانین کی ترتیب کا اہم فریضہ سونپا گیا۔ مجھے اس سلسلہ میں یہ بتلایا گیا کہ کمیشن کی تشکیل میں بعض اراکین خالص عدالتی اور قانونی تجربہ کی بنا پر شامل کئے گئے ہیں۔ خواتین ممبران موجودہ ازدواجی مشکلات و حالات سے بہ نسبت مردوں کے زیادہ واقفیت کی بنا پر شریک کی گئی ہیں اور صرف ایک رکن شرعی مشورہ کے لیے



رکھا گیا ہے۔ بظاہر مختلف صلاحیتوں سے استفادہ میں چنداں مضائقہ نہ تھا، مگر میرے سوا ہر ممبر نے اپنے آپ کو ماہر شریعت اور مجتہد مطلق کی حیثیت میں پیش کیا، اس لیے قرآن و سنت کی خلاف ورزی اور فقہ اسلامی کی تفحیک میں سب یک زبان اور ہموار ہے اور اس کا نام رپورٹ میں "اجماع" رکھ کر شرعی اصطلاح کی مٹی پلید کی گئی ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ کمیشن کے ایک رکن جناب عنایت الرحمن صاحب کسی اجلاس میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ لہذا تمام رپورٹ لے دے کے پریذیڈنٹ اور سیکریٹری کا کارنامہ رہ جاتا ہے۔

### قرارداد کمیشن کی خلاف ورزی

کمیشن کا پہلا اجلاس 5 اکتوبر (1955ء) کو لاہور میں کمیشن کے پہلے صدر ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب مرحوم کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں طریق کار پر بحث کی گئی۔ خواتین ممبران نے ازدواجی مسائل کے بارے میں استعصوب رائے کی تجویز پیش کی کہ ایک سوال نامہ جاری کیا جائے اور عام پبلک مرد و عورتوں سے ان مسائل میں رائے دریافت کی جائے۔

اس تجویز سے میرے اصولی اور بنیادی اختلاف کی بناء پر صدر جلسہ نے استعصوب رائے عامہ کی تجویز کو مسترد کر دیا اور مرحوم نے یہ فرمایا کہ ہم اس کمیشن کے دائرہ عمل کے تحت نہ استعصوب رائے عامہ کر سکتے ہیں اور نہ شرعی امور میں رائے عامہ پر عمل ممکن ہے۔ اس لیے کہ کمیشن کو شریعت اسلامیہ کے مطابق سفارشات کا پابند کیا گیا ہے۔ البتہ اس اجلاس میں ایسے سوال نامہ کی سفارش ضرور کی گئی جو مختلف سوسائٹیوں، خاندانوں اور علاقوں کی خواتین کی رائج الوقت مشکلات کی تفصیلات کا پتہ چلایا جائے تاکہ کمیشن پورے طور پر عورتوں کی مشکلات کا اندازہ سوچ سکے، لیکن یہ کس قدر حیرت انگیز جرات رندانہ ہے کہ یہ تجویز نہ کسی منٹ بک (Minut Book) میں درج کی گئی اور نہ اس پر کسی کے دستخط لیے گئے بلکہ صدر کمیشن کی اچانک وفات کے بعد کمیشن کے دفتر سے ایک ایسا سوال نامہ جاری کر دیا گیا جس میں نہ صرف یہ کہ شریعت کے ازدواجی مسائل کی بابت عام لوگوں کی رائے معلوم کی گئی بلکہ سوال نامہ کی عبارت میں حجیت حدیث سے گریز کیا گیا اور آیات کے ترجمہ و تفسیر کو توڑ مروڑ کر مطابق مقصد بنانے کی کوشش بھی ہوئی۔

اس گمراہ کن سوال نامہ کے اجراء میں اس قرارداد کی صریح خلاف ورزی کی گئی جو ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین مرحوم کی صدارت میں پاس ہوئی تھی، جس کا تذکرہ موجودہ مسودہ رپورٹ میں ملتا

ہے اور نہ کسی منٹ بک میں اس قرارداد کو لکھا گیا ہے، ممکن ہے ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین مرحوم کے اپنے قائل میں اس کا ذکر موجود ہو۔

پھر اصولی طور پر خالص شرعی مسائل میں پبلک سے استعصوب رائے عامہ کا طریقہ شریعت اسلامیہ کے ساتھ استخفاف اور اہانت دین کا معاملہ کرتا ہے، جس کو کسی طرح برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ شریعت اسلامیہ کے مسائل جو محض مہارت فن اور مہارت علم دین سے متعلق ہیں، عوام کے ہر کہ و مد سے حتیٰ کہ بعض متفقہ خارج از اسلام فرقوں کے رہنماؤں سے رائے دریافت کرنا دین میں تحریف کی خطرناک راہ کھولنا ہے۔ ڈاکٹری، انجینئری، وکالت میں بھی جو خالص انسانوں کے غیر الہامی اور عقلی علوم ہیں کبھی کوئی معقول شخص استعصوب رائے عامہ کو گوارا نہیں کر سکتا تو اللہ کی الہامی کتاب اور قوانین وحی میں استعصوب رائے عامہ کی گنجائش نکالنا غیرت و دینی اور عقل دونوں کے خلاف ہے۔ چنانچہ اجلاس اول کی قرارداد کی صریح خلاف ورزی اور استخفاف دین پر میں نے ایک احتجاجی خط لکھا جس کا جواب کمیشن کے دفتر سے مجھے موصول نہیں ہوا۔

27 اکتوبر 1955ء کو کمیشن کے دوسرے صدر سابق چیف جسٹس میاں عبدالرشید مقرر ہوئے اور جیسا کہ کمیشن کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے میاں صاحب موصوف کا تقرر عدالتی اور قانونی تجربہ کی بنیاد پر عمل میں آیا، مگر کمیشن کی سفارشات کی ترتیب میں قانونی و عدالتی تجربہ سے زیادہ قرآن و سنت میں اجتہاد کا پہلو نمایاں ہے۔

### کمیشن کا دوسرا غیر آئینی اجلاس

کمیشن کا دوسرا اجلاس 30 نومبر 1955ء کو لاہور میں ہوا۔ جس کے دعوت نامہ کی وصولی بالی پر میں نے کمیشن کو بذریعہ خط اطلاع دی کہ وزیر اعظم پاکستان نے 27، 28، 29 نومبر 1955ء کو آل پارٹیز کشمیر کانفرنس طلب کی ہے جس میں مجھے مدعو کیا گیا ہے اور جس کا آخری اجلاس 29 نومبر کی رات کو ہے، اس لیے میں 30 نومبر کی صبح کو کسی طرح شریک نہ ہو سکوں گا۔ براہ مہربانی اس کی تاریخ بڑھادیجئے۔ خط بھی لکھا، تاریخ بھی دیا لیکن اجلاس کی تاریخ تبدیل نہ ہوئی اور بالآخر میں اس اجلاس میں شریک نہ ہو سکا یا قصداً شریک نہیں کیا گیا، حالانکہ اصولاً جب سرکاری کمیشن کے بعض افراد کسی دوسری سرکاری مصروفیات میں ہوں تو تاریخ قدرتی طور پر تبدیل کرنا ضروری تھا، مگر قصداً ایسا نہیں کیا گیا، گویا کہ اس کمیشن کو اپنے مقصد کے لیے شروع ہی سے نہ

شرعی رائے کی ضرورت محسوس ہوئی اور نہ کسی رائے دینے والے کی، اس لیے کہ کمیشن کے تمام ممبران اپنے آپ کو کتاب وسنت کا صحیح ترجمان اور مجتہد مطلق سمجھتے تھے۔ میری رائے میں کمیشن کا یہ دوسرا اجلاس جس میں مجھے دیدہ و دانستہ نظر انداز کیا گیا بالکل غیر آئینی ہے، پھر طرفہ یہ کہ دیباچہ میں اس سوال نامہ کو مفصل بحث کے بعد متفقہ طور پر طے شدہ قرار دیا گیا ہے۔

### غیر آئینی دیباچہ اور اختلافی نوٹ

مسودہ رپورٹ کا دیباچہ جس کے متعلق ابتداء میں اظہار رائے کیا جا چکا ہے اور جو دراصل غیر شرعی سفارشات کی گنجائش پیدا کرنے کی ایک فرضی تمہید ہے اس میں تفصیلی کمیشن کا ذکر کرتے ہوئے بظاہر اس کا اعتراف کیا ہے کہ دستوری ”قرارداد مقاصد“ کی صراحت کے عین مطابق کمیشن کی سفارشات کا ماخذ قرآن کریم اور سنت نبوی ہے، مگر یہ اعتراف بھی محض ایک فریب ہے، اس لیے کہ اصل مسئلہ قرآن وسنت سے احکام نکالنے اور استنباط کرنے کا ہے۔ ماخذ قوانین قرار دینے کی صحیح کسوٹی یہ ہے کہ استخراج اور استنباط مطالب میں اصول استنباط کو ملحوظ رکھا گیا ہے یا شخصی رجحان اور ذاتی فہم کو معیار قرار دیا گیا ہے۔ استخراج معانی اور استنباط احکام میں اصول و قواعد کو ملحوظ رکھنے کا نام دراصل فقہ ہے اور جزئیات سے کلیات بنانا اور اصول و قواعد مدون کرنے کا نام اجتہاد ہے، اور جزئیات سے کلیات بنانا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک قرآن وسنت کے احکام کی تمام جزئیات مستحضر نہ ہوں اور جنہیں قرآن وسنت کے ایک جزئیہ کا بھی صحیح علم نہ ہو، ان کا کلیات بنانا اور پھر نتائج اخذ کرنا صریح گمراہی اور جہل مرکب ہے۔

ہمارے کمیشن کے افراد جو خوش کن الفاظ میں قرآن وسنت کو ماخذ تسلیم کرنے میں پیش پیش ہیں نہ جزئیات سے کلیات بنا کر موجودہ اصول فقہ سے صرف نظر کر کے اصول و قواعد مرتب کرنے کا اعجاز دکھانے کو تیار ہیں اور نہ مرتب شدہ اصول فقہ کو دلیل راہ بنانے پر آمادہ نظر آتے ہیں، تو ظاہر ہے قوانین و احکام کے استنباط میں صرف ذاتی و شخصی رجحان کو معیار قرار دینا فقہ ہے نہ اجتہاد بلکہ اللہ کے دین کو سبک کرنا اور بدترین قسم کی گمراہی ہے، چنانچہ کمیشن کی کارکردگی میں مفسرین و فقہائے امت سے معاندانہ انداز میں گریز کرنے کے باوجود کمیشن کا کوئی ممبر بھی فخر الدین رازی اور ابوحنیفہؒ کی جگہ نہ لے سکا، یہی وجہ ہے کہ کمیشن کی وہ ”سفارشات“ جو چند ممبران کی یورپ پسندی اور اسلام بیزاری کی آئینہ دار ہیں، قرآن وسنت کو سبک کر کے فرکیت پر چپاں کرنے کی ایک کردہ کوشش ہے۔

اس دیباچہ میں کمیشن کی ضرورت پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ ”فقہ اسلامی کی تاریخ اور موجودہ حالات کا جائزہ لینے سے کمیشن کے قیام کی ضرورت کا اندازہ ہو جائے گا۔“ جہاں تک حالات کا تعلق ہے یہ صحیح ہے کہ اب مسلم خواتین کے لیے ان تمام ازدواجی قوانین میں اصلاح و ترمیم کی ضرورت ہے جو فرنگی دور غلامی میں مسلم خواتین کو محض تحفظات حقوق مذہبی کے طور پر غلط اور ناقص شکل میں دیئے گئے تھے، جس کا اظہار میں نے اختلافی نوٹ کی تمہید میں بھی کیا ہے، لیکن اس موقع پر فقہ اسلامی کی تاریخ کا ذکر بالکل بے جوڑ بات ہے، اس لیے کہ شادی کمیشن کا قیام فقہ اسلامی کو از سر نو مرتب و مدون کرنے کے لیے وجود میں نہیں آیا اور نہ کمیشن کا یہ دائرہ عمل ہے، جیسا کہ تفصیل سے اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، لہذا دائرہ عمل سے باہر قدم رکھنا نہ صرف یہ کہ بے اصولی بات ہے بلکہ دائرہ عمل کے مجوزہ کام اور اصل مقصود کو بھی فوت کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں نئے آئین کی رو سے پاکستان کے تمام مروجہ قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق کرنے کے لیے ابھی ایک کمیشن بیٹھنا ہے۔ عالمی اور ازدواجی قوانین بھی اس میں شامل ہوں گے، ہمارے کمیشن نے بے وجہ کام اپنے ذمے لے لیا۔

### نصوص قطعیہ میں تاویل فاسد اور ضرورت اجتہاد پر زور

رپورٹ کے دیباچہ میں کمیشن کے ذاتی اجتہاد کا جواز پیدا کرنے کے لیے قرآن وسنت کے احکام پر یہ لکھا گیا ہے ”قرآن کریم اور حدیث رسول اپنے زمانہ نزول کے پیدا شدہ واقعات اور پیش آمدہ سوالات کی ترجمانی اور تصویر ہے اور چونکہ ہر دور اور ہر زمانہ کے انسانی مراسم اور واقعات کی مختلف نوعیتوں کا اندازہ لگانا کسی کے بس کی بات نہیں ہے، اس لیے پیغمبر اسلام نے اپنے معاصرین کے لیے قرآن وحدیث کے باوجود آزادانہ قانون سازی اور عدالت پر دازی کا ایک بڑا وسیع میدا چھوڑا ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے اجتہاد کی جس پر قرآن وسنت کے دائرہ میں رہ کر عمل کیا جاتا ہے۔“

حجرت واستتباب کا مقام ہے کہ جو حضرات حق تعالیٰ اور اس کی شان نبوت و رسالت اور دین کی جامعیت جیسے ابتدائی مسائل سے یکسر نااہل ہوں وہ ان موضوعات پر نہایت بے باکانہ طریقہ سے قلم اٹھانے کی جسارت کیسے کرتے ہیں؟ شاید ہمارے دیباچہ نویس کو معلوم نہیں کہ قرآن اس ذات پاک کا کلام ہے اور اس کی دی ہوئی ہدایت ہے جس کو ازل سے ابد تک ہر دور اور

ہر زمانہ کے ایک ایک جزئی واقعات کا تفصیلی علم ہے اور اس کو انسانی مراسم و تعلقات کی ان تمام گونا گوں نوعیتوں کی خبر ہے جو مستقبل کے کسی دور اور کسی زمانہ میں ظہور پذیر ہو سکتے ہیں، تو اس کی طرف سے نازل کردہ قرآن یا اس کی جانب سے بھیجا ہوا رسول اور اس کی الہامی زندگی یہ سب امور اس حقیقت پر مبنی ہیں کہ قیام قیامت تک عالم میں جس قدر واقعات کی بوقلمونیاں ظاہر ہوں گی ان سب کے لیے کتاب و سنت کی تعلیمات و احکام ناطق ”دلیل راہ“ اور قول فیصل ہیں اور یہی اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے جس کی بنا پر یہ دین ابدی ہے اور اگر زمانہ نزول قرآن یا عہد حیات نبوی کے واقعات و مراسم تک قرآن و سنت کی نظر محدود ہوتی تو پھر قرآن و سنت کو اللہ کی وحی اور دین اسلام کو اللہ کا دین کہنا بے معنی ہوگا، بلکہ قرآن و سنت کو شخصی تصنیف و تالیف کہنا بہتر ہوگا کہ جس کی بصیرت اپنے دور سے آگے نہ بڑھ سکی۔

کیسے باور کیا جائے کہ قرآن و سنت جو اسلام کی نظر میں حق تعالیٰ کی وحی ہے، ہونے والے واقعات کی نوعیت سے لاعلم ہونے کی وجہ سے جامع اور حاوی نہیں ہے اور اگر بالفرض زمانہ نزول کے بعد کے حالات کی بابت قطعی کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر ”الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی“ کے اعلان خداوندی کے کیا معنی ہوں گے؟ کیا دیباچہ نویس صاحب اس کا یہ ترجمہ کریں گے کہ اے عہد نزول کے مسلمانو! تمہارے زمانہ کے حالات کے لحاظ سے دین مکمل ہو گیا۔ باقی آنے والے حالات کے اعتبار سے نامکمل ہے اور اس کی تکمیل تم کمیشنوں کے ذریعہ سے کر لیتا۔ اور پھر وہ کونسا آزادانہ قانون سازی اور عدالت پر دازی کا وسیع میدان تھا جو کتاب و سنت کی موجودگی کے باوجود صحابہ کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا۔ جس کا ذکر صاحب دیباچہ نے کیا ہے۔

عالمی دیباچہ نگار کا اشارہ معاذ بن جبل کی اس حدیث کی طرف ہے جس میں حضور نے ان کو یمن کا امیر بناتے وقت یہ دریافت فرمایا تھا کہ تم مقدمات کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ جواب دیا کہ اول کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا، اگر کتاب اللہ میں اس کی صراحت نہ ہوگی تو حدیث رسول سے، اور اگر حدیث رسول میں بھی کوئی صراحت نہ ملی تو پھر اجتہاد کروں گا۔ معاذ بن جبل کی اس حدیث کو ہمارے دیباچہ نگار نے اپنے اجتہاد کی بنیاد بنانے کے لیے نقل کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ”قرآن و سنت میں کوئی صریح حکم نہ ملے تو عقل اور فہمی رائے سے کام لیا جائے“ سو جہاں تک اس حدیث اور واقعہ کا تعلق ہے یہ حدیث بھی صحیح ہے اور یہ واقعہ بھی صحیح، لیکن آزادانہ قانون سازی اور آزادانہ

عدالتی فیصلوں کا میدان اس حدیث سے کیسے نکل سکتا ہے؟ جب کہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر قرآن و سنت سے مجھے حکم ملے گا تو میں اجتہاد نہ کروں گا بلکہ اس کا پابند ہو کر فیصلہ دوں گا۔ اور اگر کسی امر میں قرآن و سنت کی صراحت یا ہدایت نہ ملی تو پھر میں اجتہاد کروں گا۔ یعنی غور و فکر سے وہ پہلو اختیار کروں گا جو معتدل بھی ہو اور قرآن و سنت کے کسی جز پر اور کسی حکم سے متصادم نہ ہو ورنہ پھر تو قرآن و سنت کی خلاف ورزی ہوگی، اطاعت نہ ہوگی۔ حالانکہ اسے ہی کلام میں قرآن و سنت کی جزئیات کی پابندی کا اقرار کر چکے ہیں۔ اس سے دو باتیں واضح ہو گئیں، ایک یہ کہ جہاں کتاب و سنت کا صریح حکم موجود ہو وہاں اجتہاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ اجتہاد وہی مستحب ہے جو قرآن و سنت کی روشنی میں کیا گیا ہو۔ وہ اجتہاد مستحب نہیں جو کتاب و سنت کو چھوڑ کر محض عقل انسانی کے بھروسے پر کیا جائے۔ کیونکہ قرآن و سنت عقل کے لیے روشنی ہے اور عقل قرآن و سنت کے لئے روشنی نہیں ہے۔ دیباچہ نگار کے اجتہاد اور معاذ بن جبل کے اجتہاد میں یہی بنیادی فرق ہے۔ وہ عقل کے فیصلوں کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھتے تھے اور دیباچہ نگار قرآن و سنت کے احکام کو بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ معاذ بن جبل کی عقل قرآن و سنت کی فرمانبردار کنیز تھی اور دیباچہ نگار کی رائے میں شریعت عقل کی کنیز ہے۔

بہ خرد راہ حقیقی جوئی بہ چراغ آفتاب می جوئی

### صحابہ کرامؓ نے کس چیز کی بنیاد پر اجتہاد کیا؟

صحابہ کرامؓ نے جب کبھی اجتہاد کیا اور عدالتی فیصلہ دیا تو اس کی بنیاد قرآن و سنت کے کسی جز پر نہ کو ضرور قرار دیا ہے۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے کبھی ایسا آزادانہ اجتہاد نہیں کیا جس کی کچھ نہ کچھ اصل کتاب و سنت سے نہ ملتی ہو، پھر دیباچہ نگار جو معاذ بن جبل کے اجتہاد سے استدلال کر کے کمیشن کے اجتہاد کو درست قرار دینے کی فکر میں ہیں، ان کو یہ معلوم نہیں کہ معاذ بن جبل رسول اکرم ﷺ کے پڑھائے ہوئے وہ عالم شریعت ہیں جن کو سفر و حضر میں حضورؐ نے علوم شریعت سکھائے اور جب یمن بھیجا تو اہل یمن کو لکھا ”انسی بعثت الیکم خیر اہلی“ یعنی اپنے لوگوں میں سے بہترین شخص کو بھیج رہا ہوں، بھلا بتلائیے جس میں اتنی بھی صلاحیت اجتہاد موجود نہیں کہ وہ معاذ بن جبل اور اپنی صلاحیتوں میں صحیح موازنہ کر سکے، وہ قرآن و سنت میں اجتہاد کیا کر سکتا ہے؟ رپورٹ کے دیباچہ میں اجتہاد کی وہ حدیث نقل فرمائی کہ جس میں اجتہاد کا عمل



دیباچہ عائلی قوانین پر اخلاقی نوٹ از خطیب پاکستان

کتاب وسنت کے تحت میں تھا اور مجتہد کی شانِ خیر اہلی کی شکل میں تھی، لیکن رپورٹ کے مسائل میں ایسا اجتہاد پیش کیا گیا کہ قرآن وسنت کی صراحت یا ہدایت ہوتے ہوئے بھی ان سے گریز کیا گیا اور مجتہد وہ ہیں جو دین کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں۔

تمہیں نقاد رہ از کجا است تا بہ کجا

اسلامی عقیدہ میں قرآن وسنت کے احکام خواہ اصولی ہدایت کی شکل میں ہوں اور خواہ جزئی قانون کی صورت میں نزول کے وقت سے قیامت تک ہر دور اور ہر زمانہ کے لیے ناطق اور قول فیصل ہیں۔ حالات و واقعات کی تبدیلی سے حقائق نہیں بدلے جاتے بلکہ حقائق کی بنیادوں پر حالات و واقعات کا رخ تبدیل کیا جاتا ہے اور دراصل اسلام اس حقیقی عزم کا نام ہے۔

رہے وہ جزئی حوادث جو آئے دن ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہیں گے ان پر قرآن وسنت کے حقائق اور احکام کے پیش نظر شریعت کا حکم لگایا جاتا رہا ہے اور لگایا جاتا رہے گا۔ اسی کا نام شریعت کی اصطلاح میں "قیاس" ہے۔ نہ اس کا دروازہ بند ہوا ہے اور نہ کبھی بند ہوگا، البتہ "قیاس" کا حق بھی صرف وہی شخص رکھتا ہے جس کی نظر میں قرآن وسنت کے حقائق اور ابدی احکام منحصر ہوں، ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں اس قسم کا قیاس نہ کر لیا جائے جو شریعت کے کسی حکم کے خلاف اور اس سے متصادم ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیاس بھی شریعت ہی کی دلیل ہے، جو پیدا شدہ حالات و واقعات پر شرعی حکم بھی ظاہر کرتی ہے اور خود کتاب وسنت کی حدود و احکام کی پابندی بھی ہے۔

### لفظ اجتہاد اور درجات اجتہاد کی غلط تشریح

دیباچہ میں لفظ اجتہاد کی تشریح کرتے ہوئے اجتہاد کے جو تین درجے قائم کیے گئے اور ان میں سے "قانون سازی میں مکمل اختیار" والی قسم کو ستیوں میں نظری طور پر اور شیعہ میں عملی طور پر بیان کیا گیا۔ ہمارے لیے انتہائی باعثِ تعجب اور موجبِ حیرت ہے کہ کمیشن کے حدود عمل کو تو ذکر اس قسم کی غیر متعلق فرقہ وارانہ اور فقہانگیز بحثوں میں الجھنا کون سی ملکی یا طبقہ نسواں کی منفی خدمت ہے اور اس وقت اس تحقیق کی کمیشن کو کیا ضرورت پیش آئی۔ "قانون سازی میں مکمل اختیار" والے اجتہاد کی کوئی قسم ہمارے یہاں نہ نظری طور پر تصور ہے اور نہ عملی طور پر۔ قانون سازی کا اختیار بجز حق تعالیٰ کے اور کسی کو حاصل نہیں ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حلال و حرام کی حدود خود قائم نہیں فرمائی بلکہ اللہ کی قائم کی ہوئی حدود کی خبر دیتے ہیں اور ان حدود کی

دیباچہ عائلی قوانین پر اخلاقی نوٹ از خطیب پاکستان

تفصیلات و تشریحات فرماتے ہیں، یہ تفصیلات و تشریحات بھی چونکہ بذریعہ وحی ہوئی ہیں اس لیے متن قانون کی تشریحات بھی قانون ہی کے حکم میں ہیں اور اسلام کی نظر میں متن قانون اور اس کی جملہ تشریحات دونوں کی عملی حیثیت ایک ہے کہ دونوں واجب العمل ہیں، دونوں کا چھوڑنا فسق ہے اور دونوں کا انکار کفر ہے، ہمارے یہاں جب حق تشریع صرف اللہ ہی کے لیے خالص ہے تو پھر اجتہاد کی کوئی ایسی قسم قرار دینا جس میں مجتہد کو قانون سازی کا مکمل اختیار ہو نہ صرف دین سے ناواقفیت ہے بلکہ عقلاً مضحکہ خیز بھی ہے۔

اور اگر دیباچہ نگار کی مراد "قانون سازی میں مکمل اختیار" والے اجتہاد سے وہ "اجتہاد مطلق" ہے جو امام ابوحنیفہ و امام مالک جیسے مجتہدوں کو حاصل تھا تو ان کو کھٹکا چاہئے کہ "اجتہاد مطلق" اور "اجتہاد مقید" فقہی اصطلاح ہے۔ اجتہاد مطلق سے مطلق من مانی مراد نہیں کہ مجتہد کو قانون ساز مانا جائے اور قانون سازی میں مکمل اختیار والا کہا جائے۔

چنانچہ بدون شدہ اصول و قواعد میں سے چار مکاتیب فکر مشہور ہیں لیکن ائمہ مجتہدین کی تحقیقات کی حیثیت ہائی کورٹ کے ججوں کے فیصلوں کی حیثیت ہے۔ قانون سازی نہیں ہے، یہاں وجہ ہے کہ جس طرح ہائی کورٹس کے فیصلے باہم مختلف اور متضاد ہونے کے باوجود قانونی دائرہ میں شمار ہوتے ہیں، اسی طرح فقہاء و مجتہدین کے فیصلے بھی دراصل ماہرین قانون شریعت کے فیصلے ہیں۔ جن کو "ظہار" کہا جاتا ہے اور باہم مختلف ہونے کے باوجود شریعت ہی کے دائرہ میں شمار ہوں گے، گویا قانون کی اصطلاح میں قرآن کریم "متن قانون" ہے اور "حدیث" تشریحات قانون۔ اور مجتہدین کی فقہی تحقیقات فیصلہ کے وہ ظہار ہیں جو صرف مستند جہی دے سکتے ہیں، غیر مستند جہ کا فیصلہ بطور نظیر کے کبھی عدالت میں محفوظ نہیں رکھا جاتا۔ اگر ہمارے دیباچہ نگار کو اجتہاد کا شوق ہے تو چاروں فقہ کے مکاتیب فکر سے الگ اپنا اصول فقہ مرتب کریں جس میں استنباط احکام کے اصول و قواعد مقرر کئے گئے ہوں۔ اگر وہ ایسا کرنے پر قادر ہو گئے تو ہم چار سالک فقہ کے علاوہ پانچواں مسلک بھی قبول کرنے کو تیار ہو جائیں گے، مگر بغیر اصول و قواعد کے استنباط احکام کرنا گمراہی و ہوا پرستی ہے۔ دیباچہ نگار ہوا پرستی کو اجتہاد کا نام دینا چاہتے ہیں جو کبھی قبول نہیں کیا جاسکتا۔

دیباچہ نگار کو معلوم نہیں کہ اجتہاد مطلق تو بڑی بات ہے، آج اجتہاد کی اس قسم کو اختیار کرنا بھی آپ کے بس کی بات نہیں ہے جس کو "قیاس" کہتے ہیں اور جو قیام قیامت تک جاری رہے گی۔ علامہ اقبال مرحوم کے خطبات سے اجتہاد کے متعلق جو اقتباس دیا گیا ہے وہ بھی اس اجتہاد مقید یعنی

قیاس کے بارے میں ہے۔ اس خیال کے باوجود بھی علامہ اقبال کم نظر عالموں کو اجتہاد سے اجتناب کا مشورہ دیتے ہیں۔

ز اجتہاد عالمان کم نظر اقتدار رفتگان محفوظ تر  
ظاہر ہے کہ اراکین کمیشن عالموں کی صف میں بھی نہیں آسکتے۔ کم نظری یا بالغ نظری کا مرحلہ تو بعد میں آتا ہے۔ فقہ اسلامی کے بارے میں جمود پیدا ہونے کا الزام صرف اس فرگی مقلد طبقہ کا تراشا ہوا الزام ہے جو اپنے اندر بے دینی کو رکھنے یا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں پاتا، بلکہ اس رو میں بہہ کر اسلام کو بھی سیلاب کے رخ پر ڈالنے کی کوشش کرتا رہتا ہے تاکہ اسلام کی سمت مخالف میں رہ کر بھی مسلمان ہونے کا دعویٰ کر سکے، ورنہ فقہ اسلامی میں نہ اب جمود ہے اور نہ کبھی پہلے تھا اور نہ اس کو کمیشنوں کے اجتہاد کی ضرورت۔ فقہ اسلامی میں ترقی کا راستہ ”قیاس“ ہے، جس کے ذریعہ ہر صدی کے حوادث و واقعات فقہی جزئیات میں داخل ہوتے چلے جا رہے ہیں، اور فقہ کی تاریخ اس کی ترقی پر شاہد ہے۔ انیسویں صدی کا وسط جب کہ آپ کی معلومات کی بنا پر اسلام کٹر پن اور فرسودہ مذہب سے تعبیر کیا جانے لگا، عین وہی زمانہ ہے جب انگریزوں نے کالجوں و یونیورسٹیوں کی تعلیم کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں میں اسلام سے نفرت اور بیزاری پیدا کی، اور آج مسلمانوں میں صرف وہی افراد اس خیال کو دہراتے ہیں جو ہندوستانی یا پاکستانی ہونے کے باوجود دل و دماغ سے اب بھی انگریز ہیں، اور وہ درحقیقت قومی حیثیت و دینی غیرت کھو چکے ہیں۔ صرف آقا یان سفید قام کی نقالی ہی ان کا سرمایہ انکار ہے۔

انہیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی

دور ”فرسودگی“ میں خواتین اسلام کی جو عزت و حرمت قائم تھی آج تہجد کے دور میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ تہجد نے عورت کو آلہ ہوس رانی سے زیادہ کبھی حیثیت نہیں دی۔

مجتہد کی شرائط اور خطائے اجتہادی پر وعدہ اجر کا مطلب

رہی یہ بات کہ ”اجتہاد کے لیے ایسی شرطیں لگادی گئی ہیں جس کا پایا جانا ایک فرد میں ممکن نہیں ہے“ اور دیباچہ نگار کی رائے میں اس تدفین نے اسلام میں جمود پیدا کیا ہے، میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جو شخصیتیں آپ کی رائے میں بھی مکمل اجتہاد کی حامل تھیں آیا ان میں بھی یہ

اجتہاد اور اوصاف موجود تھے یا نہیں؟ میں سمجھتا ہوں آپ کی رائے میں بھی وہ شرائط ضرور موجود ہوں گی جیسی تو آپ ان کے کامل اجتہاد کے قائل ہیں، پھر جب اسی عالم میں ایسی شخصیتیں گزر چکی ہیں جو ان اوصاف کی حامل تھیں تو لفظ نامکن استعمال کرنا کہاں تک صحیح ہے، جس کمال کی ایک دو نہیں متعدد نظریں موجود ہوں وہ ”نامکن“ دیباچہ نگار کی لغت میں ہوگا۔ دنیا اُسے کبھی نامکن نہ کہے گی۔ عبارت حدیث: ”اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَنِبْهُ فَاَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ وَ اِذَا حَكَمَ لِمَا جُنِبَ ثُمَّ اَخْطَا فَلَهُ اَجْرٌ“ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حج اور حیورست آزادانہ اپنی رائے کو استعمال کریں نہایت طفلانہ اور مستحکمہ خیر ہے، اس لیے کہ لفظ ”حاکم“ اول تو اس بات کا ضامن ہے کہ وہ خود ہی صاحب نظر اور ماہر شریعت عالم ہوگا، گویا اجتہاد کا مکمل ماہر شریعت ہوا، پھر اس ارشاد نبوی سے ان تجوں کی آزادی رائے سے کیا سر و کار ہے، جن کو دین کی ایجاد بھی معلوم نہیں۔

دوسرے یہ کہ ”فله اجران“ کا لفظ خود یہ بتلا رہا ہے کہ وہ صواب و خطا جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ آخرت میں خطا و صواب کا انکشاف ہے جو کل اجر ہے۔ دنیا میں تو اس پر عین صواب ہی کا حکم ہوگا۔ ورنہ کیا مدعی یا مدعا علیہ کو اس حدیث کی بنا پر یہ حق ہوگا کہ وہ حاکم سے کہے کہ ممکن ہے آپ نے فیصلہ میں خطا کی ہو اور اس کا نفاذ حکم ملتا ہی کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ حاکم یہ کہے گا کہ میرے اجتہاد میں تو یہ عین صواب ہے اور اس کا نفاذ لازمی ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ علم باری میں یہ فیصلہ خطا ہو۔ تب بھی انکشاف خطا کے دن میرا اجر مجھے ملے گا اور وہ اس حسن نیت کی بنا پر کہ میرا قصد صواب کا پہلوا اختیار کرنے کا تھا جس کا علم اللہ کو ہے، اس حدیث میں جس خطا و صواب کا ذکر ہے وہ وہ نہیں ہے جس پر کوئی اور شخص محض اس بنا پر اپیل کر دے کہ اس فیصلہ میں حدیث کی رو سے احتمال خطا بھی ہے، اس لیے دوسرا حاکم فیصلہ کرے۔ تیسری بات یہ ہے کہ استنباط احکام یعنی قانون سازی الگ چیز ہے۔ اور ”قضا“ و فیصلہ دوسری چیز ہے۔ قانون سازی میں منبع قانون کی حفاظت مقصود ہوتی ہے اور قضا میں واقعات کی نوعیت سے جزئیات قانون کی مطابقت پر نظر ہوتی ہے اور مطابقت کا مسئلہ خالص فراست کا مسئلہ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جس قسم کے اجتہاد اور خطا و صواب کا ذکر ہے اس کا دیباچہ نگار کے اجتہاد اور خطا و صواب سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، اور جہاں دوا جرا اور ایک اجر کی خبر سے آزادی رائے کا نتیجہ نکالا گیا ہے وہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اگر کسی غیر حاکم نے اجتہاد کیا اور درست کیا تو اس پر ایک جرم ہے کہ اس نے وہ کام کیا جس کا یہ مجاز نہ تھا اور اگر غیر حاکم کے

اجتہاد میں خطا ہوئی تو دوجرم ہوئے، ایک غیر مجاز ہونے کا، دوسرا انصافی کا۔

علیٰ ہذا امام ابو حنیفہ یا امام مالک نے اپنے تلامذہ سے جو کچھ فرمایا اس کا محمل بھی یہ ہے کہ اس کے مخاطب ماہرین شریعت حامل اجتہاد شخصیتیں ہیں۔ کمیشن کے افراد یا دیباچہ نگار نہیں ہیں اور جس خطا کا ذکر ہے وہ وہ ہے جو علم باری میں ہے، ورنہ مجتہد کو اپنی رائے پر صواب کا جزم ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک تو اجتہاد کی حقیقت بتلا رہے ہیں کہ مجتہد کو خواہ کتنا ہی جزم ہو احتمال خطا سے خالی نہیں ہے اس لیے کہ اجتہاد وحی نہیں ہے جو معصوم ہو، دیباچہ نگار امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے اس اظہار حقیقت کو کورٹ کی شہادت سمجھ بیٹھے، جس میں گویا کہ اقبال جرم کیا جا رہا ہے۔ اس اظہار حقیقت پر اپنی ذاتی اجتہاد کی عمارت کھڑی کرنا معمولی عقل سے بھی بعید ہے۔

### حکم کا مخاطب کون ہوتا ہے؟

پھر امام ابو حنیفہ و امام مالک اور امام ثوری جن سے یہ فرماتے تھے کہ تمہارے لیے میری رائے کی پیروی ضروری نہیں ہے بلکہ خارج سے استنباط کرو، تو اس کے مخاطب کون تھے؟ وہ ماہرین شریعت اور مجتہد تھے جن کا کام تقلید کرنا نہیں ہے بلکہ خود اپنی صوابدید قائم کرنا ہے، یہ کہاں سے سمجھ لیا گیا کہ اس کے مخاطب کمیشن کے اراکین ہیں یا ہر راہ گیر اس کا مخاطب ہے۔ فہم انسانی کا یہ ادنیٰ سا اصول ہے کہ ہر حکم کا مخاطب وہی سمجھا جاتا ہے جو اس حکم کی اہلیت رکھتا ہے، میڈیکل کالج کے کلاس روم میں جو ہدایات دی جا رہی ہیں اس کے مخاطب ڈاکٹری ہو سکتے ہیں، اگر کسی نے راہگیر کی حیثیت سے وہ ہدایات سن لی ہیں تو وہ عمل جراحی کا مجاز نہ ہوگا۔ ائمہ کے اس قول سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام مجتہدین اپنے اپنے اجتہاد میں مخلص تھے، نہ ایک کے دل میں دوسرے کی پیروی کی خواہش تھی اور نہ ہی فقہ اسلامی کسی ساز باز اور گٹھ جوڑ سے تیار ہوا ہے، اور یہ بھی واضح رہے کہ تلامذہ اور معاصرین کا اختلاف اس نوعیت کا نہیں تھا کہ چونکہ استاد نے غلط رائے قائم کی ہے اس لیے میں اس کی صحیح صورت پیش کرتا ہوں بلکہ وہ اختلاف فہم معانی کا اختلاف ہے یعنی میں استاد کی بات کو یا معاصر کی بات کو لغزش یا غلطی نہیں تصور کرتا بلکہ میری فہم نے میرے سامنے یہ صورت پیش کی ہے، حاصل یہ کہ مجتہدین کا اختلاف کسی کی مخالفت پر مبنی نہیں ہے بلکہ اپنی صوابدید پر ہے، تو تلامذہ اور معاصرین کے اختلاف سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ بھی ائمہ کی مخالفت میں آزاد تھے تو ہم بھی ان کی مخالفت میں قدم اٹھائیں بالکل مضحکہ خیز ہے، ہو سکے تو ہم بھی ابو یوسف اور ثوری بن

جائیں اور پھر ابو حنیفہ کے اصول فقہ کو چھوڑ کر اپنے مدون شدہ اصول فقہ سے اجتہاد کریں، لازماً وہ ابو حنیفہ کے اجتہاد سے مختلف ہوگا مگر اس کے لیے۔

ایں قدر باش کہ عنقا نہ سفر باز آید

دیباچہ نگار کی رائے میں مسلمانوں کی پستی کا سبب

دیباچہ نگار نے فرضی اور خود تراشیدہ جمود اسلام کا الزام لگاتے ہوئے اس کو مسلمانوں کی پستی کا سبب بتایا ہے اور لکھا ہے کہ ”گچلی تین صدیوں سے تمام دنیا کے مسلمان طبقاتی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی اعتبار سے ترقی کی تیز رفتار روڈ میں پیچھے رہے ہیں، اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمان بدلتے ہوئے حقائق کے پیش نظر نئے عوامل کی قدر شناسی کے لیے تیار نہیں ہیں۔“

مجھے یقین ہے کہ دیباچہ نگار ترقی و تہذیب اور معاشی و سیاسی اور ثقافتی وغیرہ جتنے الفاظ بھی ایک سانس میں بول گئے ہیں خود ان الفاظ کی حقیقت بھی شاید ان کے ذہن میں نہیں ہے، اس لیے حقیقت حال کا اظہار ضروری ہے۔

### تجدد پسندوں کے الزامات

آخر کی یہ تین صدیاں بدقسمتی سے مسلمانوں کی تاریخ کا وہ دور ہے جب امراء و سلاطین نے ہوا پرستی کی خاطر دین اور احکام دین کو اپنی باندی بنالیا، یا اجنبی اقتدار نے معاش کی لالچ میں خود مسلمانوں کے ایک گروہ کو اسلام کے خلاف بیزار پیدا کرنے کے لیے کھڑا کر دیا۔ ہندوستان میں مغرب زدہ لوگوں کی جماعت نے جب سے ہوا پرستی کو دین پر مسلط کرنے کی کوشش کی اور وہ اپنے منصوبہ کی حد تک کامیاب نہ ہوئے تو مختلف قسم کے الزامات لگا کر آقا یا ان فرنگ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی اور ایک الزام یہ لگایا کہ اگر نت نئے حالات اور بدلتے ہوئے واقعات پر احکام اسلام کی قدیم صورت کو باقی رکھا گیا تو مسلم قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ دوسرا الزام یہ لگایا کہ شریعت اسلامیہ میں اگر صرف علماء ہی کو رائے دینے کا حق رہے تو اسلام میں بھی برہمنیت اور پاپائیت کی صورت پیدا ہو جائے گی۔

### تجدد پسندوں کی رائے میں ترقی اور جمود کا مفہوم

جہاں تک پہلے الزام کا تعلق ہے اس کی حقیقت صرف یہ ہے کہ یورپ زدہ مسلمانوں کی جو اپنی متاع دین کو فرنگی تقلید پر قربان کر چکے تھے، یہ قدرتی خواہش ہوئی کہ اسلام میں لچک کے



دباجہ عائلی قوانین پر اختلافی نوٹ  
عنوان سے دین کی وہ تمام اقدار تبدیل کر دی جائیں جو فرنگی معاشرہ حیات سے میل نہیں کھاتیں تاکہ یورپ کی زندگی عین اسلام قرار پائے۔

خس و خاشاک کی طرح ہر دور میں بہہ جانے والا یہ گروہ یورپ کی زندگی سے متاثر ہوا اور اسلام سے بیزار اس گروہ کے کچھ لوگ تو علی الاعلان اسلام کو چھوڑ ہی بیٹھے اور کچھ لوگ یہ جرأت تو نہ کر سکے مگر دل و دماغ مغربی رہا اور اسلام میں رہ کر اسلام کی صورت مسخ کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

### اسلام ابن الوقت نہیں بلکہ ابو الوقت ہے

گویا ان کے ذہنوں میں اسلام ایک "ابن الوقت" ہے جو اقتدار میں آنے والے نظریے ہائے حیات کے ساتھ ساتھ اپنے حقائق اور اپنی قدریں بدلتا رہتا ہے اور مذہب کی ترقی دراصل اسی "ابن الوقتی" کا نام رکھا گیا ہے، حالانکہ اسلام ابن الوقت نہیں ہے بلکہ "ابو الوقت" ہے جو زمانے کے رخ کو تبدیل کرتا ہے اور تہذیب و تمدن کی قدریں خود قائم کرتا ہے، وہ نہ کسی کی تقلید کرتا ہے اور اس میں نہ کسی قوم کی تہذیب و تمدن کا پیوند لگا سکتا ہے۔ تہجد و پسندوں کی اس جماعت کو جب اللہ کے ابدی دین کے مسخ کرنے میں ناکامی ہوئی تو ترقی کے مسدود ہو جانے اور اسلام میں جمود پیدا ہو جانے کا الزام لگانا شروع کر دیا، اگر ترقی و حرکت اس قسم کی تبدیلی کا نام ہے تو بے شک اسلام غیر حرکتی اور ترقی ناپذیر مذہب ہے۔

آں چہ فخرت آں عجب من است  
اسلام کی ترقی کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ یہ درخت اپنی اصل پر قائم رہ کر پھلے پھولے اور برگ و بار لائے نہ یہ کہ اس کی شاخوں سے لے کر جڑوں تک دوسرے مذاہب اور تہذیبوں کی پیوندی قلمیں لگا کر سرے سے اس کی صورت ہی کو مسخ کر دیا جائے بلکہ درخت کی اصلیت ہی باقی نہ رہے۔

### دوسرے الزام کا حاصل اور اس کا جواب

دوسرے الزام کا حاصل یہ ہے کہ مغربی تعلیم نے جب دین اور حاملین دین کا احترام دلوں سے مٹا دیا تو ان کو حسن بصری، غزالی، رازی حتیٰ کے خلفائے راشدین اور پیغمبر اسلام کی پیروی کرنے میں بھی عار محسوس ہونے لگی، اور یورپ کے مصنفین کی لکھی ہوئی تواریخ اسلام پڑھ کر اسلام کی ان تمام شخصیتوں پر مغربی جذبات کی ترویجی کرتے ہوئے اس طرح گھناؤنی تنقیدیں کیں کہ کسی طرح مسلمانوں میں یہ شخصیتیں قابل تقلید نہ رہیں، اور علماء اسلام کو مجروح کرنے کا

دباجہ عائلی قوانین پر اختلافی نوٹ  
مقصد وحید یہ تھا کہ اب علماء سے صرف نظر کر کے ان تہجد پسندوں کو غزالی و رازی کی جگہ نصیب ہو جائے جو اسلام کی قدروں کو یورپ کے نظام زندگی میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں، مگر مسلمانوں میں اتنا شعور دینی اور احساس مذہبی موجود تھا اور ہے کہ انہوں نے ان تمام تخریبی پروپیگنڈہ کے باوجود دینی رہنمائی انہیں سے حاصل کی جو ماہرین علوم شریعت اور جو باعمل و متقی عالم تھے اور یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ دنیا کے تمام فنی مسائل میں ماہرین فنی ہی سے رجوع کیا جاتا ہے، اور یہ حق نسلی و قبیلہ جاتی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ عقل کی بنیاد پر ہے۔

فرنگی اور مغرب زدہ مسٹروں کے غیر فنی اجتہاد اور افکار کو جب قوم نے قابل التفات اور درخور اعتنا نہیں سمجھا تو انہوں نے علماء کے خلاف یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ علماء نے اسلام میں برہمنیت، پاپائیت پیدا کر دی ہے کہ دین میں صرف انہیں کی رائے معتبر ہو اور کسی کو دخل دینے کی اجازت نہ ہو، حالانکہ تعبیر و کتاب و سنت کے نقل کرنے کا حق علماء کو کسی نسلی امتیاز پر نہیں ہے کیونکہ علماء کسی قبیلہ یا نسل کا نام نہیں ہے، بلکہ ہر وہ شخص عالم ہے جس نے علوم دینیہ کی تحصیل میں عمر کا ایک معتد بہ حصہ صرف کر کے علمی مہارت حاصل کی ہو، یہ استحقاق محض علم و تجربہ کی بنیاد پر ہے، بالکل اسی طرح جیسے تعزیرات ملکی کی دفعات کے جٹلانے اور تشریح کرنے کا حق صرف وکیل اور بیرسٹر کو ملا ہوا ہے، ظاہر ہے کہ وکیل کوئی قبیلہ نہیں ہے بلکہ اس نے علم قانون حاصل کیا ہے، نسخہ لکھنے اور علاج کرنے کا حق صرف ڈاکٹر کو حاصل ہے اور جو شخص علم قانون حاصل کرے وہ بیرسٹر اور وکیل ہے، اسی طرح جو شخص بھی علم دین اور علم شریعت حاصل کر لے وہ عالم دین ہے، خواہ وہ کسی قبیلہ اور کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو، یہاں تک کہ مولانا عبید اللہ سندھی جو نسلاً سکھ تھے، پہلے مسلمان ہوئے پھر انہوں نے علم دین حاصل کیا اور اس سرزمین کے ایک مشہور عالم ہوئے، اگر ہمارے دباجہ نگار بھی علم دین کی تحصیل میں عمر کا ایک حصہ صرف کرتے تو وہ خود بھی اس امر کے حقدار ہوتے لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ جہلا اور غیر ماہرین شریعت کے اجتہاد کو اسلام میں ٹھونسا چاہتے ہیں اور مقصد ہے اللہ کے دین کو تبدیل کرنا۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

دنیا میں اس سے زیادہ ظلم کی اور کیا بات ہوگی کہ جنہوں نے عمر بھر قرآن کی مہارت کا ایک لفظ بھی نہیں پڑھا، جو عربیت کے نام سے بھی نا آشنا ہیں اور پھر عربیت کے علاوہ قرآن نہی کے لیے جتنے علم کی ضرورت ہے اس سے بھی نا بلند ہیں، مگر رازی و غزالی، ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے

اجتہاد کو قطعاً ٹھہرا کر اپنے اجتہاد کو منوانا چاہتے ہیں، گویا دونوں التزاموں کا ماحصل یہ ہے کہ فرنگی طبقہ کی طرف سے تبدیل دین کی تمام تنہاؤں کا جو خون علماء کی بدولت ہوا یہ التزام صرف اس کا انتقام ہے۔ اسلام میں نہ جمود پیدا ہوا اور نہ برہمنیت و پاپائیت قائم ہوئی۔ دنیا میں آج تک کوئی ایسا جزئی واقعہ پیش نہیں آیا جس کو شریعت یا ماہرین شریعت نے اس لیے حکم لگانے سے گریز کیا ہو کہ ابھی اسلام نے یہاں تک ترقی نہیں کی ہے، جہاں تک ترقی کر کے حالات کا ظہور ہونے لگا ہے، خواہ وہ کسان و زمیندار کے مراسم ہوں اور یا سرمایہ دار اور مزدور کے تعلقات۔ گزشتہ تین صدیوں میں انحطاط کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ اسلام آپ کے دست تصرف میں نہیں آیا بلکہ انگریزی اور انگریزوں کی مدد سے جس قدر تصرف آپ نے اسلام میں کیا ہے اور قبضہ کرنے کے لیے جو کچھ کر رہے ہیں وہ ہی اسلام کی راہ میں اصل رخنہ ہے اور اس نے دین کی حقیقی روح سے مسلمانوں کو محروم کر دیا ہے۔ پیدا شدہ واقعات کی بولگھونڈوں میں اسلام نہ محض تماشائی ہے اور نہ مقلد بلکہ اسلام خود اپنی جگہ ایک حکم کی حیثیت رکھتا ہے، جس کی اپنی امتیازی خصوصیت ہے۔ دبیاچہ نگار اسلام کو حالات کی سواری بنا دینا چاہتے ہیں جو اسلام دشمنی کی بدترین مثال ہے۔

حدیث بے خبراں ہے تو ہا زمانہ بساز

زمانہ ہا تو نہ سازد تو ہا زمانہ ستیز

دبیاچہ میں ایک عنوان قائم کیا گیا ہے کہ ”اسلام ایک ترقیاتی مذہب ہے۔“

گزشتہ طور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ احکام اسلام ابدی ہیں، لایزال ہیں۔ دنیا خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے، ہر دور اور ہر زمانے کے لیے اپنی موجودہ شکل میں رہبری کے لیے کافی ہیں، اور آسمانی مذاہب میں اسلام خود ایک ترقی یافتہ صورت میں معیاری دین ہے، معیار کے مطابق حالات کو بنایا جاتا ہے اور حالات کی وجہ سے معیار کو بدلنا احساس کمتری ہے باقی عدل و انصاف آفاقی علم، عالم گیر تحریک، انسانی تعلقات اور نصب العین ہر گونہ نشو و نما وغیرہ کو جو اس کے بنیادی اصولوں کے طور پر پیش کیا گیا ہے وہ ایسے عمومی ہیں کہ ہر مذہب یہی دعویٰ کر سکتا ہے۔ اسلام کی ہمہ گیری اور روح و جسم دین و دنیا سب پر حاوی ہونے کے حق میں قرآن پاک کی یہ آیت پیش کی گئی ہے ”وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ“ (سورہ رعد) حالانکہ یہ آیت حقوق قرابت داری سے متعلق ہے۔ اصل مقصد کے لیے اور آیات موجود ہیں لیکن اس حوالے سے کمیشن کا علم قرآن اور تفسیر آیات کی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

## پاکستان کی تخلیق

مملکت پاکستان اپنے مقصد اور منشاء کے اعتبار سے دراصل سرسید مرحوم کے وجود سے بھی بہت پہلے اس تحریک کا نتیجہ اور ثمرہ ہے جو ہندوستان میں اسلامی حکومت کے زوال کے بعد مسلمانان ہند میں پیدا ہوئی، اس تحریک کے اول رہنما حضرت سید احمد شہید ہیں جنہوں نے ہندوستان میں غیر اسلامی اقتدار کے خلاف جہاد کیا اور ہالاکوٹ کی پہاڑیوں میں لڑتے لڑتے شہید ہوئے۔ سرسید انگریزوں کے تسلط کے قائم کرنے والے لوگوں میں سے صف اول کے آدمی ہیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا محمد قاسم اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے سید احمد شہید کی تحریک میں جانشینی کی اور انگریزی اقتدار کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ ہندو قوم نے جب اس جدوجہد میں رخنہ اندازی کی اور انگریز سے آزادی کے بعد مسلمانوں کو غلام بنانے کے خواب دیکھنے شروع کئے تو علامہ اقبال مرحوم نے نظری طور پر مسلمانوں کے اسلامی محاذ کا تصور پیش کیا اور اس کے بعد قائد اعظم مرحوم نے بھی مسلم قوم کے الگ سیاسی پلیٹ فارم پر آکر اسلامی مملکت کی جدوجہد کی اور مذہبی طبقہ میں سے ہندوستان کے دو جلیل القدر علماء مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے اس تحریک کی پشت پناہی اختیار کی تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی غلامی سے بھی بچالیا اور ایک آزاد اسلامی ملک وجود میں آگیا۔

اس ملک کی وہ حقیقی غرض و غایت کہ جس کی خاطر اقلیت کے علاقہ کے مسلمانوں نے بھی یہ جانتے ہوئے پاکستان کی تائید کی کہ پاکستان کی حد ہمارے علاقہ میں نہ ہوگی، صرف یہ تھی کہ دور غلامی اور اجنبی اقتدار میں ہم اسلام کی پوری زندگی کو نہ قائم کر سکتے ہیں اور نہ عمل پیرا ہو سکتے ہیں بلکہ ایک آزاد اسلامی ملک میں ہم قرآن و سنت کے عین مطابق ساڑھے تیرہ سو سال پہلے کی بابرکت زندگی گزار سکیں گے، سو الحمد للہ قرارداد مقاصد اور اسلامی دستور پاکستان نے اس غرض و غایت کی نیورکھ دی اور اب اسلام کی یہ کتوں سے بہرہ مند ہونے کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیمی، اقتصادی، معاشرتی حتیٰ کہ ازدواجی نظاموں کی اس طرح تائیس کی جائے کہ قرآن و سنت کے احکام کی بجا آوری کی ذمہ داری پوری ہو سکے۔ دبیاچہ نگار کی رائے میں پاکستان اس لیے وجود میں آیا ہے کہ اب کمیشنوں کے ذریعہ تبدیل اسلام کی وہ دیرینہ آرزو پوری کر سکیں جو انگریزوں نے پیدا کی تھی، یہ نہ صحیح ہے اور نہ اس وقت تک ممکن ہے جب تک مسلم قوم

کے جسموں میں خون کا آخری قطرہ موجود ہے جس قوم نے قیام دین کی تمنا میں تخلیق پاکستان کے وقت جانوں کی قربانیوں سے دریغ نہیں کیا، کیا وہ وہ دین کی تبدیلی اور تحریف پر اس سے زیادہ بلند قربانی نہیں دے سکتے؟

حذر اے چہرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تحریریں

دیباچہ میں کہا گیا ہے کہ ”کمیشن اپنے دائرہ عمل کے مطابق اسلام کے بنیادی اصولوں سے باہر چاہی نہیں سکتا اور نہ اس کا کوئی ایسا ارادہ ہے“ لیکن جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا ہے کہ کمیشن اس ادعا کے باوجود مقررہ حدود سے تجاوز کر گیا ہے، اور اس نے موجودہ قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کے بجائے اسلام کو اپنے خیالات کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔

اگر ان کے بقول اسلام میں بہت کچھ رد و بدل ہو گیا ہے اور اسے پھر قرآن و سنت کی اصلی روح کے مطابق کرنے کی ضرورت ہے یا یہ کہ وہ اجتہاد کے اصول کو تسلیم کرتے ہیں تو بالکل بجائے درست سہی مگر اس سے یہ نتیجہ کہاں نکلتا ہے کہ خود ہی کمیشن بھی مجتہدین کو اسلام کی قطع و برید شروع کر دے۔ آخر ایسا حق اس کمیشن کو کس حیثیت سے حاصل ہوتا ہے؟

شریعت اسلامیہ کے چاروں ماخذ کا مفہوم

دیباچہ نگار نے شریعت اسلامیہ کے چار ماخذ کا اعتراف کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ”کمیشن کی سفارشات چاروں میں سے کسی نہ کسی کے تحت ضروری ہوں گی مگر چار ماخذ سے استدلال کرنے کے لیے صرف یہ کافی نہیں ہے بلکہ چاروں میں ایک قسم کی ترتیب ضروری ہے اور ان چاروں کا ماخذ ہونا قرآن و سنت سے ثابت ہے۔

1۔ قرآن، 2۔ سنت، 3۔ اجماع، 4۔ قیاس،

یعنی نمبر 2 سے اسی انداز کا استدلال ہو سکے گا جو کسی قطعی اور صریح حکم (ظاہر و باطن) کے خلاف نہ ہو اور حدیث کا خلاف قرآن ہونا فقہاء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس میں ہر شخص کی رائے معتبر نہیں۔ حدیث مشہور و محتوٰتر سے نص مفہوم متعین کرنا درست ہے۔

نمبر 3۔ اس وقت معتبر ماخذ ہوگا۔ جب اس کے لیے قرآن یا حدیث سے کوئی سند موجود ہو۔

نمبر 4۔ بھی اسی وقت قابل اعتبار ماخذ ہوگا جب کہ اپنے تئیں مذکورۃ الصد کے خلاف نہ

ہو، گویا نمبر 4 اول کے تئیں کے موافق ہوگا اور نمبر 3 اپنے دونوں اوپر کے درجوں کے موافق ہوگا اور نمبر 2 نمبر 1 کے موافق۔ پس قیاس خلاف اجماع کے نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی مسئلہ پر حقد میں کا

اجماع ہو چکا ہے۔ متاخرین کو اس کے خلاف قیاس کا حق نہیں۔ دیباچہ نگار نے احسان کو نہ معلوم کیا سمجھا ہے، غالباً وہ اس کا مطلب یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ جو چیز عام طور سے مستحسن سمجھی جائے اس کو جائز قرار دیا جائے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ احسان بھی قیاس کی ایک قسم ہے جس کے لیے کسی نص سے موبہ ہونا ضروری ہے، جس طرح قیاس ذاتی رائے کا نام نہیں بلکہ کتاب و سنت کی دلیل سے جزئیات مسائل سمجھنے کا نام ہے اسی طرح احسان بھی قیاس کی ایک قسم ہے۔ جس کو ”قیاس خفی“ کہا جاتا ہے۔

بہر حال یہ کمیشن کوئی حیثیت نہیں رکھتا کہ وہ ان بنیادی اصولوں کے مطابق بھی کسی قسم کا قیاس یا اجتہاد کر سکے، زیادہ سے زیادہ وہ اجتہاد کی ضرورت بنا کر سفارش کر سکتا تھا نہ کہ خود اجتہاد کی مسند پر بیٹھ جائے۔

دیباچہ میں از روئے قرآن پاک مذہب کی تعریف یہ کی گئی ہے ”فطرت کے ایسے قوانین اور زندگی کے ایسے بنیادی اصولوں کا اعتقاد جو تبدیل نہیں ہوتے“ پھر کہا گیا ہے کہ ”لوح محفوظ سے انہی کی ابدیت مراد ہے اور وہ حکمت ہیں“ اور تو حکمت و مشابہات کے فرق کا کوئی معیار نہیں بتایا گیا اور اگر یہ فرق کیا بھی جائے تو کیا صرف حکمت لوح محفوظ میں ہیں اور مشابہات نہیں ہیں، یہ قرآن کی حیثیت پر ایک زبردست حملہ ہے۔

اسی طرح دین اور شریعت کو ایک کہا گیا ہے اور فقہ کو اس سے الگ، فقہ اور شریعت الگ سہی لیکن دین اور شریعت کو کس لحاظ سے ایک کہا گیا ہے۔

غرضیکہ کس کس بات کو لیا جائے، یہ تمام دیباچہ انتشار خیالات، تضاد بیان، غلط فہمی اور دیدہ دلیری کا ایک عجیب و غریب مرقع ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس میں کمیشن کے دائرہ عمل کی حدود سے بالکل تجاوز کیا گیا ہے۔ لہذا یہ دیباچہ اس قائل ہی نہ تھا کہ سرکاری رپورٹ میں شامل کیا جاتا اور اب بھی یا تو اس کو سرکاری طور پر رپورٹ سے خارج کر دیا جائے یا پھر اس پر میری یہ تنقید ساتھ شائع کی جائے تاکہ اس دیباچہ کو کمیشن کی متفرد رائے سمجھنے کی غلط فہمی پیدا نہ ہونے پائے۔



## سوال بند (از عالمی کمیشن)

کمیشن نے جو سوال بند مرتب کیا تھا اب ہم اس کے مختلف سوالات کے سلسلہ میں اپنے آراء پیش کرتے ہیں۔ یہ امر واضح کرنا ضروری ہے کہ کمیشن نے جو فیصلے قلمبند کئے ہیں وہ اتفاق آراء سے ہوئے ہیں ماسوائے تین یا چار نکات کے جن کے باب میں مولانا احتشام الحق صاحب نے اختلاف کیا ہے اور دوسرے اراکین کی رائے تسلیم نہیں کی ہے۔

مولانا موصوف کی رائے جو ان کے اختلافی نوٹ میں موجود ہے اس رپورٹ میں شامل کی جاتی ہے۔ اراکین کمیشن کی رائے یہ تھی کہ مولانا موصوف کا نوٹ اس رپورٹ میں اصلاً شامل کر لیا جائے کیونکہ اس سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ مولانا صاحب کی رائے خود ان کے الفاظ میں کیا ہے۔ اگر اس نوٹ کا جو اردو میں ہے انگریزی میں ترجمہ کیا جاتا تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ اختلافی نوٹ کا جو بنیادی تصور ہے وہ انگریزی ترجمے میں شاید پوری طرح واضح نہیں ہوا ہے۔

عنایت الرحمن (ڈھاکہ) نے کمیشن کی ایک نشست میں بھی شرکت نہیں کی اس لئے رپورٹ ہذا میں جو بھی سفارشات و آراء ظاہر کی گئی ہیں ان کی بابت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ان کے حق میں ہیں یا اختلاف رکھتے ہیں (19)۔

سوالات نمبر 1، 2، 9 کی سرکاری تجاویز۔ نکاح صرف سرکاری

نکاح خواہ پڑھائیں اور نکاح کی رجسٹری ضروری ہے

سوالات نمبر 1، 2 اور 9 چونکہ ایک ہی نوعیت کے ہیں اس لئے ان کا مذکور یہاں یکجا کی طور پر کیا جاتا ہے۔ حوالہ کی سہولت کے لئے ان سوالات کو یہاں مکرر درج کیا جاتا ہے۔

(1) کیا نکاح صرف سرکاری طور پر مقرر شدہ نکاح خواہ پڑھایا کریں؟

(2) کیا نکاحوں کی رجسٹری کرانے کو جبر یہ قرار دیا جائے، اگر دیا جائے تو اس کے لئے کیا طریقہ عمل اختیار کیا جائے؟ اگر رجسٹری نہ کرائی جائے تو کیا اس کے لئے کوئی سزا مقرر کی جائے؟ اگر کی جائے تو کس کو سزا دی جائے؟

(9) کیا نکاح کی رسم ادا کرنے کے لئے ایک معیاری ”نکاح نامہ“ مقرر کیا جائے اور اس کی تکمیل کو نکاح کے وقت جبر یہ لازمی قرار دیا جائے؟

تجویز: جن لوگوں نے ہمارے سوال بند کا جواب دیا ہے ان میں سے بیشتر لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ سرکاری طور پر مقرر شدہ نکاح خواہوں کا ادارہ بہت سی خرابیوں کا موجب بنے گا اور پبلک کو بہت الجھن و پریشانی لاحق رہے گی، علاوہ ازیں دیہی علاقوں میں اس پر عملدرآمد بھی محال ہے۔ بعض فاضل علماء نے یہ رائے بھی ظاہر کی ہے کہ جس مخصوص طبقہ کے فریقین نکاح ہوں اسی طبقہ کے نکاح خواہ بھی ہونے چاہئیں۔ ہم ترقی و اصلاح کی جس منزل میں آج کل ہیں اسے دیکھتے ہوئے ان اعتراضات میں کافی وزن معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر صرف مغربی پاکستان کو لیں تو مثلاً 25 مربع میل کے ایک ایک حلقے کا حساب کرنے سے کوئی 12,000 نکاح خواہوں کی ضرورت ہوگی۔ یعنی 25 مربع میل کے ایک حلقے کے لئے ایک نکاح خواہ اور پھر بھی یہ ہوگا کہ بعض لوگوں کو 6 میل کے فاصلے سے نکاح خواہ بلوانا پڑے گا۔ اس وسیع و عریض ادارہ و نظام کو چلانے اور نگرانی کرنے کے لئے جو مشینری بنائی جائے گی اس کی بدولت حکومت پر ناقابل برداشت بوجھ پڑ جائے گا۔ لیکن اگر نکاح کی رجسٹری کو لازمی قرار دے دیا جائے اور ایک معیاری نکاح نامہ تجویز کر دیا جائے تو پھر اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

نکاح کی رجسٹری کو جبر یہ قرار دیا جانا چاہیے کیونکہ نکاح کے عدم وجود اور جائز ہونے کے مسئلہ پر اکثر مدعیان کے مابین فوجداری و دیوانی عدالتوں میں مقدمہ بازیاں ہوتی رہتی ہیں اور یہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک ہی عورت کے دو دعویدار شوہر نکل پڑتے ہیں اور اصل معاملہ یہ ہوتا ہے کہ تعزیرات ہند کی دفعہ 498 (انگو) سے بچنے کے لئے دونوں نکاح کے دعویدار ہو جاتے ہیں، پھر وراثت کے معاملات میں بھی مشکلات پیدا ہوتی ہیں، اکثر یہ ہوتا ہے کہ ورثہ کی مالیت بہت بڑی ہو تو دعویدار مدعا علیہان کو ولد الحرام قرار دینے کی کوشش کرتا ہے اور دستاویزی ثبوت کی عدم موجودگی میں فیصلہ واقعی بڑا مشکل ہوتا ہے۔

نان نفقہ کے دعوؤں میں زیادہ تر بانی شہادتیں گردانی جاتی ہیں اور یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ جو عورت گذارہ طلب کر رہی ہے وہ قانونی طور پر شخص مذکور کے نکاح میں نہیں آئی ہے بلکہ اس کی بے نکاحی عورت یا داشتہ ہے۔ پس اگر ایک معیاری نکاح نامہ مقرر کر دیا جائے تو نکاحوں کی رجسٹری میں بڑی سہولت ہو جائے گی (20)۔

ہماری تجویز ہے کہ حکومت ایک نکاح نامہ طبع کرائے جس کی تین کاپیاں ہوں اور یہ کاپیاں ہر ڈاکخانہ میں آٹھ آنے کی برائے نام قیمت پر دستیاب ہوا کریں۔ اب نکاح کے موقع پر اس نکاح

نامہ کی خانہ پری کی جائے اور ایک کاپی دولہا کو، دوسری کاپی دلہن کے والدین یا سرپرست کو حوالہ کی جائے اور تیسری کاپی اس تحصیل کے تحصیلدار کو جہاں پر نکاح کے فریقین رہتے ہیں رجسٹر ڈاک (رسیدی) روانہ کی جائے۔

تحصیل دار کو اپنے پاس ایک رجسٹر رکھنا چاہیے جس میں تمام نکاح ناموں یا شوکیٹ ہائے نکاح کے اندراجات کی نقل کی جائے۔ تحصیل دار کو نکاح نامہ بذریعہ رجسٹری ڈاک روانہ کرنے کا فرض نکاح خواں کے ذمہ قرار دیا جائے۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے خلاف فوجداری کا مقدمہ قائم کر کے 500 روپے کی حد تک جرمانہ عائد کیا جائے۔ اس قسم کا ضابطہ ”پاری میرج ایکٹ“ میں پایا بھی جاتا ہے۔ (ڈیوٹ 9 از مرقدہ) اور غالباً حکومت نے نکاح کو کتابت سے مشروط نہ کیا تھا بلکہ حکومت کے افراد پر اس کا اندراج لازم کیا گیا تھا۔ مسلمانوں کی تاریخ میں بھی اس قسم کے ضابطہ کی موجودگی کی نظیریں ملتی ہیں اور بعض مسلم ممالک میں یہ اصلاح کوئی چالیس برس سے رائج بھی ہو چکی ہے۔ مثلاً الخیر یا میں قانون یہ ہے کہ شادی کی دستاویز لازم مرتب ہونا چاہیے گو (بہ ظاہر) نکاح کوئی بھی شخص پڑھا سکتا ہے، خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے عہد میں تمام مسلمانوں اور ذمیوں کے لئے یہ لازم قرار دیا تھا کہ نکاحوں کی لکھا پڑھی کرایا کریں۔ (ملاحظہ ہو جسٹس سید امیر علی کی کتاب ”محذن لاء“ جلد دوم، صفحہ 307)

### سوالات نمبر 1، 2 اور 9 کی بابت نوٹ

اس سفارش کی بنیاد یہ قرآنی ہدایت ہے کہ جب کبھی کوئی لین دین زر کا معاملہ کرو تو مسلمانوں تم اسے تحریر میں لے آ کر (21)۔

اب دیکھئے کہ نکاح ایک عام کاروباری معاملہ زر سے کہیں زیادہ اہم معاہدہ ہے جو دو فریق کرتے ہیں اور اس میں مہر کا ذکر ہوتا ہے جسے ”دین مہر“ کہا جاتا ہے یعنی ایک قرض ہے جو شوہر کو ادا کرتا ہے ”اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰی اَخِيْطٍ مُّسْتَمٰی لَهَا كُتُبُوْهُ“ اس لئے اس کا تحریر کے احاطہ میں لانا از بس ضروری ہے۔

### سوالات نمبر 1، 2 اور 9 کی سرکاری تجاویز پر اختلافی نوٹ

جیسا کہ اختلافی نوٹ کی تمہید میں لکھا جا چکا ہے۔ یہ سوال نامہ غیر آئینی اور غیر اصولی طور پر اجلاس اول کی قرارداد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مرتب ہوا ہے، جس سے مجھے اصولاً اختلاف

ہے لیکن چونکہ کمیشن کی رپورٹ انہیں سوالات پر مرتب ہوئی ہے، اس لئے سوالات کی ترتیب سے بصورت جوابات اظہار رائے کیا جاتا ہے۔ سوالات نمبر 1، 2، 9 تقریباً ایک ہی نوعیت کے ہیں۔ اس لئے جوابات بھی یکجا لکھے جاتے ہیں۔

سوال نمبر ایک کی سرکاری تجویز غلط ہے کیونکہ نکاح خوانی پر یہ پابندی لگانا کہ سرکاری قاضی ہی نکاح پڑھائے درست نہ ہوگا، اس لئے کہ نکاح عبادت ہے اور ہر خاندان کی یہ قدرتی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس عبادت کو اپنے کسی مرشد، استاد یا کسی اور قابل احترام شخصیت سے ادا کرائے، اندراج نکاح کی آسان صورت یہ ہے کہ سرکاری طور پر ایک سادہ اور معیاری نکاح نامہ تیار کیا جائے جو پوسٹ آفس، اسٹیشنری اسٹور اور کتب فروشوں کے یہاں باسانی سستی قیمت پر میسر آسکے۔ نکاح کے ذمہ دار افراد اس نکاح نامہ کو پُر کر کے اور نکاح خواں کے دستخط کرا کے بستی کے کسی مقررہ دفتر میں پہنچا دے۔ اگر کوئی اندراج نہ کرائے تو میری رائے میں اس پر جرمانہ وغیرہ کی سزا نامناسب ہے۔ اس کو تباہی کا اتنا غمناک نہ کافی ہے کہ جب کسی قضیہ کے سلسلے میں عدالت میں آئے تو ثبوت نکاح میں اسے دشواری پیش آئے اور نکاح کو صحیح سمجھا جائے۔ شریعت نے لین دین میں کتابت کی تاکید اس واسطے نہیں کی کہ صحت بیع و شراء اس پر موقوف ہو، بلکہ محض احتیاط اور بھول چوک سے احتراز کے لئے ایسا کیا گیا ہے، ایسا ہی یہاں بھی ہونا چاہئے۔

نکاح نامہ کسی ماہر شریعت کے مشورہ سے مرتب کیا جائے، جو سادہ اور کل ہو۔ زیادہ پیچیدہ نکاح ناموں کی خانہ پری میں دیہات والوں کو بالخصوص بڑی مشکل ہوگی۔ میری رائے میں ”حیدر آباد کن“ کے محکمہ ”نقا“ کے مطبوعہ نکاح نامے جامع اور کافی ہیں۔

### سوال نمبر 3 کی سرکاری تجویز۔ (دستخط کریں یا نشان انگوٹھا)

سوال نمبر 3: یہ معلوم کرنے کے لئے کہ زوجین میں سے ہر ایک نے کسی دہاؤ کے بغیر اپنی رضامندی سے ایجاب و قبول کیا ہے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

تجوویز: پاکستان کے حالات کے پیش نظر یہ بات ممکن العمل نہیں دکھائی دیتی کہ ہر نکاح کے موقع پر کوئی سرکاری افسر یہ اطمینان کرنے کے لئے موجود ہو کہ فریقین نکاح نے ایک دوسرے سے نکاح کرنے کا فیصلہ برضا و رغبت خود کیا ہے، اور کسی طرح کا جبر و اثر نہیں ڈالا گیا ہے۔ خواتین کی بہت سی انجمنوں کی جانب سے اس باب میں جو تجاویز پیش کی گئی ہیں وہ ہمارے نزدیک قابل عمل نہیں ہیں، ہم نے سفارش کی ہے کہ ایک معیاری نکاح نامہ رائج کیا جائے اور اس میں یہ خانہ

بھی ہو کہ دولہا اور دلہن دونوں کی باہمی مرضی اس نکاح کے لئے پائی گئی۔

اگر فریقین نکاح خواندہ ہیں تو نکاح نامہ پر دستخط کریں، اگر ناخواندہ ہیں تو نشان انگوٹھا لگائیں۔ ان دستخطوں یا نشانات انگوٹھا کی نکاح خواہ اور نکاح کے دو گواہ تصدیق کریں۔ ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ یہ طریقہ بھی کچھ بہت زیادہ کافی نہیں ہو گا لیکن جوں جوں تعلیم پھیلے گی، دیہات تک کی عورتیں اپنے نکاح نامہ کے بالجبر و بلا مرضی و مشائے خود دستخط کرنے سے انکار کر دیں گی۔ (22)

### سوال نمبر ۳ کی سرکاری تجویز پر اختلافی نوٹ

نکاح ایک ایسا شرعی معاملہ ہے کہ زوجین کی رضا کے بدون یا بصورت ناہنجی ان کے ولی کی رضا کے بغیر منعقد نہیں ہوتا اور نہ ہی احساس کی کمی سے زمانہ میں ایسی نظیریں بھی ملتی ہیں کہ زوجین بالغ ہیں مگر بہ جبر و اکراہ بغیر رضامندی کے بلکہ بعض اوقات بصورت انکار بھی دونوں کو یکجا کر دیا جاتا ہے، جس میں علاوہ دینی مفاسد کے خود معاشرتی قہاجتیں بھی ہیں اور مجبور پر ظلم بھی اس کے انسداد کے لیے قانون سے زیادہ موثر اور کامیاب طریقہ دینی ذمہ داری کا احساس اور خوف آخرت ہے، اور قانون سے مکمل طور پر اس کا انسداد ممکن نہیں ہے، تاہم خواندہ لڑکے لڑکیوں کے دستخط اور ناخواندہ کا انگوٹھا حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے، لیکن جو نکاح پر جبر کر سکتا ہے وہ دستخط اور انگوٹھا لگانے پر بھی مجبور کر سکتا ہے۔ حاصل کچھ نہیں، اس لیے کہ بصورت اختلاف ہر صورت میں دو شاہدوں کی شہادت ہی معتبر ہوگی۔

### سوال نمبر 4-5 کی سرکاری تجویز۔ عمر نکاح متعین ہو

سوال نمبر 4: کیا آپ کے نزدیک کم سنی کی شادیوں کو روکنے کے لئے یہ قانون بنانا ضروری ہے کہ شادی کے وقت مرد کی عمر ۱۸ سال سے کم اور عورت کی ۱۶ سال سے کم نہ ہو؟ ورنہ اجازت نہ دی جائے۔

سوال نمبر 5: کیا آپ کے نزدیک نکاح کے لئے عموماً کا یہ تعین از روئے قرآن کریم یا از روئے حدیث صحیح ہے یا ممنوع؟

تجویز: مولانا احتشام الحق صاحب کے علاوہ باقی اراکین کمیشن کی رائے یہ ہے کہ نکاح کے وقت لڑکے کی عمر ۱۸ سال سے کم اور لڑکی کی عمر ۱۶ سال کے کم نہیں ہونی چاہیے، اور اس کے لئے قانون بنانا چاہیے تاکہ مغربی کی شادیوں کا انسداد کیا جاسکے۔ کمیشن کی رائے میں ایسی قانونی

پابندی بالکل مطلق قرآن و سنت ہوگی۔

### سوال نمبر 4 اور 5 کی بابت نوٹ

”حتی اذا بلغوا النکاح، فان آنستم منهم رشداً فادفعوا الیہم اموالہم“ (نساء نمبر ۶) جب بتائی بلوغ کے سن کو پہنچ جائیں تو ان کے اموال ان کے حوالہ کر دیئے جائیں، اگر تم پاد کہ انہیں ذہانت کا بھی کافی شعور حاصل ہو چکا ہے تو ان کے اموال ان کو دیدو۔

اور قرآن حکیم کی جو آیت دی گئی ہے اس سے واضح ہے کہ بتائی کو ان کے اموال سوچنے کی اس وقت ہدایت دی گئی ہے جب کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں اور ذہانت و شعور و تمیز کی ایک معین منزل تک وہ پہنچ چکے ہوں۔ مسئلہ نکاح کو بھی اس حکم قرآنی کی روشنی میں جانچنے کی ضرورت ہے۔

قرآن حکیم نے حکم دیا ہے کہ بتائی کو ان کے اموال اس وقت حوالہ کئے جائیں جب وہ بلوغ کو پہنچ چکے ہوں اور ذہانت و تمیز کی بھی ایک خاص منزل تک پہنچ چکے ہوں۔ نکاح کی بنیاد بھی اسی ہدایت پر رکھنی چاہیے کیونکہ زندگیوں کا معاملہ اموال کے سوچنے کے مقابلہ کہیں زیادہ اہم ہے۔ مغربی کی شادیوں کی بدولت کہیں ممانعت نہیں کی گئی تھی کیونکہ معاشرتی ترقی کے مراحل میں بعض منازل ایسی ہوتی ہیں کہ مغربی کی شادیاں نسبتاً زیادہ نقصان رساں نہ ہوں مگر اسلام کا قلعی منشا یہ تھا کہ انسانیت، معاشی منازل و مراحل کے ارتقا میں اعلیٰ ترین درجوں تک فائز ہو جائے۔ اس لئے اب یہ وقت آ گیا ہے کہ ابتدائے اسلام کا یہ رجحان کہ معاہدہ کنندہ فریقوں کو نہ صرف سن بلوغ کو پہنچا ہوا ہونا چاہیے بلکہ ان کے سن تمیز یعنی عقل و دانش اور سوجھ بوجھ کی بھی ایک خاص منزل آجانی چاہئے، یہ ایک ایسا اصول ہے جس کو زندگی کے تمام اہم معاملات میں دخل و کار فرما ہونا چاہیے اور اس پر عمل کرایا جانا چاہیے۔ یعنی قرآن حکیم کے بتائے ہوئے راستے پر اسی کے خطوط پر ہم آگے بڑھیں گے، یہ ٹھیک ہے کہ اسلام نے ماضی کی بعض رسوم کو برداشت کر لیا تھا مگر اس کا منشا یہ بھی نہیں تھا کہ ان رسوم پر ابد لآباد تک عمل ہوتا رہنا چاہئے (23)۔

قرآن حکیم نے اموال کے سپرد کرنے کے لئے نہ صرف بلوغ کو پیشگی شرط قرار دیا ہے بلکہ ذہانت، سوجھ بوجھ کی ترقی کی ایک خاص منزل کو بھی ایک لازمہ قرار دیا ہے۔ پس ہماری رائے میں مسئلہ نکاح کی بنیاد بھی اسی اصول پر ہونی چاہیے کیونکہ یہ اموال کے سپرد کرنے کے معاملہ سے کہیں بڑھ کر اہم معاملہ ہوتا ہے جس میں نکاح کرنے والی (دو) زندگیوں کا مستقبل مشملک و مربوط ہوتا ہے۔



اس کمیشن کی رائے میں قرآن حکیم یا کسی مستند حدیث کی رو سے نکاح کا تعین ممنوع نہیں ہے (24)۔

### سوال نمبر ۴ اور ۵ سرکاری تجویز پر اختلافی نوٹ

شریعت نے جو نکاح کے سلسلے میں کسی عمر کی قید نہیں لگائی، بلوغ یا غیر بلوغ کی پابندی عائد نہیں کی بلکہ جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے نکاح کیا تو حضرت عائشہ کی عمر چھ سات سال سے زائد نہ تھی اور صحابہ میں بھی یہ تعامل رہا بلکہ عقلاً بھی یہ پابندی غیر معقول ہے اس لیے کہ بعض اوقات ایسی صورتیں پیش آتی ہیں کہ آج کنوئیں بہتر لڑکا میسر ہے اور نکاح ممکن ہے، خصوصی حالات کی بنا پر شاید کل یہ صورت باقی نہ رہے، لڑکی کی بہبودی آج کے نکاح میں ہے، یا کوئی شخص مرض موت میں مبتلا ہے اور چھوٹی کسمن بچی کے سوا کوئی اور اولاد نہیں ہے، سوزندگی ہی میں ان کا نکاح پڑھا دینا بہتر ہے بہ نسبت اہل خاندان یا اہل محلہ کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے، اور بھی بعض مجبوریات ممکن ہیں، اس لیے بلوغ سے پہلے نکاح کو ممنوع قرار دینا طبقہ نسواں کی زندگی مفید خدمت ہے اور نہ شریعت اسلام میں اس کی گنجائش، البتہ بلا ضرورت کم سنی کی شادی کی رسم ہندوستان کے مسلمانوں میں ہندو قوم سے آئی ہے اور اس میں بھی بہت سے مقاصد ہیں، سوا اس کے انسداد کی تدابیر ضروری ہیں، باقی قانون کی پابندی مداخلت فی الدین اور مصالح نسواں کے لیے مضر ہے، اور اگر یہ ممانعت تسلیم کر لی جائے تو گویا ہم نے والدین کی وہ ولایت فی النکاح سلب کر لی جو ان کو اپنی اولاد کے حق میں حاصل تھی، اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنے کا حق ہم کو نہیں ہے۔ والدین کی ولایت کو چھین کر کوٹ کوولی بنادینا یا سرے سے ولایت ختم کر دینا اولاد کے حق میں ظلم عظیم ہے۔ باقی کسی کی شادیوں میں جو مقاصد ہیں ان کو ذہنی تربیت سے دور کیا جائے، جس طرح جنسی تقاضے کو افراط سے پورا کرنے میں بے حد معزیتیں ہیں مگر اس کی روک تھام قانونی حد تجویز کرنے سے نہیں ہو سکتی، بلکہ ذہنی تربیت سے ہی ہو سکتی ہے۔

رہا وہ نام نہاد اجتہاد جو اس بارے میں کمیشن نے فرمایا ہے، وہ غلط، گمراہ کن اور مضحکہ خیز ہے۔ قرآن کریم کی جو آیت نقل کی ہے اس میں تحریف کی گئی ہے ”حتی اذا بلغوا النکاح“ میں جس عمل کی حد بتلائی جا رہی ہے وہ مال کا حوالہ کرنا نہیں ہے، جیسا کہ مجتہدین کمیشن نے اس کا ترجمہ کیا ہے، بلکہ وہ عمل آزمائش کی آخری حد ہے جس کو بڑی ڈھنساں کے ساتھ آیت سے کاٹ کر نقل بھی نہیں کیا، پوری آیت یوں ہے ”وابتلووا البہائم حتی اذا بلغوا النکاح“ یعنی یتیم کے

اولیا کو حکم ہے کہ تم گاہے گاہے تھوڑی تھوڑی ذمہ داری کی عادت ڈالو، تربیت دو اور یہ عمل صرف بلوغ تک ہے ”فان آتستم منهم رشدا فادفعوا الہم اموالہم“ پس اگر بلوغ کے بعد تم کو ان کی ہوشیاری اور شعور کا اندازہ ہو جائے تو اب ان کے اموال ان کے حوالہ کر دو، گویا بلوغ حد ہے عمل آزمائش کی اور رشد جو بلوغ سے بھی بعد کی منزل ہے، وہ حد ہے حوالہ کرنے کی، اموال حوالہ کرنے نہ کرنے کا دار و مدار بلوغ کو نہیں قرار دیا گیا بلکہ ”سفاہت“ یعنی نابجھی اور ”رشد“ یعنی سمجھ بوجھ کو قرار دیا گیا ہے، اس سے پہلی آیت میں صراحت ہے ”ولا تاتوا السفہاء اموالکم“ آیت قرآنی کو تفسیر کے ساتھ نقل کیا گیا اس کا ترجمہ غلط کیا گیا، اور اس میں مضحکہ خیز قسم کا اجتہاد کیا گیا، حالانکہ یہ اجتہاد صراحۃً حدیث، عمل نبوی، تعامل صحابہ، اجماع اور قیاس سب کے خلاف ہے۔

پھر اس اجتہاد کی رو سے تو نکاح بھی رشد کی منزل سے پہلے ممنوع ہونا چاہئے، جیسا کہ مال کا حوالہ کرنا رشد سے پہلے ممنوع قرار دیا گیا، اور عورتوں کو بے وقوف بنانے کے لیے یہ جملہ بڑھا دیا گیا ہے کہ ”زندگی کا معاملہ مال سے زیادہ اہم ہے“ اور یہ فرق آپ نے نہیں دیکھا کہ مال کے معاملہ میں قصہ ہے یتیم کا جن کا سب سے زیادہ شفیق باپ اٹھ گیا ہے اور مال دوسروں کے قبضہ میں ہے، اور رہا کسمن بچوں کے نکاح کا معاملہ تو اس کی ولایت تو خود والدین کو ہے جن سے زیادہ ہمدرد اور شفیق ہستی دنیا میں نہ کوٹ ہو سکتی ہے اور نہ حاکم وقت، تو زندگی کا مال سے مقابلہ کرنا محض عورتوں کی ہمدردی حاصل کرنے کا فریب دہ جملہ ہے۔

اس دفعہ میں ایک دلیری بھی کی گئی ہے کہ میرے اتفاق کو بھی ظاہر کیا گیا ہے جو سرے سے بے بنیاد اور تحریف ہے۔ میرا نظریہ ہے کہ کم سنی اور بلوغ سے پہلے کے نکاح میں کوئی قانونی ممانعت مداخلت فی الدین ہے، البتہ مقاصد بے شک ہیں، سوا اس رسم کو اپنے معاشرہ میں سے مٹانے کی ضرورت ہے، مگر اور ذرائع سے قانون کے ذریعے سے ہرگز نہیں، جس کی ایک صورت آسان یہ ہے کہ والدین کے سوا کوئی دوسرا ولی کسی کسمن کی شادی کر دے تو اس کو بلوغ کے بعد خیار بلوغ ہوگا اور والدین کے کئے ہوئے نکاح میں لڑکی کو بلوغ کے بعد اعتراض ہو تو عدالت شوہر کو خلع یا طلاق پر مجبور کرے۔

رہا یہ سوال کہ متا کسین کی عمروں میں 16 اور 18 سال کی قانونی پابندی عائد کرنا ضروری ہے، سو یہ پہلے مسئلہ سے بالکل الگ مسئلہ ہے، اور یہ بالکل وہی مسئلہ ہے جو اب سے تقریباً

25 سال پہلے ہندوستان کی برطانوی اسمبلی میں شادراہل کے نام سے ایک بل کی صورت میں پیش ہوا تھا اور مسلمانوں کے شدید احتجاج پر یہ بل ناقابل نفاذ یا عملاً معطل ہو گیا تھا۔ کمیشن کے اراکین کی اس جسارت پر کہ دیدہ و دانستہ ایک شرعی اور اسلامی حکومت میں دوبارہ اس رد کردہ مسئلہ کو اٹھایا جس سے یہ اعزاز ہوتا ہے کہ اس وقت بھی اسلام دشمنی اور مسلم آزادی کے رویہ میں انہیں اراکینِ حق کے لوگوں کا ہاتھ ہوگا اور مسلمان اس کو ہندو و انگریز کی دشمنی سمجھتے رہے، نکاح میں قانونی طور پر عمر کے تعین کا مسئلہ خالص دین میں مداخلت اور موجب ہلاکت ہے، اصل بات یہ ہے کہ ان فرنگی جہتدین کے خیال میں نکاح ایک خالص خرید و فروخت کا معاملہ ہے جس کا تعلق جائین کی رضامندی سے ہے اور جائین جس طرح چاہیں اپنے معاملہ کو طے کر لیں، حالانکہ خود خرید و فروخت کے لیے بھی بہت سے شرعی احکام اور قوانین ہیں، جن کے بدوں خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہے، پھر نکاح کو محض ایک معاملہ سمجھنا بنیادی غلطی ہے، نکاح دراصل خالص عبادت ہے اور اس میں معاملہ کا پہلو نہایت مغلوب ہے۔

اور اس کی پہچان یہ ہے کہ جس معاملہ کے متعلق وجوب، استحباب اور ترغیب کے پہلو شریعت میں موجود ہوں وہ معاملہ محض امر مباح نہیں رہتا بلکہ وہ عبادت ہے چنانچہ نکاح کی اسلام میں یہی حیثیت ہے، قرآن کریم میں بھی ”وانکحوا الایامی“ کا حکم موجود ہے، پھر حدیث میں اس کو عبادت کہا گیا ہے، اور اس پر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے، اس لیے نکاح میں کسی عمر کی قانونی تعین مداخلت فی الدین ہے جو کبھی گوارا نہیں کی جاسکتی۔ سوالنامے کے جواب میں جن علماء نے اس کو مباح کہا ہے وہ غلطی پر ہیں، پھر علاوہ اس کے عورت کے بلوغ کی مدت مغربی پاکستان میں 13 یا 14 سال ہے اور مشرقی پاکستان میں مدت بلوغ 11 سال بلکہ اس سے بھی کچھ پہلے ہے تو بلوغ کے بعد بعض لڑکیوں اور لڑکوں کی جسامتیں و قوتیں قوی ہوتی ہیں، جذبات کا ابھار بھی اسی تناسب سے زیادہ ہوتا ہے تو کسی گھر میں اگر ایسے حالات رونما ہوں تو یا قانون کی بندش کی وجہ سے 16 سال کی عمر تک قانونی تقاضوں اور پیچیدگیوں کا تماشا دیکھتے رہیں اور یا دو تین سال تک ناجائز تعلقات کی اجازت دے کر والدین دیوبی کا ارتکاب کریں۔ کمیشن کی اس دفعہ کی سفارش پر انتہائی حیرت ہے کہ جو کام غیر مسلم اور اجنبی اقتدار میں نہ ہو سکا آج اسلامی حکومت میں وہ ہی خلاف دین قانون ان کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے، جن کو صرف مسلمان ہونے ہی کا نہیں بلکہ ماہر شریعت اور

جہتد ہونے کا بھی دعویٰ ہے، میری سفارش یہ ہے کہ یہ مداخلت فی الدین بھی ہے اور خریب اخلاق و فساد معاشرہ کی جڑ بھی، اس لیے نکاح میں تعین عمر کی کوئی قانونی پابندی جائز نہیں ہے۔

### سوالات نمبر 6-7 کی سرکاری تجویز (تفویض طلاق و فسخ نکاح)

سوال نمبر 6: کیا آپ اس سے متفق ہیں کہ معاہدہ ازدواج میں ہر ایسی شرط درج ہو سکتی ہے جو اسلام اور اخلاق کے بنیادی اصولوں کے خلاف نہ ہو اور عدالت اس کے ایفاء پر مجبور کرے؟

سوال نمبر 7: کیا آپ اس سے متفق ہیں کہ اگر روئے قانون یہ صحیح تسلیم کیا جائے کہ معاہدہ ازدواج میں یہ شرط درج ہو سکتی ہے کہ عورت کو بھی اعلان طلاق کا وہی حق حاصل ہوگا جو مرد کو حاصل ہے؟ یعنی عورت مرد کی طرح فسخ نکاح کا اعلان کر سکے۔

تجویز: اتفاق آراء اس پر ہے کہ مسلمانوں میں نکاح کا قانون ایک دیوانی معاہدہ کی سی کیفیت کا حامل ہے اور اگر کوئی چیز اسلام کے بنیادی احکام و اصول اور اخلاق کے منافی نہ ہو تو اسے نکاح نامہ میں بطریق شرط نکاح مندرج کیا جاسکتا ہے اور ایسی تمام شرائط کو عدالت مجاز کے ذریعہ قابل تعمیل قرار دیا جاسکتا ہے۔

### نوٹ بابت سوال نمبر 6

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگ جو بھی باہم معاہدے کرتے ہیں یا معاملات طے کرتے ہیں اور شرائط تسلیم کرتے ہیں، نکاح کی شرائط ان سب میں سب سے زیادہ تعمیل و تحیل کی مستحق و مستوجب ہیں۔ ”احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج“ (بخاری)

یعنی شرائط میں سب سے زیادہ مستحق و مستوجب تحیل و تعمیل وہ شروط ہیں جو نکاح کے اصل عمل سے متعلق ہوں (25)۔

### نوٹ بابت سوال نمبر 7

نکاح کے معاہدہ میں یا نکاح کے بعد کسی وقت اگر کوئی شوہر اپنی زوجہ کو حق اعلان طلاق دے دیتا ہے تو اسے اصطلاحاً ”تفویض“ کہتے ہیں اور تمام مسلمان فقہاء اس حق کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ ”تفویض“ کا یہ حق بیوی کو بعض شرائط کے تحت دیا جاتا ہے لیکن اگر کوئی شرط نہ لگائی جائے تو یہ حق غیر مشروط تسلیم کیا جاتا ہے۔ وفی ”طلاق نفسک منی مشتبہ لا یتقید بالمجلس“ (شرح وقایہ)

یعنی اگر کوئی شوہر شادی کے وقت یا نکاحی زندگی کے دوران کسی بھی وقت اپنی زوجہ سے یہ

کہے کہ تجھے یہ حق حاصل ہے کہ جب جی چاہے اپنے اوپر مجھ سے طلاق لے لے، تو پھر اس عورت کو یہ حق مطلقاً حاصل ہو جاتا ہے یعنی ساری عمر کے لئے (26)۔

کیشن اس بات کے حق میں ہے کہ مرد کی طرح عورت کو بھی یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ اعلان طلاق کر سکے اور اس کا یہ حق اگر معاہدہ نکاح میں بہ طریق شرط رکھا گیا ہو تو اسے آئینی طور پر جائز قرار دینے کے لئے قانون بننا چاہیے۔ مذعا یہ کہ حق تفویض ابتدائے اسلام ہی سے فقہاء کے نزدیک عورت کا ایک مسلمہ حق ہے، خواہ یہ حق تفویض مشروط ہو یا مطلق (27)۔

### سوال نمبر 8 اور دختران فروشی

**سوال نمبر 8:** ہمارے معاشرے کے بعض طبقوں میں دختر فروشی کا مکروہ رواج پایا جاتا ہے، اس کے انکسار کے لئے آپ کے نزدیک کس قسم کا اقدام مناسب ہوگا تاکہ والدین یا ولی لڑکی کو نکاح میں دیتے ہوئے رقیس وصول نہ کر سکیں؟

**تجویز:** لڑکیوں کو جو والدین یا سرپرست فروخت کر دیتے ہیں اُس کی ان تمام لوگوں نے جنہوں نے ہمارے سوال بند کے جواب دیئے ہیں مذمت کی ہے۔ بیشتر لوگوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس چیز کو قابل دست اندازی پولیس جرم قرار دیا جانا چاہیے اور جو والدین یا سرپرست اس جرم کے مرتکب ہوں انہیں سزائے قید دی جانی چاہیے جو 5 سال تک کی ہو سکتی ہو۔

کیشن نے یہ محسوس کیا ہے کہ لڑکیوں کی اس طرح فروخت کا ثبوت مہیا ہونا بے حد دشوار ہے، لیکن اگر اس قسم کے معاملہ کا ثبوت قطعی مہیا ہو جائے تو پھر اسے فوجداری کا جرم قرار دیا جانا چاہیے اور سخت سزا کا مستوجب۔ اکثر عدالتوں کے سامنے ایسے واقعات بھی آتے ہیں کہ والدین ایک ہی لڑکی کی شادی متعدد بار کرتے رہتے ہیں اور ہر شادی پر کافی معقول رقم وصول کر لیتے ہیں اور یکے بعد دیگرے لڑکی کی شادی کرتے رہتے ہیں۔ ایسی حالتوں میں والدین کو انتہائی سخت سزا ملنی چاہیے۔

### سوال نمبر ۶ اور سہ کی سرکاری تجویز پر اخلاقی نوٹ

**سوال نمبر 6:** پر اخلاقی نوٹ: نکاح جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے ایک عبادت ہے جس میں معاملہ کا پہلو بھی ہے، اس معاملہ کی بنیاد خالص محبت و رفاقت کے جذبات پر ہے۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے ایسے نازک تعلقات میں زیادہ پیش بندیاں مفید ہونے کی بجائے مضر ہو جاتی ہیں، اس لیے شرائط کے اندراج میں قطعاً کوئی شرعی قباحہ نہیں ہے، مگر شرائط کو کسی کی حوصلہ افزائی

نہیں ہونا چاہئے، کوئی شخص ذاتی طور پر شرائط لکھوانا چاہے تو انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے، دوسرے یہ کہ ایسی شرائط کا رواج نہ ہونا چاہئے جس سے جذبہ رفاقت کی کشش تو ختم ہو جائے اور صرف شرائط کی پابندی کی بنیاد پر خشک نباہ کی صورت رہ جائے، اس سے اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کا اندیشہ ہے اور جو شرائط بھی زوجین کے درمیان طے ہوں گی وہ عدالت کے ذریعہ اب بھی پوری ہوتی ہیں اور پوری ہونی چاہئیں۔ باقی نکاح میں اندارج شرائط کا معاملہ کسی قدر پیچیدہ ہے، ان کا اندراج کسی ماہر شریعت کے مشورہ سے ہونا چاہئے، ورنہ بعض صورتوں میں شرائط کا لہجہ ہو جاتی ہیں۔ ”الحیلة الناجزة“ میں کاہن نامہ کی ایک اچھی صورت ہے اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

**سوال نمبر 7:** کے انداز سوال دین اسلام سے ناواقفیت پر مبنی ہے، شریعت کی رو سے جس طرح انعقاد نکاح بدون رضامندی جائز نہیں ہوتا، اسی طرح جدائی میں بھی شریعت اسلامیہ نے دونوں افراد کو علیحدگی کا حق دیا ہے، مرد کی طرف سے جدائی کا نام طلاق ہے اور عورت کی طرف سے جدائی کا نام خلع ہے، جدائی کے نتیجے میں قدرتی طور پر یہ نسبت مرد کے عورتوں کو زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بلکہ عورتوں سے بھی زیادہ اولاد بلاوجہ متاثر ہوتی ہے، اس لیے عورتوں کی بہبود اور خاندان کی سلامتی کے پیش نظر ایک طرف مرد کی آزادی طلاق کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”ابھض الحلال عند الله الطلاق“ فرما کر اپنی بیزاری کے اظہار سے بھی کم کر دیا اور ادائیگی دین مہر اور نفقہ اولاد وغیرہ کی ذمہ داریوں سے گرانبار فرما دیا۔ دوسری طرف عورتوں کی علیحدگی کو مسلمان حاکم وقت کی عدالت سے مسترد کر کے مناسب روک تھام فرمائی۔ مقصد یہ ہے کہ جس حد تک نباہ ممکن ہو، شریعت نے خواہ مخواہ علیحدگی کو پسند نہیں کیا اور نہ ہی اس کے لیے کچھ زیادہ سہولتیں رکھی گئیں، لیکن نزاع کی ایک منزل ایسی بھی ممکن ہے جس میں جدائی ناگزیر ہے، سو اس کے لیے طلاق و خلع کے ضابطہ کو بھی برقرار رکھا گیا ہے۔

طلاق و خلع کا یہ قانون اس قدر حکیمانہ ہے کہ اس میں کیشن وغیرہ کے اجتہاد کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اب یہ سفارش کرنا کہ عورت کو آزادانہ علیحدگی کا حق دیا جائے، فطرت انسانی سے ناواقفیت اور عورتوں کے مستقبل کو تاریک بنانا ہے ”تفویض طلاق“ اگر بطور شرط کے نکاح کے وقت طے ہو جائے تو شرعاً مرد کا یہی حق طلاق عورت کو مل جائے گا لیکن قوانین کے منشاء کو خلاف فطرت تبدیل کرنا انتہائی مہلک اور تباہ کن ہو سکتا ہے، معاشرہ انسانی میں طلاقوں کی کثرت بھی موجب فساد ہے اور جدائی کا راستہ بند کر دینا بھی موجب تباہی، اس لیے اسلام نے بین بین راہ



اختیار کی ہے اور یہی خواتین کے لیے رحمت ہے، کمیشن کی سفارشات میں تقویض طلاق کو عورتوں کا مسلمہ حق قرار دیا گیا ہے، سو یہ حق نہیں ہے بلکہ مرد کی طرف سے اپنے حق کا عطیہ ہے۔

طلاق و طلع کے سلسلے کی ان تمام خرابیوں کی وجہ جو آج کل موجب تکلیف ہیں قانون کی نوعیت نہیں ہے بلکہ فرنگی طرز کا وہ کھوکھلا نظام عدلیہ ہے جس میں انصاف و بر طلب بھی ہے اور سرفراز بھی، ان خرابیوں کا واحد علاج جلد انصاف دینے والی اور سستی عدالتوں کا قیام ہے۔

### شوہر کی طرف سے طلاق

سوال نمبر ایک کی سرکاری تجویز۔ تین طلاقیں کو ایک قرار دینا

سوال نمبر 1: اگر کوئی شوہر بیک وقت تین طلاقیں دے تو کیا آپ کے نزدیک اسے قطعی طلاق مغفلہ شمار کیا جائے یا تین طہروں میں تین طلاقیں کے اعلان کے بغیر جیسا کہ قرآن میں ہدایت کی گئی ہے یہ مغفلہ شمار نہ ہو؟

تجوویز: اس ضمن میں جو باہمی مذاکرات ہوئے یہ بات ظاہر کی گئی کہ حضرت رسول خدا ﷺ کے عہد مبارک میں، نیز خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی چند سال تک یہ رواج رہا کہ ایک نشست میں تین طلاقیں کو ایک ہی طلاق تصور کیا جاتا تھا۔

کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک نشست میں دی جانے والی تین طلاقیں کو طلاق ہائے تسلیم کیا مگر جن لوگوں نے قرآن و سنت کو ایک بازویچہ اطفال بنا دیا تھا، ان کو ایسی طلاق دینے پر مستوجب سزا بھی گردانا۔ حضرت عمرؓ اس طلاق کو ہائے تسلیم کرتے تھے مگر جو لوگ بھی ایسا کرتے تھے انہیں سزا بھی دیتے تھے۔ نیز یہ بھی کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بعد میں اس اصلاح پر جو انہوں نے جاری کی تھی تاسف کا احساس و اظہار کیا کہ وہ قرآن و سنت کے ساتھ کاملاً تطبیق نہ رکھتی تھی اور اس طرح طلاق دے دینا ان لوگوں کے لئے جو ایسا کرنا چاہتے تھے بڑا آسان و سہل کر دیا تھا۔ اس موقع پر ڈاکٹر محمد سانی (Dr. Mehmassani) کی مشہور کتاب کا حوالہ موزوں ہوگا جو انہوں نے فقہ اسلامی کی تاریخ پر تالیف کی ہے۔ اس کتاب کا عربی سے اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے اور ”فلسفہ شریعت اسلام“ اس کا نام ہے۔ صفحہ ۷۷ پر حسب ذیل عبارت ملاحظہ طلب ہے۔

”جب شوہر اپنی بیوی کو ایک نشست میں تین بار طلاق دے دے تو رسول اللہ ﷺ، ابوبکر اور

عمر بن خطاب کے اوائل خلافت میں وہ ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھی اور اس وقت بھی یہی طریقہ رائج تھا، اور بعد میں اس پر اجماع ہو گیا تھا۔ باوجود اس کے کہ عمر بن خطاب نے ایسی طلاق کو طلاق ہائے تسلیم قرار دیا، گویا مرد کے گفتگو کے مطابق تین طلاقیں۔ وجہ یہ تھی کہ جب عمر بن خطاب نے دیکھا کہ لوگوں نے اس قسم کی طلاق کو ایک کھیل بنا لیا ہے اور ایسی طلاقیں بکثرت دی جانے لگی ہیں تو آپ نے انہیں سزا دینے اور اس بری عادت سے روکنے کی غرض سے یہ تہدیل کر دی۔“

عمر بن خطاب نے اپنے زمانہ کے حالات کے لحاظ سے جس رائے کو بہتر سمجھا تھا اسے بعض فقہانے اپنے زمانہ کے حالات کے اعتبار سے بہتر نہ سمجھا اور انہوں نے تفسیر احکام کے اصول کے مطابق سنت نبویؐ کی طرف رجوع کرنا مناسب خیال کیا۔ (دیکھو ”اعلام الموقعین“ جلد ۳، صفحہ ۳۳۲-۳۳۳ اور دیکھو قانون مصری نمبر ۲۵-۱۹۲۹ء)

معاصرین میں سے ایک بڑے فاضل فضیلت مآب شیخ احمد محمد شاہ نے اپنی کتاب ”نظام الاخلاق والاسلام“ مطبوعہ مصر ۱۳۵۳ھ نمبر ۹۰ میں لکھا ہے کہ عمرؓ کا یہ فعل ایک ہنگامی حکم کی حیثیت رکھتا ہے جو امام وقت (عمرؓ) نے بغیر درست سیاست دیا تھا۔ فاضل مذکور نے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ جو احکام قرآن یا سنت کی نص صریح سے ثابت ہیں انہیں نہ کسی کو تہدیل کرنے کا حق ہے اور نہ کوئی ان احکام کے علاوہ کسی دوسرے حکم کو اختیار کرنے کا مجاز ہے۔ خواہ ایک شخص ہو یا پوری جماعت (28)۔

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی کہ حضرت رسول خدا ﷺ کے زمانہ میں طلاق کے بارے میں قرآنی حکم پر جو طلاق احسن اور طلاق حسن کے مترادف ہے، سختی کے ساتھ عمل کیا جاتا تھا، یعنی ایک نشست میں تین طلاقیں کو صرف ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا۔

اسلام اعلیٰ زندگی میں مسرت و مسامحت کو کار فرما دیکھنا چاہتا ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ طلاق دینا آسان فعل نہ رہے اور اس کی روک تھام کی جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے جن چیزوں کو جائز قرار دیا ہے ان میں طلاق کو اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ بُرا گردانا گیا ہے۔

”ابغض الحلال عند الله الطلاق“

طلاق کے سلسلہ میں قرآن حکیم کا اصل حکم بڑا قریب دامن تھا تا کہ اگر ممکن ہو سکے تو طلاق کی نوبت کو آنے سے روک دیا جائے۔ یعنی یہ کہ پہلے دونوں فریقوں کے بھی خواہان کی مدد سے مصالحت کی کوشش کی جائے اور پھر مصالحت کے لئے ایک معقول وقفہ (تین ماہ کی مدت) دیا

جائے تاکہ دونوں میاں بیوی اہل زندگی کو خراب و برباد نہ ہونے دیں اور وہ تباہ نہ ہونے پائے۔ ایک نشست میں تین طلاقیں کو تمام فقہاء نے طلاق بدعت قرار دیا ہے۔ طلاق بدعت کا مطلب ہے نامرغوب نئی حرکت۔ اس اصطلاح ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غیر اسلامی فعل ہے۔ پاکستان کی ایک سیاسی و دینی جماعت کے لیڈر نے اپنے جواب میں فرمایا ہے کہ ”اگرچہ فقہاء نے ایسی طلاق کو آخری، جائز اور ناقابل تنسیخ طلاق تسلیم کیا ہے مگر فی الحال یہ غیر قرآنی ہے۔ یہ ایک گناہ ہے اور مستوجب سزا جرم ہے۔“

بہت سے دیگر علمائے دین نے ابتدائے اسلام سے لے کر موجودہ عہد تک یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ایک نشست میں تین طلاقیں کو صرف ایک طلاق شمار کیا جاتا ہے اور ایسی طلاق کو کسی طرح تنسیخ نکاح کے لئے مؤثر نہیں سمجھا جاتا۔ یہ لاپرواہی ہے کہ دو طہر اور گزریں اور ان میں سے ہر ایک طہر پر طلاق دی جائے۔ ضرورت ہے کہ اس رائے کو تسلیم کر کے قانونی دائرہ عمل میں لایا جائے۔

### نوٹ بابت سوال نمبر 1

ایک حدیث ہے کہ رکانہ ابن عہد یزید نے بیان کیا جو مسند احمد وغیرہ میں مروی ہے کہ اس نے ایک نشست میں تین طلاقیں دیں مگر رسول اللہ ﷺ نے اسے صرف ایک طلاق تسلیم کیا اور تنسیخ نکاح بہ طریق طلاق کے لئے اسے مؤثر نہیں گردانا۔ یعنی یہ کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے قابل تنسیخ طلاق قرار دیا۔ یعنی رجوع کیا جاسکتا ہے۔

بعض اکابر فقہاء جو اس حکم نبوی پر سختی کے ساتھ عمل کے حق میں ہیں یہ ہیں: عمر بن عوام، عبدالرحمن بن عوف، عکرمہ، طاؤس، محمد بن اسحاق، خلاس ابن عمرو، حارث حنکلی، داؤد ابن علی اور ان کے پیروں تبعین، نیز بعض مالکی، بعض حنفی اور بعض حنبلی مثلاً ابن تیمیہ اور ابن قیم نے ایسی طلاق کو قابل تنسیخ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہواعلام المؤمنین از ابن قیم، نسائی میں ایک اور حدیث مرقوم ہے اور محمود ابن لبید سے مروی ہے کہ ایک شوہر نے ایک نشست میں تین بار طلاق دی اور جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس شخص کو سخت تنبیہ کی اور فرمایا کہ ”کتاب اللہ کے احکام سے کھیلے ہو جبکہ میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں“ اہلبعب بکتاب اللہ وانا بین اظہر کم۔

(نسائی عن محمود بن لبید) (29)۔

ایک بڑی اصلاح ہے اور اگر اسے قانونی شکل دیدی گئی تو قرآن حکیم و سنت نبوی کے احکام کی پیروی ہوگی جس پر خلیفہ اول کا عمل بھی رہا۔ ابن قیم کے ذریعہ یہ بات مستند طور پر بیان کی گئی

ہے کہ حضرت عمر کو اس بات سے سخت تاسف تھا کہ ہنگامی حالات میں بھی انہوں نے کیوں اس کی اجازت دی تھی (30)۔

### شوہر کی طرف سے طلاق کے سوال نمبر ایک کی تجویز پر اختلافی نوٹ

طلاق شوہر کا یہ مسئلہ گوسوالات کی فہرست میں لکھا گیا ہے مگر سوال نامہ مرتب کرنے والے ممبران کمیشن نے انداز عبارت وہ قائم کیا ہے جس سے جواب کی جہت کی تلقین کی گئی ہے، اور یہ انتہائی خلاف انصاف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ پبلک کی رائے معلوم ہونے سے پہلے ہی یہ طے شدہ حقیقت تھی کہ ہم کو یہ سفارشات کرنی ہیں، رائے میں ایسی بے راہی اختیار کرنے والے افراد کسی سرکاری کمیشن میں ذمہ داری کے ساتھ کام کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے، بہر حال طلاق شوہر کے مسئلہ کی نوعیت مختلف وجوہ سے بہت زیادہ اہم ہے۔

اول یہ کہ جیسا کہ گزشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلام نے نہایت حکیمانہ انداز میں نہ جدائی کے راستے کو بالکل بند کیا ہے اور نہ جدائی کو بے لگام چھوڑا ہے، اس میں مزید ترمیم و تنسیخ معاشرہ میں تباہ کن نتائج پیدا کر سکتی ہے، اس لیے اس کی موجودہ اسلامی صورت ہی مردوں اور عورتوں کے لیے مفید ہے۔

دوسرے یہ کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے جہاں ہمارے دستور کی تصریحات کی بنا پر قرآن و سنت کے مطابق قانون بنے گا اور مسلمانوں کے مابین فروغی اختلافات کی بنیاد پر جو اسلامی فرقے ملک میں ہیں، ان کو ”پرسن لا“ کے مطابق عمل کرنے کی آزادی ناگزیر ہوگی، ورنہ خود لفظ اسلام ہی سے لگبلا تعداد والے طبقہ میں شکوک و شبہات پیدا ہوں گے، جو ہمارے ملک کے لیے اور مذہبی تعمیر کے لیے سخت معضرت رساں ہے، اس لیے اس مسئلہ میں مقلدین وائمہ مجتہدین کا مسلک اور ہے، غیر مقلدین کا مسلک اور ہے، اور شیعہ حضرات کا مسلک ان دونوں سے مختلف ہے، فرقہ وارانہ پرسن لا میں سب کے مسلک پر عمل کی گنجائش ہونی چاہئے، کمیشن کا کام فرقوں کے مسلمات امور میں حکم کی حیثیت سے حق و باطل کا فیصلہ کرنا اور حکومت کو مشکلات میں مبتلا کرنا نہیں ہے، بلکہ شرعی تقاضوں کی سفارشات سے حکومت کو صحیح مشورہ دینا ہے۔

### تین طلاقیں کو ایک طلاق قرار دینا غلط ہے

تیسرے یہ کہ کمیشن کی سفارشات میں ”طلاق ثلاثہ“ کی شرعی تحقیق کرتے ہوئے حضرت مرقادوق کی بابت جس رائے کا اظہار کیا گیا ہے، وہ انتہائی غفلانہ اور افسوس ناک ہے۔ حضرت

عمر فاروقؓ جو اپنی دینی بصیرت اور اتباع نبوی کے باب میں خلافت راشدہ کے بے مثال ستون ہیں، ان کی بابت یہ کہنا کہ ”انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی رائج شدہ طلاق کی مخالفت کی“ ناواقفیت اور سوہ فہم کا نتیجہ ہے۔

قرآن کریم میں صراحۃً مرد کے لیے تین طلاقیں کا ذکر ہے ”الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان فان طلقها فلا حول له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ“ (پارہ 2، رکوع 12)

یعنی طلاق دو بار ہے کہ یا تو رجعت کر لیتا ہے، حسن سلوک کے ارادہ سے یا الگ کر دیتا ہے اچھائی کے ساتھ، پھر اگر طلاق دیدی بیوی کو ان کے بعد (یعنی دو کے بعد) تو یہ بیوی حلال نہیں رہی شوہر کے لیے جب تک دوسرے زوج سے نکاح کے بعد علیحدہ نہ ہو، اس سے ثابت ہوا کہ قرآن حکیم نے مرد کو صرف تین طلاقیں کا حق دیا ہے، نزول آیت سے پہلے جاہلیت میں عورتوں کے شوہر دس دس بیس بیس میں طلاقیں دیتے تھے اور پھر جب جی چاہتا تھا دھکا دیتے تھے اور جب ہوس رانی کا جذبہ مجبور کرتا تھا تو جانوروں کی طرح عورت کو واپس بلا لیتے تھے، عورت کا مورال (MORAL) بھی اس درجہ گر گیا تھا کہ وہ مرد کی خواہش کے خلاف آف بھی نہیں کر سکتی تھی۔ قرآن کریم نے عورت کو خودداری اور ضمیر کے جذبات کی رعایت کرتے ہوئے تین طلاقیں کے بعد مرد کی اطاعت سے آزاد کر دیا اور مرد کے جذبات کی رعایت کرتے ہوئے دو طلاقیں تک رجعت کا حق دے دیا۔

اس آیت نے جاہلیت کے ظلم کو مٹا کر عورت کی گلو خلاصی کا راستہ تجویز کر دیا، قرآن کریم کی آیت صریح ہے کہ تین طلاقیں کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے، اب تین طلاقیں عام ہیں ایک لفظ سے ہوں یا تین لفظوں سے، ایک ہی وقت میں ہوں یا تین اوقات میں، تین طہر میں ہوں یا ایک طہر میں، زہانی ہوں یا تحریری، قصہ میں ہوں یا پیار میں، سو اس کے لیے قرآن شریف کی آیت مطلق ہے اور مطلق میں قیود بڑھانا آیت کے حکم کو منسوخ کرنا ہے جس کا کسی جہتہ کو بھی حق نہیں۔

اب ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، آپ کے ارشادات اور آپ کے فیصلوں پر غور کریں تاکہ آیت قرآنیہ کے تفصیلی پہلو متعین ہو جائیں، کمیشن کی سفارشات اس بات پر تو متفق ہیں کہ تین اوقات کی یا تین مجلسوں کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی اور عورت حرام ہو جائے گی۔ صرف یہ صورت باقی ہے کہ ایک دفعہ کی تین طلاقیں خواہ ایک لفظ سے ہوں یا تین لفظوں سے اس کا حکم کیا ہے۔

کمیشن کی رپورٹ میں ان کو ایک ہی شمار کرنے اور قرار دینے کی سفارش کی گئی ہے، میری رائے میں یہ سفارش بالکل شریعت کے خلاف ہے بلکہ چاروں امام، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے علاوہ جمہور علماء سلف و خلف اس پر متفق ہیں کہ ایک دفعہ کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی، اور عورت حرام ہو جائے گی، البتہ علامہ ابن تیمیہ سے اس میں لغزش ہوئی ہے اور ان کے مقلدین اس مسئلہ میں ان کی پیروی کرتے ہیں، جتنی شرح بخاری میں ہے کہ ”جوامت کے اس اجماع سے خلاف کرتا ہے وہ شاذ ہے، اور اہل سنت والجماعت کا مخالف ہے“ فتح القدیر نے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے، کمیشن کی رپورٹ مرتب کرنے والے حضرات نے ابن تیمیہ اور ابن قیم کے بارے میں محققین علماء کا یہ تبصرہ نہیں پڑھا کہ ”علمہما اکثر من عقلہما“ ”رہی ابن عباس اور رکانہ کی وہ حدیث جو ابن قیم فی اعلام الموقعین اور عون العبدونی شرح ابی داؤد وغیرہ کے حوالہ سے نقل کی گئی اور کمیشن کی رپورٹ میں بھی اس کو جگہ دی گئی، سو حدیث رکانہ کی وہ روایت جس میں ثلاثا کا لفظ موجود ہے وہ ضعیف ہے اور نووی نے اس کو عن قوم مجہولین سے تعبیر کیا ہے اور ممکن ہے کہ راوی نے روایت بالسنی کی ہو، اس لیے کہ اصل روایت میں حدیث کے الفاظ یوں ہیں ”انہ طلق امراتہ البتہ فقال له النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ ما ردت الا واحدة فقال اللہ ما ردت الا واحدة“

یعنی رکانہ بن عبدزید نے اپنی بیوی کو لفظ البتہ کہہ کر طلاق دی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے کیا تم نے ایک طلاق کی نیت کی تھی، رکانہ نے جواب دیا قسم ہے میں نے تو صرف ایک ہی کی نیت کی، تو حضور نے فرمایا اگر تو چاہے رجوع کرے۔

جس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ تین طلاقیں کی نیت سے لفظ ”البتہ“ استعمال کرتا تو تین ہی ہوتیں اس سے خود ثابت ہو گیا کہ ایک لفظ اور ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں، سو اصل بات یہ ہے کہ لفظ البتہ دونوں معنی کا محمل ہے، ایک قطعیت اور باندھ ہونے کا، دوسرے تاکید کا۔ حضور کے سوال کا خشاء یہ تھا کہ تو نے اگر ایک کی نیت کی ہے تو لفظ البتہ کا محمل تاکید ہے اور اگر تین کی نیت کی ہے تو لفظ البتہ کا محمل قطعیت ہے، اسی لیے روایت ضعیفہ میں جہاں لفظ ثلاثا راوی نے بیان کیا ہے بہت ممکن ہے کہ لفظ البتہ کے دوسرے معنی جو مشتعل ثلاثا کو ہیں روایت کر دی ہو، فریضہ ثلاث والی روایت ناقابل اعتبار ہے، اور جس میں البتہ ہے وہ دونوں معنی کو شامل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لفظ البتہ کا استعمال عام طور پر تاکید کے لیے ہوتا تھا



لیکن حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں کثرت سے یہ لفظ سختی ملاحات اور مغلط استعمال ہونے لگا۔ اسی لیے حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ میں لفظ البتہ سے تین طلاق کا حکم دیا، یہ تبدیلی حکم میں نہیں ہے بلکہ یہ تبدیلی لفظ کے استعمال میں ہے، اور آج بھی اگر کوئی لفظ مغلطہ اور ہائیکہ کے لیے مشہور ہو جائے اور عرف قائم ہو جائے تو اس کا حکم بھی مغلطہ اور ہائیکہ کا ہوگا، جیسے اردو میں یہ لفظ مشہور ہے ”میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے“۔ فقہانے لکھا ہے کہ گواس میں لفظ طلاق نہیں ہے مگر عرف میں یہ جملہ طلاق پائے کے لیے مشہور ہو گیا، اور لفظوں کا استعمال اور عرف ہمیشہ بدل رہتا ہے، یہ حضرت عمر کی فراست ہے کہ حضور کے زمانہ اور اپنے زمانہ کے عرف کے فرق کو پہچان کر لفظ البتہ پر وہ حکم لگا دیا جو اس موجودہ عرف کے لیے موزوں تھا۔ پھر تمام اکابر صحابہ موجود تھے اور سب نے حضرت عمر فاروقؓ کے فیصلہ سے اتفاق کیا جو درحقیقت صحابہ کا اجماع بھی ہے۔ کیا تمام صحابہ کرام خلاف حکم نبویؐ پر اتفاق کر سکتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے ”لن یجتمع امتی علی الضلالة“ کہ میری امت کبھی ضلالت پر جمع نہیں ہو سکتی، اور ظاہر ہے کہ امت کی تاریخ کا بہترین دور کیسے خلاف دین پر اجماع کر سکتا ہے۔

سوال عمر فاروقؓ کی تبدیلی کی جانبداری کا نہیں ہے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی تھیں۔ اگر حضور کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک شمار ہوتیں تو رکنا نہ سے قسم لینا بے معنی تھا کہ واللہ تم نے ایک ہی طلاق کا ارادہ کیا تھا، کیونکہ اگر اس نے تین کا بھی ارادہ کیا ہوتا تو وہ پھر بھی ہمارے کمیشن والوں کے نزدیک ایک ہی ہوتیں، اس سوال اور قسم سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ تین کا ارادہ کرتے تو تین ہی ہوتیں، پس یہ دعویٰ غلط ہے کہ حضور کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں، اور اسی پر حضرت عمر فاروقؓ بھی عامل تھے، اور آج تک ہر دور اور زمانے میں اس پر اجماع رہا ہے۔

اور ابن عباسؓ کی روایت کے متعلق سنن ابی داؤد میں تصریح ہے کہ وہ معاملہ اس عورت کا ہے جس سے ابھی خلوت بھی نہیں ہوئی تھی، اور اس کو تین طلاقیں تین الفاظ سے دی گئی تھیں، اور ظاہر ہے کہ غیر مدخولہ بہا عورت تو ایک ہی طلاق سے الگ ہو جاتی ہے، وہاں سوال دوسرے تیسرے کا ہے ہی نہیں تو کسی شخص نے اگر غیر مدخولہ بہا کو تین طلاقیں تین لفظوں سے دیں اور حضور نے ایک ہی شمار فرمائی تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ عورت تو ایک ہی طلاق کی محل تھی۔ خلاصہ یہ کہ تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کی جدت قرآن وحدیث اجماع و قیاس سب کے خلاف ہے اور ائمہ اربعہ

اس کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ مسلمان نوجوان بالعموم طلاق کی شرعی حیثیت سے بے خبر ہیں اور عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ایسی چیز یا گالی ہے جو صرف بیوی کے لیے وضع ہوئی ہے، ذرا ذرا سی بات پر طلاق کو بیوی کی چیز بنا لیا ہے، سو اس کے لیے ہماری عام تعلیم میں عالمی مسائل سے واقفیت کا انتظام ہونا چاہئے، بلکہ میرا خیال ہے کہ ہر ملک کو اپنے باشندوں کے لیے یہ انتظام کرنا ضروری ہے کہ وہ روزمرہ کے قوانین زندگی جاہلین، پولیس، ریلوے، ڈاک خانہ، ایئر سروس، اسٹینڈنگ، کسٹم، میونسپلٹی اور عالمی قوانین سے واقفیت ایک متدین شہری کے لیے ضروری ہے، ہمارے ملک کے

ناخواہہ طبقہ کو چھوڑیے کہ وہ تو بالکل ہی دنیا سے کنٹا ہوا ہے، خود تعلیم یافتہ طبقہ بھی ملک کے روزمرہ کے قواعد و ضوابط اور عائلی قوانین سے افسوس ناک حد تک بے خبر ہے۔ جب طلاق کی شرعی حیثیت سے واقفیت عام ہو جائے گی تو طلاق بطور بیوی کی گالی یا چڑ کے استعمال نہ ہوگی۔ غرضیکہ مؤثر تدابیر سے طلاق کی روک تھام کی جانی ضروری ہے کہ یہ فشاءِ شریعت کے خلاف ہے مگر تین کو ایک طلاق قرار دینا یا کاحدم سمجھنا دین و دنیا کو خراب کرتا ہے۔

شوہر کی طرف سے طلاق، سوالات نمبر 2 اور 3 کی سرکاری تجویز طلاق کی رجسٹری ضروری ہو اور بغیر عدالت طلاق نافذ نہ ہو

سوال نمبر 2: کیا طلاق کی جبریہ رجسٹری کرنا لازمی قرار دیا جائے؟

سوال نمبر 3: اگر طلاق کی رجسٹری نہ ہو تو آپ کے نزدیک اس کی کیا سزا ہونی چاہیے؟

تجویز: یہ بات پہلے بھی ظاہر کی گئی ہے کہ اکثر اغوا کے کيس میں اغوا کنندہ یہ عذر پیش کرتا ہے کہ اس عورت کے پہلے شوہر نے اسے طلاق بائن دے دی تھی اس کے بعد میں نے نکاح کر لیا اس لئے میں مجرم نہیں ہوں، اس عورت پر پہلا خاوند بھی اپنا حق جتا تا ہے اور دوسرا خاوند بھی۔ اسی طرح وراثت اور اولاد کے حرام و حلال ہونے کے مقدمات دیوانی میں جو یہ مسئلہ پیش ہوتا ہے اور اس پر بڑا وقت اور روپیہ برباد کیا جاتا ہے کہ کسی طرح یہ ثابت کیا جائے کہ آیا شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی یا نہیں دی تھی۔

اگر طلاقیوں کی باقاعدہ جبریہ رجسٹری کرانے کا قانون پاس کر دیا جائے تو یہ گڑبڑ، ابہام اور لغویتیں سب ختم ہو جائیں۔ ہماری سفارش ہے کہ ایک معیاری ”طلاق نامہ“ رائج کیا جانا چاہیے اور اس کی تین کاپیاں ہونی چاہئیں، جو ہر پوسٹ آفس میں 28 آنے کی معمولی سی رقم پر مل سکتا ہو۔ ”طلاق نامہ“ میں یہ اندراج واضح طور پر بالتفصیل ہونا چاہیے کہ کس طرح طلاق عمل میں آئی۔ آیا یہ کہ ایک اعلان طلاق کیا گیا، اس کے بعد عدت کے عرصہ میں شوہر نے بیوی کے ساتھ ہم بستری نہیں کی یا تین طہروں میں تین مختلف اوقات میں طلاق ڈالی گئی، اس طلاق نامہ کی ایک کاپی تحصیلدار کو بذریعہ ڈاک رجسٹرڈ روانہ کی جانی چاہیے جو اس طلاق نامہ کی نقل ایک رجسٹر میں کرے گا۔ اگر شوہر نے اس دستاویز طلاق کی رجسٹری نہیں کرائی تو اس کو 500 روپے حد تک جرمانہ کی سزا کا مستوجب گردانا جائے۔

کمیشن کے بعض اراکین نے یہ رائے ظاہر کی کہ طلاق کی رجسٹری کرانے سے بھی عورتوں

کے حقوق کی حفاظت نہیں ہو سکے گی۔ مثلاً یہ بتایا گیا کہ اکثر شوہر یہ کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں بیوی پر تین طلاقیں ڈال دیں اور پھر پہلی بیوی اور اس کے بچوں کو گھر سے نکال دیا اور پھر فوراً ہی دوسری بیوی گھر میں لے آیا اور پہلی بیوی اور اس کے بچے بالکل بے گھر، بے در اور بے سہارا رہ جاتے ہیں اور یہ بیوی بالکل دودھ کی کھسی کی طرح نکال باہر پھینک دی جاتی ہے۔

لہذا تجویز کیا گیا کہ ”ازدواج و اہلی امور“ کی کسی عدالت سے رجوع کے بغیر شوہر کو طلاق دینے کی سہولت نہیں ہونی چاہیے اور اس غرض کے لئے قانون نافذ ہونا چاہیے۔ جب یہ مقدمہ کسی ایسی عدالت میں پیش ہو تو عدالت اسے اس وقت تک طلاق دینے کی اجازت نہ دے جب تک پہلی بیوی کا پورا دین مہر ادا نہ کر دے اور پہلی بیوی بچوں کے گزارہ کے لئے معقول بندوبست نہ کر دے۔ اگر دین مہر قسطوں میں بھی ادا کیا جائے تو عدالت یہ فیصلہ صادر کرے کہ کتنی قسطوں میں یہ رقم ادا کی جائے گی اور فی قسط کیا رقم ادا کی جائے گی۔

مولانا احتشام الحق صاحب نے اس تجویز کی مخالفت کی ہے۔ دوسرے اراکین کمیشن نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور کہا کہ حکومت کو ایسا قانون بنانا چاہیے کہ جب تک ”ازدواج و اہلی امور“ کی عدالت سے کوئی شخص رجوع نہ کرے اس وقت تک اسے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی اجازت نہ دی جائے۔ مولانا احتشام الحق صاحب نے فرمایا کہ طلاق دینے کے حق سے دستبرداری کا اعلان معیاری نکاح نامہ میں بطریق ایک شرط رکھا جاسکتا ہے کہ ”مجھے شوہر کو طلاق دینے کا حق ازدواج و اہلی امور کی عدالت کے روبرو کرنے کے علاوہ حاصل نہ ہوگا“۔ مولانا موصوف کا خیال ہے کہ اگر اس طریقہ پر عمل کیا جائے تو یہ عمل اسلامی نقطہ نظر سے درست ہوگا یعنی یہ کہ کوئی شخص بغیر عدالت مذکورہ (امور ازدواج و اہلی مسائل) سے رجوع کئے اپنی بیوی کو طلاق نہ دے سکے گا، نکاح نامہ میں شوہر کی طرف سے اس حق کے استعمال کو روبروئے عدالت استعمال کرنے کا اعلان شرعاً درست ہوگا (39)۔

اس بات سے ظاہر ہے کہ مولانا صاحب موصوف اصولاً اس تجویز کو درست سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو عدالت امور ازدواج کی مداخلت ضروری ہے، اس کے بغیر تشیخ نکاح نہیں ہو سکتا۔ بہر کیف طریقہ عمل خواہ کوئی سا بھی اختیار کیا جائے اصل مدعا یہ ہے کہ ”عدالت امور ازدواج“ کی مداخلت اس ضمن میں ضروری ہے اس کے بغیر طلاق کی قانوناً اجازت نہیں ملتی چاہیے نہ اسے اس کے بغیر جائز سمجھنا چاہیے۔ اگر عدالت امور ازدواج کی

عدالت قانونی طور پر لاپہدی قرار دے دی گئی تو پھر ملاقاتوں کی جبری رجسٹری کرانے کا ضابطہ ہے ضرورت ہو جائے گا کیوں کہ اس عدالت امور ازدواج کی کارروائی کی مصدقہ نقل ہی طلاق کی رجسٹری کی دستاویز کا بدل بن کر اس مقصد کو پورا کر دے گی۔

### شوہر کی طرف سے طلاق کے سوال نمبر 4

#### میاں بیوی کے درمیان مصالحت کی کوشش

**سوال نمبر 4:** کیا مختلف علاقوں کے لئے مصالحتی مجالس مقرر کی جائیں اور کسی طلاق کو اس وقت تک صحیح تسلیم نہ کیا جائے جب تک کہ فریقین اُن مجالس کی طرف رجوع نہ کر چکے ہوں جن میں زوجین کے خاندانوں کی طرف سے بھی ایک ایک حکم شامل ہو؟

**تجویز:** قرآنی حکم یہ ہے کہ اگر فریقین کسی وجہ سے نباہ نہ کر سکیں اور طلاق لینے کے درپے ہوں تو فریقین کے دوستوں اور رشتہ داروں کو چاہیے کہ وہ مصالحت کرانے کی کوشش کریں۔ اگر مصالحت نہ ہو سکے تو پھر طلاق دینے کی کارروائی پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ طلاق کے مقدمات میں صراحۃً یہ دکھایا جانا چاہیے کہ دوستوں اور رشتہ داروں نے دونوں فریقوں کو سمجھانے بھانے اور مصالحت کرانے کی پوری پوری سنجیدہ کوشش کی مگر بد قسمتی سے یہ مصالحت نہ کرائی جاسکی، بعض مغربی ممالک میں بھی ازدواجی عدالت کے جج اصل و باقاعدہ سماعت مقدمہ سے پہلے کی پیشیوں میں اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح میاں بیوی میں مصالحت کرا دیں۔ اس کمیشن کی بھی یہ رائے ہے کہ اگر ان کی مجوزہ ازدواجی عدالتیں قائم کی جائیں تو وہ بھی میاں بیوی کے درمیان مصالحت کرانے کی قابل قدر کوشش ضرور کریں کیوں کہ امید ہے کہ اکثر کیسوں میں ان کی مستحسن کوششیں بار آور ثابت ہوں گی (32)۔

### طلاق کے سوال نمبر 5۔ عقد ثانی کی اجازت نہ ہو

**سوال نمبر 3:** کیا ”ازدواجی و عائلی عدالت“ کو مطلقہ کے مطالبے پر یہ اختیار ہونا چاہیے کہ وہ مطلقہ کو تاحین حیات یا تا عقد ثانی نقد دلوائے؟

**تجویز:** اس کمیشن کی رائے یہ ہے کہ جب کوئی شخص پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسرا عقد کرنے کی درخواست گزارے تو اس عدالت امور ازدواج کو اپنے اس اختیار تمیزی کے استعمال کا مجاز ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ بہت سی اویز عمر کی عورتوں کو بغیر کسی حجت و منطق کے اور بلا

وجہ طلاق دیدی جاتی ہے اور وہ بے یار و مددگار رہ جاتی ہیں۔ نہ سر چھپانے کو گھر ہوتا ہے نہ ان کی اور نہ بچوں کی پرورش کا انتظام ہوتا ہے۔ ایسی حالتوں میں گزارہ دلوانا عدالت کا کام ہے۔ ہاں یہ بالکل درست ہے کہ اگر عورت قصور وار گردانی جائے تو پھر اس کے لئے عدالت کسی طرح گزارہ منظور نہ کرے (33)۔

### طلاق کے سوالات ۲، ۳ اور ۴ پر اختلافی نوٹ

**نمبر 2 و نمبر 3۔ طلاق کے اندراج کو لازمی قرار دینے اور عدم اندراج پر سزا قائم کرنے کا مسئلہ** کچھ زیادہ اہم اور مفید نظر نہیں آتا، صرف یہ وجہ اندراج کو لازمی قرار دینے کی کچھ زیادہ معقول نہیں ہے کہ بعض اغوا اور فریب کے مقدمات میں جب کہ ایک عورت کا شوہر ہونے کے کئی کئی مرد مدعی ہوتے ہیں تو ثبوت طلاق میں روپیہ اور وقت بہت ضائع ہوتا ہے، اس لیے رجسٹری کو لازمی قرار دینے میں 5 فیصدی روپیہ اور وقت بچ گیا، تو دوسری طرف لاکھوں شریف مسلمانوں کو پریشانی اور اساعت وقت میں ڈال دینا بھی تو کوئی دانشمندی نہیں ہے۔ رپورٹ نگار کو چند مجرموں کے وقت اور مال پر توجہ دینا مگر بے قصور مسلمانوں کی بڑی تعداد پر ترس نہیں آیا، بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے کھڑا ہو جانا کوئی حکمت نہیں ہے۔ کمیشن کی رپورٹ میں طلاق رجسٹری کرانے کے سلسلے میں جہاں بعض ممبران کمیشن کی طرف سے یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ ”جب تک عدالت سے رجوع نہ کیا جائے اس وقت تک طلاق مستبر نہ مانی جائے“۔

بعض ممبران کمیشن کی یہ رائے نہایت مشکوک خیز اور شریعت اسلامیہ کے بالکل خلاف ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات نکاح و طلاق کو نہ دین شریعت کا مسئلہ سمجھتے ہیں اور نہ شریعت انسانیت معاہدہ تصور کرتے ہیں، بلکہ عورت کو ایک بازاری جنس سمجھتے ہیں کہ جس طرح خریدا جاسکے خرید لیا جائے، یہی وجہ ہے کہ ازدواج و طلاق وغیرہ کے مسائل میں بھی قرآن و سنت کے احکام پیش نظر نہیں ہیں، بلکہ صرف اپنی رائے کو دخل بنانا چاہتے ہیں، جیسا کہ گزشتہ عنوانات میں پیش کیا جا چکا ہے کہ طلاق مرد کا ایک حق ہے جو تاگزیر علیحدگی کے لیے قرآن کریم نے تجویز کیا ہے اور ہر چند کہ اس حق کے بلا ضرورت استعمال کرنے پر ”ابھض العیاحات عند اللہ الطلاق“ کا تہدید دیا اور مہر و خصانت وغیرہ جیسی ذمہ داریوں کے بوجھ سے اسے کس قدر ضعیف سا بنا دیا گیا ہے لیکن بہر حال وہ ایک حق ہے اور کم از کم تاگزیر حالات میں تو اس حق کا استعمال کرنا ہی زوجین کی بہبودی کے لیے ضروری ہے، اس حق پر کوئی ایسی پابندی عائد کرنا کہ بدوں رجسٹری کرانے یا بدوں



عدالت کو بیچ میں ڈالے طلاق نہیں دی جاسکتی، صرف احکام دین میں تحریف ہی نہیں بلکہ مناسب جدائی کے راستہ میں رکاوٹ ڈالنا ہے۔ مرد کا حق طلاق تو دراصل نکاح سے قائم ہو جاتا ہے اور اس حق میں نہ کوئی شریک ہے نہ مجاز، نہ پابندی ہے، نہ کوئی قید الا یہ کہ مرد ہی نکاح کے وقت یہ حق بیوی کو دیدے یا کسی حاکم اور رشتہ دار کو والدہ کر دے اسی کو تفویض طلاق کہتے ہیں، جس کا ذکر تفویض طلاق کے ذیل میں آچکا ہے، یہ تو ممکن ہے کہ نکاح کے وقت ہی حق طلاق کو تفویض میں تبدیل کر دیا جائے یا شرائط نکاح میں مقید کر دیا جائے، مگر اس کے نتائج بھی جیسا کہ مذکورۃ الصدرا بواب میں تفصیل سے لکھا گیا ہے، خلاف فطرت ہونے کی وجہ سے سخت تباہ کن ہوں گے لیکن جواز کی صورت بہر حال پیدا ہو جائے گی، یہی وہ ذیلی تذکرہ ہے جس کو نہایت غلط انداز میں رپورٹ میں میرے اتفاق سے تعبیر کیا گیا ہے، اس قسم کی تفویض سے بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ نکاح میں اس قسم کی غیر شریفانہ اور متہمل شرائط کی بنا پر عام طور سے لوگ ایسی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں گریز کریں گے اور بڑی تعداد میں جوان لڑکیوں کے لیے تلاش شوہر کی ایک نئی مصیبت اور کھڑی ہو جائے گی۔

بالفرض اگر یہ قانونی بندش عائد بھی کر دی جائے کہ طلاق بدوں کورٹ کے نہ دی جاسکے گی تو طلاق کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت تو بہت کم دی جاتی ہیں، بالعموم گھر میں بیوی سے کسی جھگڑے کسی ناقابل تحمل حرکت کی بناء پر دی جاتی ہے تو طلاق تو اعزہ کے سامنے دیدی اور شرعاً وہ بیوی حرام بھی ہوگئی۔ اب یا تو نان نفقہ بیوی کے مہر وغیرہ کی ذمہ داری سے ڈر کر عدالت میں جاتا نہیں یا جاتا ہے مگر عدالت طلاق دینے والے کی جانب سے طلاق کی ذمہ داریوں کے بارے میں اطمینان نہ ہونے کی وجہ سے اجازت نہیں دیتی تو گویا قانون کی اس مجبوری کی وجہ سے دونوں کی زندگی ناجائز تعلق میں بسر ہوگی، اولاد اولاد زنا ہوگی، کیا ہمارے ملک کی آخرت پر ایمان رکھنے والے مسلمان یا خدا ترس عورتیں اس طرح حرام زندگی گزارنے پر آمادہ ہیں، اور کم از کم جو آمادہ نہیں ہیں قانون کی اس غلط بندش سے ان کی آخرت کو برباد نہ کیا جائے۔ ایک بے دین عیاش مرد گھر میں سیکڑوں طلاقیں دے گا اور چونکہ کورٹ میں طلاق نہیں دی ہے اس لئے وہ ایک پاکیزہ عورت کو تمام عمر اپنے پاس رکھنے پر مجبور کر سکے گا۔ یہی وہ چالیت میں عورتوں کی بے کسی اور مظلومی تھی جس پر قرآن کریم نے ”الطلاق مروتان“ اور ”فان طلقها فلا تحل لہ“ کے اعلان کے ذریعہ عصمت خور اور عیاش مردوں کے بیچ بڑے عورتوں کو آزادی بخشی تھی، اب پھر بعض رہزنان عصمت اس بھولی بھالی صنف ضعیف کو حقوق نسواں کا سبز باغ دکھا کر جاہلیت کے قعر ذلت میں ڈالنا چاہتے ہیں۔

حقوق نسواں کی علمبردار خواتین اس حقیقت کو ذہن نشین کر لیں کہ اس صدی میں اب تک جو مصائب اور مشکلات ان پر گزریں وہ بھی انہیں موجودہ قوانین ازدواج کی بدولت گزریں ہیں جو کسی عالم اور مولوی نے نہیں بلکہ اس مغرب زدہ متمدن اور متحدہ مبلغ مسٹرؤں کے گروہ نے دین سے ہٹ کر اور ناقص شکل میں قانون بنائے تھے، جو آج بھی عورتوں کی بہبودی اور ان کے تحفظ حقوق کا دعویدار بن کر پہلے سے بھی زیادہ عورتوں کے مستقبل سے کھیل رہا ہے۔ اس سو فہم اور بدگمانی کا کیا علاج کہ ساہا سال کے تجربوں کے بعد بھی عورتیں اس مغرب زدہ گروہ سے پر امید ہیں، جنہوں نے ہر مرتبہ کی تبدیلی میں مشکل کو دور کرنے کی بجائے کسی نہ کسی ازدواجی زندگی کی پیچیدگی میں اضافہ ہی کیا ہے اور اس مذہبی گروہ کو اپنا بدخواہ سمجھتی ہیں جو اللہ کی دی ہوئی حقیقی سعادتوں سے عورتوں کی زندگی کو یورپ کی مشین نہیں بلکہ محبت کی جنت بنا دینا چاہتے ہیں۔ موجودہ ازدواجی مسائل سے متعلق رجحانات کو دیکھ کر یہ اعزازہ ہوتا ہے کہ عورتوں کی زندگی کو مصائب کی آگ کا انڈھن بنایا جا رہا ہے تاکہ اس کی حرارت سے بھی فائدہ اٹھائیں اور روشنی سے بھی لیکن وہ عورت خود صل کرنا کستر ہو جائے۔

جس طرح گزشتہ صدی کے قوانین کا تلخ تجربہ اب سامنے آیا ہے اسی طرح بیس سال کے بعد جب اعدو ہناک نتائج اور واقعات رونما ہوں گے تو یہی عورتیں یا ان کی آنے والی نسل کہے گی۔

بھلا نہ دل نہ تیرگی شام غم مچی  
یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں

اور پھر یہ تو جدائی زوجین کی بہت سی صورتوں میں سے ایک صورت ہے، جس میں آپ نے یہ پابندی عائد کر دی مگر شوہر نے ساس سے کوئی تعلق قائم کر لیا، عورت حرام ہوگئی، بیوی نے خسر سے تعلق قائم کر لیا بیوی کا عقد ختم، شوہر کی اولاد نے اپنی سوتیلی والدہ پر ہاتھ ڈال دیا بیوی شوہر پر حرام ہوگئی یا شوہر نے کسی معاملہ میں طلاق کو کسی شرط کے ساتھ مطلق کر رکھا تھا وہ پوری ہوگئی، عورت پر طلاق واقع ہوگئی۔ اگر آپ جائز راستہ طلاق کا بند کریں گے یا کورٹ کی بندش میں جکڑ دیں گے تو آئے دن طلاق کے علاوہ مذکورہ بالا طریقوں سے لوگ جدائی کی راہ نکالیں گے۔

نحوہ باللہ حرمت مصابہرت عام ہو جائے گی اور مسلمانوں کا معاشرہ ذلیل ترین ہو جائے گا۔ ان تمام خالق کی روشنی میں میری قطعی رائے یہ ہے کہ طلاق کی رجسٹری یا طلاق میں کورٹ کی پابندی نہایت لغو، خلاف شرع اور عورتوں کے لیے تباہ کن ہے، اس قسم کا کوئی قانون ہرگز نہیں بننا چاہئے۔

## شوہر کی طرف سے طلاق کے سوالات نمبر ۴ اور ۵ پر اختلافی نوٹ

نمبر 4۔ زوجین کے تعلقات میں کشیدگی کو دور کرانے کی کوشش کرتا قرآن کریم کی تجویز مصالحت کے مطابق ہے، اس سے کی بیشی کی ضرورت نہیں۔ قرآن کریم کی وہ آیت یہ ہے ”وَاللّٰی تَخَالِفُونَ نَشْوَہِمْ فَعَفَوْہُمْ وَاجْعَلُوہُمْ فِی الْمَضَاجِعِ وَاصْبِرُوہُمْ اِنَّ اَطْعَمَکُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَیْہِمْ سَبِیْلًا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا کَبِیْرًا۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِہُمَا فَامْتَحِنَا حُکْمًا مِّنْ اِہْلِہٖ وَحُکْمًا مِّنْ اٰہْلِہَا اِنْ یُرِیدَ اَصْلَاحًا یُوفِیْ اللّٰہُ بَیْنَہُمَا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا۔“ ترجمہ: تمہاری وہ بیویاں جن کی بد مزاجی سے تمہیں اندیشہ ہے تو ان کو ایک دم الگ مت کرو بلکہ پہلے فصاحت کرو، پھر شرب پاشی میں گریز کرو اور اگر پھر بھی نہ درست ہوں تو خیف سی سزا دو۔ پس اگر اطاعت شعار ہو جائیں تو بلا وجہ ان کو تنگ کرنے کا بہانہ مت ڈھونڈو۔ اللہ تعالیٰ بڑا عظیم والا ہے اور اگر تم بیوی میاں میں پھوٹ محسوس کرو تو میاں اور بیوی کی طرف سے ایک ایک حکم مقرر کر کے مصالحت کرادو۔ اللہ تعالیٰ بڑا علیم اور خبیر ہے۔ سورہ نساء پارہ 5۔

نمبر 5۔ ازدواجی و عائلی عدالتوں کو مطلقہ بیوی کی درخواست پر تاعقد ثانی یا تاحین حیات نفقہ دلوانے کے اختیار کی بابت میری رائے یہ ہے کہ طلاق کے ذریعہ جب زوجین میں کوئی شرعی علاقہ باقی نہیں رہا تو دونوں کی حیثیت اجنبی مرد و عورت کی سی ہوگئی، بلکہ احسان کے معاملہ میں اجنبی سے بھی زیادہ خطرناک حیثیت ہے۔ اول تو موجودہ بیوی جس کے تمام اخراجات شرعاً اس کے ذمہ ہیں وہ بھی تو طبقہ خواتین ہی کی ایک بے قصور فرد ہے اس کے واجبی اخراجات میں سے کاٹ کر اس عورت کو دلوانا جو مہر لے کر جدا ہو چکی ہے، ایک عورت پر ظلم کر کے دوسری عورت کی مدد کرنا ہے، جو دنیا میں کوئی شکی نہیں ہے، اور تعجب ہے کہ مطلقہ کو وظیفہ دلوانے کی سفارش کمیشن کے اُن ممبران کی طرف سے ہے جنہوں نے خوب ٹھونک بجا کر طرح طرح کی ہندشوں کو پورا کر کے طلاق کو مانا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی رائے میں تو یہ طلاق واجبی ہوگی، پھر بھی اراکین کمیشن کی سفارش سے جائز منکوحہ بیوی کی حق تلفی کر کے واجبی مطلقہ عورت کو دلوانا چاہتے ہیں، یہ یقیناً دوسری عورتوں پر ظلم ہے۔

علاوہ مالی ظلم کے مطلقہ عورت کو ماہوار خرچ و غیرہ دلوانا عورت کی اخلاقی روح کو بھی تباہ کر دے گا، بالخصوص اس شخص کی طرف سے جو ایک عرصہ تک ساتھ زندگی گزار چکا ہو، عورت

کی صحت کے لیے مفید نہ ہوگا، کمیشن کے ممبروں کی نظر مالی امداد پر ہے اور اسلام کی نظر حفاظت صحت پر ہے، نیز اس امداد کے سلسلے سے گھر کی بیوی بھی ہمیشہ مشتبہ رہے گی اس لیے یہ تجویز بالکل غلط اور غور توں کے لیے معر ہے، اور جو حق خود شریعت نہیں دلاتی وہ حق کوئی کمیشن یا عدالت کیونکر قائم کر سکتی ہے۔

## خلع۔ بیوی کی طرف سے طلاق کا مطالبہ

### سوالات نمبر 1-2۔ کی سرکاری تجویز۔ تنسیخ نکاح اور خلع

سوال نمبر 1: کیا آپ ڈیولوپمنٹ آف میرج ایکٹ 1939ء (انفساخ نکاح مسلین 1939ء) کی تمام دفعات کو جامع اور تقنی بخش سمجھتے ہیں یا آپ کے نزدیک اس میں اضافہ و ترمیم ہونی چاہیے؟

سوال نمبر 2: کیا آپ کے نزدیک یہ مناسب ہوگا کہ خلع کے متعلق مجلس آئین ساز واضح اور غیر مبہم قانون وضع کرے؟

تجویز: کمیشن کی رائے یہ ہے کہ قانون تنسیخ نکاح مسلمانان ۱۹۳۹ء میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں ہے (34)۔

یہ بھی طے پایا کہ خلع جو ایک وضع کی طلاق ہے، کو قانون کی شکل میں لا کر ایک معین و یقینی شکل دی جائے اور اسی کے لئے ایک ضمنی قانون پاس کرایا جاسکتا ہے۔ خلع کے سلسلہ میں یعنی بیوی کی طرف سے طلاق کا مطالبہ یہ بات سب نے مانی ہے کہ اسلام نے عورت کو خلع کا حق دیا ہے بشرطیکہ وہ شوہر کے مطالبہ پر اگر کیا گیا ہو اپنے مہر کو یا اس کے کچھ حصہ کو چھوڑ دے۔ ایک حدیث معتبر ہے جسے سب نے مانا ہے کہ ایک دفعہ خلع کا ایک کیس رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ہوا۔ بیوی کا نام تھا جمیلہ اور شوہر کا نام تھا ثابت ابن قیس۔ رسول اللہ ﷺ نے صرف ان دونوں کے مزاجوں کی انتہائی ناموافقت کے باعث طلاق کو منظور فرمایا تھا۔ بیوی کی طرف سے طلاق لینے کے مطالبہ میں اس کے علاوہ اور کوئی التزام مذکور نہ تھا، یعنی دونوں کی ناموافقت مزاج کے علاوہ طلاق کی اور کوئی بنیاد نہ تھی۔

ہم اس بات کی سفارش کرتے ہیں کہ مزاجوں کی ناموافقت کی بنا پر بیوی کو سوائے خلع کے

طریقہ کے حق طلاق حاصل نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی وہ صرف خلع لے سکتی ہے (35)۔

عورتوں کی طرف سے مطالبہ طلاق (خلع) کے

سوالات نمبر ۱ اور ۲ پر اخلاقی نوٹ

نمبر 1، نمبر 2 قانون انفساخ نکاح مسلمین 1939ء جو مسلمانوں کو برطانوی دور حکومت میں "پرسنل لا" کے طور پر دیا گیا تھا، وہ قطعی طور پر قابل اصلاح ہے، مسلمان ممبران اسمبلی کی دین سے ناواقفیت اور ہندوؤں کی مداخلت کی وجہ سے اس ایکٹ کی دفعات میں اسلامی حیثیت سے تشکیک بھی ہے اور قطع و برید بھی۔ جس کی وجہ سے وہ ناقابل عمل ہے، مثال کے طور پر انفساخ نکاح کی بعض وہ صورتیں قانونی طور پر جائز قرار دی ہیں جو شریعت اسلامیہ کی رو سے جائز نہیں ہیں، گویا ایک عورت اس ایکٹ کی رو سے بذریعہ عدالت شوہر کے نکاح سے الگ ہوگئی اور اس نے دوسرے مرد سے نکاح بھی کر لیا لیکن شرعاً وہ پہلے شوہر کے نکاح سے الگ نہیں ہوئی، اس کا دوسرا نکاح بھی شرعاً جائز نہ ہوگا۔ انہیں خامیوں کی بنا پر علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی وغیرہ اکابر علماء کی طرف سے بالاتفاق ترمیمات بصورت رسالہ شائع کر دی گئیں جو اب بھی قانون انفساخ نکاح اہل اسلام کے متعلق ترمیمات کے نام سے بازار میں ملتی ہیں۔

میری رائے میں خلع اور انفساخ نکاح کے از سر نو وضع قوانین کی ضرورت ہے جو شریعت اسلامیہ کے مطابق ہوں، کمیشن کے ممبروں نے اس ایکٹ کو قابل بحث نہیں سمجھا اور اس کو باقی رکھنے کی سفارش کی، میری رائے اس سے مختلف ہے اور وہ ایکٹ قابل اصلاح ہے، اس ذیل میں کمیشن کی رپورٹ میں اختلاف مزاج کو بھی جواز نکاح کی بنیاد قرار دیا گیا ہے، جو نہایت مہمل ہے، اختلاف مزاج ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ دنیا میں آج تک دو آدمی بالکلیہ متحد المزاج پیدا نہیں ہوئے، اختلاف مزاج اپنے ابتدائی درجہ سے انتہائی درجہ تک ہزار ہا درجے رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ ہر درجہ کا اختلاف مزاج وجہ طلع کی قرار دینا ازدواج کو کھیل بنا دیتا ہے، اور اگر اختلاف مزاج کو عورت کے خلع اور انفساخ کا ذریعہ قرار دیا گیا تو اس کا اثر طلاق پر بھی پڑے گا، اور معمولی اختلاف مزاج پر مرد عورت کو طلاق دیا کرے گا، حالانکہ کمیشن کے جملہ ممبران کو اس پر اتفاق ہے کہ طلاق کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہئے، البتہ اختلاف مزاج کے انتہائی درجے جن پر نباہ مشکل ہو

جاتا ہے اس کے لیے شریعت نے جتنی صورتیں خلع نکاح کی تجویز کی ہیں وہ سب اختلاف مزاج کے آخری مظاہر ہیں، میری قطعی رائے یہ ہے کہ اختلاف مزاج کو خلع نکاح کی جائز وجہ قرار دینا طلاق کی راہ کھول دے گا، اور اخلاقی اور معاشرتی اعتبار سے سخت مضر ہوگا۔

سوال نمبر 1 اور 2۔ تعدد ازدواج پر پابندی ہو

سوال نمبر 1: قرآن کریم میں تعدد ازدواج کی بابت ایک ہی آیت (سورہ نسا: ۴) ہے جو حقوق بنائی کی حفاظت کے ساتھ وابستہ ہے، کیا آپ کے نزدیک جہاں حقوق بنائی کا سوال نہ ہو وہاں تعدد ازدواج کو ممنوع کیا جاسکتا ہے؟

سوال نمبر 2: کیا آپ کے نزدیک یہ لازمی ہونا چاہیے کہ عقد ثانی کا ارادہ رکھنے والا شخص عدالت سے اجازت حاصل کرے؟

تجویز: قرآن کریم میں تعدد ازدواج کے سلسلہ میں صرف ایک آیت آئی ہے۔ یہ آیت اس لئے نازل ہوئی تھی کہ یتیم لڑکیوں اور بیواؤں کے سلسلہ میں بعض مشکلات پیدا ہوگئی تھیں اور اس آیت نے اس مشکل کو حل کیا۔ ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی اجازت اسلام نے معاشرتی عدل قائم کرنے کی غرض سے دی تھی، یہی بنیادی تصور اس اجازت کا تھا، کیونکہ آیت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیم لڑکیوں اور بیواؤں کے حقوق کی پامالی اور غیر منصفانہ سلوک کا خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔ اس لئے قرآن حکیم نے ایک ہنگامی معاملہ کے طور پر ایک سے زیادہ شادی کرنے کی مسلمانوں کو اجازت دی تھی۔ مگر اس کے ساتھ شرط بھی لگا دی تھی کہ اس حکم پر عمل کرنے سے خاندان میں تعلقات ناخوشگوار ہو جائیں اور عدل قائم نہ رہ سکے تو پھر مسلمانوں کو یہی مشورہ ہے کہ وہ صرف ایک شادی پر اکتفا کریں (36)۔

تجربہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ مسلمان ایک سے زیادہ شادیاں تو کرتے ہیں مگر اس اجازت کا اصل بنیادی مقصد اور وجہ جواز جو تھا اسے بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں اور دو بیویوں کے درمیان عدل قائم کرنے کی جو کڑی شرط ہے اس سے بالکل غفلت برتتے ہیں۔ تعدد ازدواج کی مشروط اجازت کو بے لگام نہیں رہنا چاہیے بلکہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس اجازت کے سلسلے میں کنٹرول کرے اور سوائے ایسی حالتوں کے کہ اجازت دی جانی منطقی طور پر لاپرواہی ہو، اجازت نہ دی جائے اور جب دی جائے تو یہ دیکھا جائے کہ عدل کی شرط پوری ہو رہی ہے یا نہیں (37)۔

حکومت کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ تعدد ازدواج کی اجازت کے سلسلے میں ایسا ضابطہ قائم



کرے کہ لوگ بغیر پابندی کے ایک سے زیادہ عقد نہ کر سکیں اور اس اجازت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاسکیں۔ مانی ہوئی بات ہے کہ احتیاط علاج سے بہتر ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری بیوی کرنا چاہتا ہے تو اسے ایک عدالت کے سامنے پیش ہو کر اپنا نقطہ نظر واضح کرنا اور وجوہ بتانا چاہئیں کہ اسے دوسری شادی کی ضرورت کیوں پیش آرہی ہے۔ ایسی پابندی لگانا عدل کے اصول اور قرآنی تعلیمات کی روح و فحشائے بنیادی کے عین مطابق ہوگی۔

ایسے کیس ہوتے ہیں کہ وجہ جواز نہایت معقول ہو، مگر ایسے کیس شاذ ہی ہوں گے۔ دوسری شادی کی اجازت دیتے وقت عدالت اس بات کا اطمینان کرے گی کہ پہلی بیوی اور اس کے بچوں کے گزارہ کا انتظام ہو اور سلوک میں نا انصافی نہ ہو۔ کمیشن کی رائے ہے کہ اگر اس تجویز پر عمل کیا گیا تو تعداد ازدواج جو بے لگام اور بے روک ٹوک جاری ہے، رک جائے گا اور گھروں کی بربادی کی روک تھام ہو سکے گی، اور گھریلو زندگیوں کی تباہی کا ایک بڑا سبب روکا جاسکے گا۔

مالی امور کی طمانیت کے علاوہ ”عدالت امور ازدواج“ کے سامنے درخواست گزار کو جو پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری بیوی کرنے کا خواہاں ہے، یہ بھی ثابت کرنا پڑے گا کہ میری پہلی بیوی بھٹون یعنی پاگل ہے یا اسے ایسا عارضہ لاحق ہے جو ناقابل علاج ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور سبب ہے جو استثنائی حیثیت کا ہے اور دوسری شادی ایک ایسی ضرورت ہے کہ جس کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے، اور یہ کہ وہ دوسری شادی محض اس وجہ سے نہیں کر رہا ہے کہ اس کی ہونے والی بیوی پہلی بیوی کی نسبت زیادہ خوبصورت یا زیادہ جوان ہے (38)۔

ان معاملات میں عدالت یہ بھی دیکھے گی کہ درخواست کنندہ کی مالی حیثیت کیسی ہے، کیا وہ دو فیملی رکھ سکتا ہے اور دو کنیوں کا خرچ برداشت کرنے کی مالی صلاحیت اس میں ہے۔ مالی صلاحیت سے مراد یہ ہے کہ بنیادی ضروریات زندگی مہیا کر سکتا ہے یا نہیں اور یہ کہ اس کی پہلی بیوی اور بچے جس معیار زندگی کے بھی عادی رہے ہیں اس کو برقرار رکھنے کا اہتمام کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ عدالت پہلی بیوی کے بھی خیال معلوم کرے گی کہ اس کی کیا مرضی ہے وہ یہ بھی دریافت کرے گی کہ وہ اپنے شوہر اور دوسری بیوی کے پاس ہی رہنا چاہتی ہے یا الگ گھر میں رہنا چاہتی ہے۔ عدالت اس وقت تک شادی کرنے کی اجازت جاری نہیں کرے گی جب تک پہلی بیوی کے لئے اگر وہ علیحدہ گھر میں رہنا چاہتی ہے، اس کا شوہر علیحدہ مکان اور دوسری سہولتوں کا معقول بندوبست نہ کر دے۔ عدالت اگر چاہے تو ایسا حکم بھی جاری کر سکتی ہے کہ ایسے شخص کی تنخواہ کا ایک معقول حصہ

پہلی بیوی اور اس کے بچوں کے گزارہ کے لئے براہ راست انہیں ادا ہو جایا کرے۔ جن لوگوں کی بندھی ہوئی تنخواہ مقرر نہیں ہے انہیں معقول ضمانت دینی پڑے گی کہ پہلی بیوی اور بچوں کے لئے وہ سہنا مناسب گزارہ دے سکتا ہے، اگر یہ عدالت کی کیس میں یہ دیکھے کہ پہلی بیوی اور بچوں کے الاؤنس میں تبدیلی کی جاسکتی ہے تو وہ اس کو ادل بدل کر سکتی ہے مگر اس کی وجوہ کاریکارڈ میں ذکر کیا جائے گا۔

بعض اصحاب نے جنہوں نے ہمارے سوال بند کے جواب دیے ہیں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ دوسرا عقد کرنے کی اجازت لینے کے لئے عدالت سے رجوع کرنا ایک غیر اسلامی بات ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب دوسرا عقد کرنے پر عدالتی اجازت لینے کی شرط قرار دی جاسکتی ہے تو پہلی شادی کرنے پر بھی آدمی کو عدالتی اجازت حاصل کرنے کے لئے کیوں نہ مجبور کیا جائے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ دلائل منطقی طور پر غلط ہیں، کیونکہ عدالت کا مسئلہ تو پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے جب دو بیویاں ہوں، جب وہ دوسری شادی کرے گا تب عدل مابین زوجین کا سوال پیدا ہوگا۔ پہلی شادی کے موقع پر دو گھروں کے مابین وسائل کی عادلانہ تقسیم کا سوال ہی موجود نہیں ہوتا، اس لئے یہ دلیل غلط نہیں پر جتنی ہے۔ دوسرا عقد کرنے پر ہم جب کسی آدمی کو عدالت میں جانے اور اجازت حاصل کرنے پر مجبور کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری بیوی کرنے کے لئے قرآن حکیم نے بعض شروط اور پابندیاں عائد کر دی ہیں، اس کے بغیر دوسرے عقد کی اجازت نہیں دی ہے۔ جب کبھی بھی کوئی معاشرتی حق مشروط قرار دیا گیا ہو تو یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ان شرائط اور پابندیوں کی تکمیل کو پورا ہوتے دیکھا جائے کہ آیا اس خاص اجازت سے پہلے جن شروط کا ہونا ضروری ہے وہ تکمیل پا سکیں یا ان کے تکمیل پانے کا امکان ہے یا نہیں۔ مملکت ہی اپنی قانونی عدالتوں کے ذریعے وہ صحیح ادارہ ہو سکتا ہے جو ان شروط پر عملدرآمد کی طمانیت کر سکتا ہے۔ لہذا ”امور ازدواج کی عدالت“ جو بھی اپنا حق و اختیار استعمال کرے گی وہ احکام قرآنی کی عمل کرایا جاسکے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر احکام قرآنی کی مطابق و پاسداری میں ہوگا تا کہ اس پر مسلمانوں سے قہیل کرانے کے لئے کوئی عدالت ذلیل معاملہ ہوتی ہے تو اسے غیر اسلامی بات کس طرح کہا جاسکتا ہے؟

پہلی بیوی کی زندگی میں دوسری بیوی کرنے کے لئے ”عدالت امور ازدواج“ سے پیشگی اجازت حاصل کرنا شرط قرار دیا جائے، اس تجویز پر اراکین کمیشن متفق ہیں لیکن صرف مولانا احتشام الحق صاحب کو اس تجویز سے اختلاف ہے، مولانا صاحب اپنے اخلاقی نوٹ میں اس

مسئلہ پر اپنے آراء خود پیش فرمائیں گے (39)۔

تعداد از دواج کے سوال نمبر 3۔ عقد ثانی با جازت عدالت ہو

سوال نمبر 3: کیا آپ کے نزدیک یہ قانون ہونا چاہیے کہ عدالت یہ اجازت اس وقت تک نہیں دے سکتی جب تک اسے یہ اطمینان نہ ہو کہ درخواست دہندہ دونوں بیویوں اور ان کی اولاد کی اس معیار زندگی کے مطابق کفالت کر سکتا ہے جس کے وہ عادی ہیں؟

تجویز: کمیشن کی رائے ہے کہ قانون میں یہ بات رکھنی چاہیے کہ کوئی عدالت اس وقت تک نکاح ثانی کی اجازت جاری نہیں کر سکتی جب تک اسے اس بات کا پکا اطمینان نہ ہو جائے کہ سائل دو بیویوں اور اپنے بچوں کا خرچ بخوبی اٹھا سکے گا اور اسی معیار کے مطابق جس کے وہ خود اور اس کے کنبہ کے لوگ عادی رہے ہیں، جن لوگوں نے ہمارے سوال بند کا جواب دیا ہے ان میں سے چند حضرات نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس تقسیم کی بات اگر قانون میں رکھی گئی تو صرف خوشحال اور امیر لوگ ہی اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے اور کم استطاعت لوگ جو عدالتوں کو عقد ثانی کی درخواستیں دیں گے اس شرط پر پورے نہ اترنے کے باعث محروم اجازت رہ جائیں گے۔

یہ اعتراض بھی معقول نہیں ہے، کیونکہ جو بھی شخص ”عدالت امور از دواج“ کے سامنے پہلی بیوی کے حین حیات میں دوسرا عقد کرنے کی درخواست گزارے گا اسے عدالت کو اس بات پر مطمئن کرنا پڑے گا کہ اس کے پاس دوسری شادی کرنے کی معقول وجہ کیا ہے، اگر جواز ثابت نہ کیا جاسکے تو سائل کی عرض مسترد کر دی جائے گی، لیکن اگر سائل جواز عقد ثانی ثابت کر دے گا تو پھر اسے عدالت کو اس بات پر بھی مطمئن کرنا پڑے گا کہ وہ دونوں بیویوں اور بچوں کو اس معیار کے مطابق جس کے وہ سب عادی رہے ہیں کفالت کر سکے گا، یعنی یہ کہ اجازت عقد ثانی حاصل کرنے کے لئے مالی وجوب ایک شرط نمبر ۲ ہے مگر اس سے دوسری شرائط ساقط نہیں ہو جاتیں۔ علاوہ ازیں قرآن حکیم نے ”عدل“ پر زور دیا ہے، یعنی دونوں بیویوں کے درمیان انصاف و مساوات، دوسرے لفظوں میں قرآن نے اس بات پر زور دیا ہے کہ جو شخص دو بیویوں کی کفالت نہیں کر سکتا اُسے دوسرا عقد کرنا ہی نہیں چاہیے (40)۔

تعداد از دواج سوال نمبر ۳۔ عقد ثانی کی صورت میں نصف تنخواہ کی کٹوتی

سوال نمبر 4: کیا یہ قانون ہونا چاہیے کہ دوسری شادی کرنے والے کی کم از کم نصف تنخواہ پہلی بیوی اور اس کی اولاد کو عدالت دلوائے؟

تجویز: کمیشن کی رائے یہ ہے کہ قانون میں کم از کم نصف تنخواہ پہلی بیوی اور اس کے بچوں کو ادا کئے جانے کی شرط نہ رکھی جائے بلکہ پہلی بیوی اور اس کے بچوں کی کفالت کے لئے خرچ اخراجات کا معاملہ عدالت کے اختیار تیزی پر چھوڑ دیا جائے۔ بعض حالتوں میں نصف تنخواہ پہلی بیوی اور اس کے بچوں کے گزارہ کے لئے ناکافی ثابت ہوگی اور بعض حالتوں میں یہ بھی ہوگا کہ سائل اپنے والدین یا دوسرے غریب رشتہ داروں کی بھی کفالت کر رہا ہے، اس لئے وہ اس قابل نہ ہو سکے گا کہ اپنی پہلی بیوی کو تنخواہ کا نصف ادا کرتا رہے۔ مدعا یہ کہ امور از دواج کی عدالتوں کو ہر منفرد کیس کے حالات کی جانچ خود کرنی چاہیے اور سب امور پر غور کر کے یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ دوسرا عقد کرنے کی اجازت دینے سے پہلے سائل کی پہلی بیوی کو کس مقدار میں گزارہ کی رقم ملا کرے گی (41)۔

تعداد از دواج کے سوال نمبر ۵۔

عقد ثانی کی صورت میں عدالت ضمانت لے

سوال نمبر 5: جن لوگوں کو بندی ہوئی تنخواہ نہیں ملتی ان کے لئے کیا عدالت ایسی ضمانت طلب کر سکتی ہے کہ سائل اپنی پہلی بیوی اور اس کے بچوں کی کفالت کے لئے آمدنی کا کم از کم نصف حصہ ادا کرتا رہے گا؟

تجویز: گزارہ کی رقم طے کرنے کے سلسلہ میں جو تصدیقات سوال نمبر ۴ کے ضمن میں گزری ہیں وہ اس سوال کے جواب پر بھی منطبق ہوتی ہیں۔ کمیشن کی رائے ہے کہ بندی ہوئی تنخواہ نہ پانے والے سائل سے ایسی ضمانت طلب کرنی چاہیے کہ وہ دوسرا عقد کرنے کے بعد اپنی پہلی بیوی اور اس کے بچوں کی کفالت کے لئے معقول رقم بطور گزارہ ادا کرتا رہے گا۔

تعداد از دواج۔ سوالات 1 تا 5 پر اختلافی نوٹ

نمبر 1 تا 5، اس موضوع پر بھی کمیشن نے جو سوالات قائم کئے ان میں سے ہے کہ اعزاز عمارت میں خود ہی جواب دینے کی کوشش بھی کی گئی ہے اور دوسروں کو جواب کی تلقین بھی، نہ کمیشن کی دیانت کارکردگی اس کی اجازت دیتی ہے اور نہ استصواب رائے کے اصول میں اس کی گنجائش ہے۔ اعزاز عمارت سے پاسانی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کمیشن کے افراد نہ قرآن و سنت کے پابند رہنا چاہتے ہیں اور نہ استصواب رائے کا احترام کرنا چاہتے ہیں بلکہ سوہنی گنجی اسکیم کے تحت ذاتی انکار و

توہمات کو شریعت کا نام دیکر قوم کے سروں پر تھوپنا چاہتے ہیں، اور حجرت بالائے حجرت ہے کہ کیٹھن کے وہ افراد جو امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کی ہمسری کے دعویدار ہیں چند خواتین کے ادارے اور ان کے ذاتی رجحان کی پیروی میں ایک آزاد کیٹھن کے وامن کو جنبہ داری سے ملوث کر رہے ہیں، حالانکہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد نے دین کی ترجمانی میں اپنے زمانے کے جائز و ناجائز حکمرانوں کی مزاحمت کی بھی پروا نہیں کی تھی۔

بہر حال انداز سوال انتہائی بے اصولی، غیر آئینی اور غلط ہے، اول تو اصولی طور پر کیٹھن کو یہ حق ہی حاصل نہیں ہے کہ تفسیر و فقہ کی تدوین یا تجدید کا کام شروع کر دے، بلکہ کیٹھن کا دائرہ عمل صرف یہ ہے کہ وہ ازدواجی امور سے متعلق مسائل شریعت کو جمع کر کے سفارشات کی صورت میں پیش کر دے، اس دائرہ عمل سے باہر قدم رکھنا بھی غیر آئینی ہے۔

ان تمام بے اصولیوں سے قطع نظر خود تعداد ازدواج کے مسئلہ کو سرے سے کیٹھن کی بحث میں شامل کرنے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوتی، جب کہ ہمارے ملک میں نہ تو لڑکیوں کی قلت یا کثرت تعداد سے پیدا شدہ مشکلات کا کوئی مسئلہ درپیش ہے اور نہ عام طور پر بلا ضرورت دوسری تیسری شادیوں کا رواج ہے بلکہ آج سے پچاس سال پہلے اس رسم کا غیر ضروری طور پر جو رواج تھا وہ بھی اقتصادی اور تعلیمی اثرات سے ختم جا رہا ہے۔

اس وقت محض چند ممتاز اور ذی اقتدار افراد قوم کی بلا ضرورت دوسری شادیوں سے ملک میں ہنگامہ بپا کرنا دوبارہ مردوں کے ذہنوں کو اس مسئلہ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے، اگر تعداد ازدواج واقعی عورت کی تباہی یا توہین کے مرادف ہے تو غیر شادی شدہ لڑکیوں کا شادی شدہ مردوں کے ساتھ دوستی کرنے، ناچنے، کھیلنے، پھر نکاح کی اجازت دینے کی ساری ذمہ داری بھی تو آخر اسی فرد کی ہے جو خود بھی عورت ہے اور جانتی ہے کہ پہلی بیوی کا گھر میرے آنے سے برباد ہو جائے گا، تو عورتوں میں یہ غیرت و حمیت کیوں نہیں ہے کہ وہ دوسری بیوی بن کر جانے سے انکار کر دے۔ حتیٰ کہ نام نہاد تحفظ حقوق نسواں کی علمبردار عورتوں میں بھی یہ کیریکٹر نہیں کہ وہ اپنے تعلقات و روابط میں اپنی مجلسوں اور سوسائٹیوں میں ایسی کتبہ خور عورتوں کو جگہ نہ دیں۔

اس مسئلہ کے اٹھانے میں سب سے بڑا محرک خود یورپ کے معاشرہ کی مروجہ بانہ اور کورانہ تقلید بھی ہے، ہمارے ملک کے وہ نوجوان مرد اور عورتیں جن کو یورپ کی سیر و سیاحت کا اتفاق ہوتا ہے اور وہاں ان کو یہ غیرت دلائی جاتی ہے کہ تمہارے ملک میں ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی

اجازت ہے، یہ بے چارے خیرہ چشم نوجوان اس کو معاشرہ کا بہت بڑا عیب سمجھ کر تعداد ازدواج سے انکار کر دیتے ہیں، اور دراصل ملک بھر کا یہی وہ طبقہ ہے جو اپنے ملک میں واپس آ کر ان کی تقلید کی خاطر اور اپنے انکار کی لاج رکھنے کے لیے اسلام کی اجازت تعداد ازدواج کے پیچھے ہاتھ دھوکے پڑا ہوا ہے، حالانکہ معاشرہ انسانی کے لیے نہ یہ کوئی تنگ و عار کا مسئلہ ہے اور نہ یورپ کا ایک بیوی والا طریقہ قابل تقلید کارنامہ ہے۔ اس لیے کہ اگر ہم یورپ کو اجازت ”زنا“ پر غیرت نہیں دلا سکتے تو پھر شرعی طور پر دوسری منکوحہ بیوی کی اجازت پر ہمارے شرمانے کی کیا وجہ ہے، اصل مقابلہ ایک عورت پر قناعت کرنے کا ہے، سو وہ اگر ہم نہیں کرتے تو اہل یورپ بھی نہیں کرتے، فرق صرف یہ ہے کہ ہم دوسری عورت سے شریعتاً معاہدہ اور شریعتاً ذمہ داریوں کے ساتھ تعلق بصورت نکاح اختیار کرتے ہیں اور وہ غیر شریعتاً اور غیر ذمہ دارانہ طریقہ پر چند بیویوں میں عورت کی عصمت سے کھیلنے ہیں۔ معلوم ہوا کہ دوسرا نکاح باعث تنگ نہیں ہے بلکہ ایک بیوی کے ہوتے ہوئے زنا موجب تنگ و عار ہے، جو یورپ کے تمام ممالک میں قانونی جرم نہیں قرار دیا گیا ہے بشرطیکہ عورت کی رضامندی سے ہو۔ یہ ہماری کوتاہ نظری اور احساس کمتری ہے کہ اپنے مذہب کے ایک جائز و معقول حکم سے بھی شرمانے ہیں اور دوسروں کو ان کے عیب پر بھی شرم نہیں دلا سکتے۔

حاصل یہ ہے کہ ہم کو ایسی قوم کی تقلید ہی کی کیا ضرورت ہے کہ جس کا ملکی قانون اور سماجی نظام نکاح کے علاوہ دوسرے طریقہ سے بھی جنسی خواہش کی تکمیل کو روا رکھتا ہو اور کورانہ تقلید کی اس سے زیادہ بدترین مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ تعداد ازدواج کو ہنگامہ قیامت قرار دینے والی عورتوں نے اور اس کی حمایت میں سفارشات پیش کرنے والے کیٹھن نے زنا کو قانونی جرم قرار دینے پر ایک حرف بھی نہیں لکھا، حالانکہ زنا ایک طرف جائز بیوی کی حق تلفی بھی ہے اور دوسری طرف ایک انجینی عورت کی عصمت پر ڈاکہ زنی بھی۔ اس طرح یہ مسئلہ خالص عائلی اور ازدواجی مسئلہ بن جاتا ہے۔

تحفظ حقوق نسواں کے علمبردار ادارے اور تعداد ازدواج کو تباہی نسواں قرار دینے والے رہنما پاکستان کے بازاروں میں عصمت فروشی کی دوکانیں ملاحظہ فرمائیں کہ ہزار ہا بیوہ اور عورتیں روزانہ کنوارے نوجوانوں کے علاوہ شادی شدہ مردوں کو بھی خراب کر کے ان کی منکوحہ بیویوں سے انہیں کس طرح بیزار بناتی ہیں اور گھر کے گھر پر باد ہو رہے ہیں، گویا کہ زنا قانون سے آزاد ہو اور تعداد ازدواج جرم، آوارگی کی اجازت ہو اور شرعی طور پر رفاقت ممنوع، جس سے معلوم ہوا کہ منکوحہ بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت سے جنسی خواہش پیدا کرنے پر نہ کیٹھن کو اعتراض ہے اور نہ تحفظ



حقوق نسواں کی علمبردار عورتوں کو بلکہ تعدد افراد سے صرف یہ مقصود ہے کہ دوسری عورت کو قید نکاح میں لاکر حقوق نکاح نہ حاصل ہونے پائیں، ظاہر ہے کہ اس میں جذبہ حق تلفی اور اقتصادی بغض کے سوا اور کوئی معقول جذبہ کارفرمائیں ہے، سوچنے کی بات ہے کہ اگر ہمارے ملک میں ایک مرد کو سینکڑوں بیوائیں رکھنا اور ان پر دولت لٹانا جرم نہیں اور ایک بیوہ کا ہزاروں مردوں کے ہاتھ عصمت فروشی جرم نہیں تو آخر جائز اور مباح میں تعدد ازدواج کے جرم ہونے کی معقول وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ کیا یہ مرد اور یہ عورتیں بھی ہمارے معاشرہ کا جز اور ہمارے ملک کا طبقہ نہیں ہے؟ ان حالات میں اگر جائز تعدد نکاح پر عدالتی بندش قائم کر دی گئی تو تعدد بلا نکاح یعنی زنا کی رسم اس سے زیادہ عام ہو جائے گی اور پورا معاشرہ سیدکاری کا عادی ہو جائے گا۔

### تعدد ازدواج کا فطری جواز

یورپ کی سیدکارانہ اور عیاش معاشرہ کی تقلید کو چھوڑ کر اگر نفس تعدد ازدواج کے مسئلہ پر خالص انسانی نفسیات کے نقطہ نظر سے غور کیا جائے کہ ایک سے زیادہ کی ضرورت اور اس کے جائز تقاضے ہو سکتے ہیں یا نہیں، جب بھی فطرت کا فتویٰ جواز کے حق میں ہوگا، مثال کے طور پر کسی ملک میں لڑکیوں کی پیداوار بہ نسبت لڑکوں کے زیادہ ہو اور لڑکیوں کا تناسب تین گنا ہو گیا ہو، جیسا کہ آج کل جاپان وغیرہ میں تقریباً یہی صورت ہے، تو ایک نکاح سے زیادہ بندش قائم کرنے کا حاصل دو تہائی عورتوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنسی تعلق کے فطری جذبہ سے محروم کر دینا ہے، جو اخلاقی، معاشرتی اعتبار سے طبقہ نسواں پر ناقابل برداشت ظلم ہے، کیا ایسی صورت میں ایک مرد کے ساتھ متعدد عورتوں کے نکاح کی اجازت دینا عورتوں کے حق میں رحمت نہ ہوگا؟ اور کیا اس طرح پر عورتیں اپنی عصمتوں کو محفوظ نہ کر لیں گی؟ ممکن ہے اس مثال پر اعتراض کیا جائے کہ اگر مردوں کی تعداد عورتوں سے تین گنی ہو جائے تو کیا اسی اصول پر ایک عورت کے لیے متعدد شوہروں کی اجازت بھی گوارا کی جاسکے گی؟

جواب یہ ہے کہ تناسب تعداد میں کمی بیشی علت حکم یا مدار جواز نہیں ہے بلکہ حکم کی مصلحتوں میں سے ایک مصلحت ہے۔ جہاں تناسب تعداد مردوں کا زیادہ ہو وہاں نہ شریعت کی طرف سے تعدد شوہر کی اجازت ہے اور نہ اخلاقی عرف اس کی اجازت دیتا ہے، اور اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ نظام ازدواج میں تناسل کی ذمہ داریاں مردوں اور عورتوں پر الگ الگ نوعیت کی ہیں۔ ایک کی حیثیت موثر کی ہے اور دوسرے کی حیثیت متاثر کی۔ ایک معطلی ہے دوسرا لینے والا، سوا ایک قطعہ

زمین جس کا کام حجم نباتی کو اپنی آغوش میں لے کر نمو بخشا ہے، ایک وقت میں ایک مزارع کے لیے اپنی صلاحیتیں بروئے کار لا سکتا ہے اور ایک وقت میں متعدد مزارعین کے لیے اپنی پوری صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ممکن نہیں ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ مداخل و مشارکت سے ایک طرف اصاحت حجم کا اندیشہ ہے اور دوسری طرف پیداوار کے غلط ملط ہونے کا شدید خطرہ، لیکن ایک مزارع متعدد قطعات زمین پر بیک وقت حجم ریزی کی صلاحیتیں بدون خطرات کے بروئے کار لا سکتا ہے۔

قرآن کریم نے ازدواجی رشتہ میں منسلک ہونے والے اجزا میں سے بیوی کو قطعہ زمین ہی سے تشبیہ دی ہے، فرمایا ”فما تلو احوالکم انہی شتم“ اور زنا کے حرام ہونے کی بڑی حکمت بھی نسب انسانی کو غلط ملط سے بچانا ہے، حاصل یہ کہ نظام تناسل میں موثر کا تعدد غیر فطری ہے اور متاثر کا تعدد عین مطابق فطرت۔ پیدا شدہ مشکلات کا حل فطری طریقہ کے مطابق تو ممکن ہے اور خلاف فطرت ممکن نہیں ہے، یا مثلاً عورت بانجھ ہو، جس کے اولاد نہیں ہوئی یا دائم المرض ہو کہ حقوق ازدواج ادا کرنے کے قابل نہ ہو، ایسی صورت میں خود عورت بھی اپنے تمام نسوانی جذبات کے باوجود شوہر کو دوسرے نکاح کی اجازت دے دیتی ہے اور خود بھی اس شوہر کے نکاح میں رہنا پسند کرتی ہے، کیا خالص انسانی نفسیات کے نقطہ نظر سے یہ اجازت کوئی نا انسانی یا غیر فطری ہے؟ بلکہ درحقیقت اجازت نہ دینا مرد پر صریح ظلم ہے اور مرد کے قدرتی و فطری جذبات کو نظر انداز کر دینا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یا بے قصور عورت کو کسی نہ کسی بہانے سے گھر سے نکالنا ہوگا یا معذور بیوی کو گھر میں ڈال کر زنا وغیرہ کے ذریعہ جذبات جنسی کو پورا کرے گا اور انسانی معاشرہ میں دونوں ناقابل برداشت ہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ تعدد ازدواج فی نفسہ نہ غیر معقول ہے اور نہ معاشرہ کے لیے تنگ و عار، بلکہ ازدواجی و عائلی نظام کا ایسا لازمی جزو ہے کہ جس کے بدون نظام ازدواج جامع اور مکمل نہیں ہو سکتا۔

### تعدد ازدواج کی شرعی حیثیت

کمیشن کی رپورٹ میں سورۃ نساء کی آیت نکاح کو صرف لڑکیوں کے ساتھ خاص کر کے تعدد ازدواج کو ناجائز قرار دینے کی جو سفارش پیش کی گئی ہے وہ یا تو دین سے انفس ناک حد تک ناواقفیت کا نتیجہ ہے اور یا دیدہ و دانستہ دین میں نہایت متبدل قسم کی تحریف ہے ”وان خلفکم الا لفسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلاث ورباع“ یہ پارہ

4 سورہ نساء کی آیت ہے۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت میں یتیم لڑکیوں کے ولی یتیم لڑکیوں کی حق تلفی کیا کرتے تھے، وہ یتیم لڑکیاں جو حسین اور دولت مند ہوتی تھیں ان کو معمولی معمولی مہر پر اپنے نکاح میں لے لیتے تھے اور مقصد ہوتا تھا کہ یتیم لڑکیوں کے املاک پر بذریعہ نکاح قابض ہو جائے۔ دوسرے مہر کی مقدار اور ادائیگی کے سلسلے میں بھی حق تلفی اور پامالی ہوتی رہتی تھی، حتیٰ کہ بعض اوقات یتیم لڑکی جو صرف مالدار تو ہے، مگر خور و نہیں ہے تو مال کی خاطر ان سے نکاح تو کر لیتے تھے، لیکن ازدواجی مراسم نہ ہوتے تھے، قرآن کریم کی اس آیت نے اولیا کو حق مہر کی ادائیگی اور حقوق ازدواج کی حفاظت پر متنبہ کیا اور فرمایا ”وَأَن خُفِّمَ أَلَا تَقْسُطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَالْيَتَامَىٰ سَاطِبُ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَنَّىٰ وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ“ یعنی اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر دوسری عورتوں میں سے جو پسند ہوں ان سے نکاح کر لو، دو سے، تین سے اور چار سے، یعنی یتیم کے مالی و ازدواجی حقوق کا نگران سوائے ولی کے کوئی نہیں ہوتا، اب اگر خود تم بھی ان پر ظلم کرنے لگے تو ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، جب تمہیں یہ اندازہ ہو جائے کہ تم یتیم لڑکیوں کو نکاح میں لا کر ان کے پورے حقوق مالی و ازدواجی ادا نہیں کر سکو گے تو پھر یتیم لڑکی ہی سے شادی کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ علاوہ ان کے اور دوسری عورتوں میں جس سے مناسب سمجھو نکاح کر لو، چار تک ”وَأَن خُفِّمَ أَلَا تَعْدِلُوا الْوَاحِدَةَ“ اور اگر ان میں بھی باہم عدل نہ ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر ایک ہی سے نکاح کر لو ”ذَٰلِكَ ادْنَىٰ لَا تَعْمَلُوا“ یہ تمہاری طرف سے حق تلفی نہ ہونے کی مناسب صورت ہے۔

ان آیتوں میں اقساط، عدل اور عول تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اقساط کے معنی ہیں حقوق واجب الاداء میں برابری اور یہی معنی ہیں عدل کے یعنی حقوق واجب الاداء میں برابری اور عول مذکورہ بالا دو لفظ اقساط اور عدل کی ضد ہے، یعنی حقوق واجب الاداء میں کمی کرنا، ادا نہ کرنا، یعنی ظلم و حق تلفی۔

حقوق ازدواج واجب الاداء یہ ہیں، نان نفقہ، شب بامی میں باری مقرر کرنا اور مہر جاہلیت میں بالعموم وہ اولیاء جن کے قبضہ میں یتیم لڑکیاں اور ان کے اموال ہوتے تھے، صرف مال پر قبضہ رکھنے کی خاطر دوسرے مردوں سے یتیم لڑکیوں کا نکاح نہیں کرتے تھے کہ کہیں مال اپنے قبضہ سے نہ نکل جائے، خود نکاح کر کے گھر میں ڈال لیتے تھے، اور کوئی حق بھی ادا نہیں کرتے تھے۔ ازدواجی

تعلق کے لیے کسی دوسری عورت سے شادی کر لیتے تھے۔

قرآن کریم نے فرمایا کہ اگر یتیم لڑکیاں تمہاری نظر میں حسین و جمیل نہیں ہیں اور اس وجہ سے تم حقوق ادا نہیں کر سکتے، تو پھر صرف مال پر قابض ہونے کے لیے ان سے نکاح کر کے ڈال دینا بہت بڑا ظلم ہے، بہتر یہ ہے کہ کسی دوسری جگہ نکاح کر کے اس کے اموال بھی دیدو، اور تم ان یتیم بچیوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے کر لو، اور وہ بھی چار تک گویا کہ یتائی سے متعلق تو صرف یہ ہے کہ نکاح کر تو خاص طور پر ذمہ داری بھی پوری کرو، اور حق تلفی کا ظلم نہ کرو، مگر ”مَنَّىٰ وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ“ کا کوئی تعلق بھی یتائی سے نہیں، بلکہ عمومی طور پر اظہار حکم ہے، خواہ یتیم لڑکیاں ہوں یا غیر یتیم، بیوہ ہوں یا کنواری، اس عمومی آیت میں یتائی کے ازدواجی حقوق پر خاص تنبیہ کے علاوہ تعدد کے حکم یعنی ”مَنَّىٰ وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ“ کو یتائی کے ساتھ خاص کر دینا دین و تاریخ سے افسوس ناک حد تک ناواقفیت کا شاہکار ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن پر یہ آیت اتری تھی اور جس کی تفسیر و تشریح خود حضور کی ذمہ داری تھی، کیا عملاً و قولاً اس آیت کو یتائی کے بارے میں خاص فرمایا، ذات نبوی کی امتیازی خصوصیات کو تسلیم کرتے ہوئے کیا خود حضور کے زمانہ حیات میں جلیل القدر صحابہ کی غیر یتیم متعدد بیویاں نہ تھیں؟ کیا حضور نے کسی صحابی کو تعدد سے منع فرمایا؟ حتیٰ کہ جب حضور کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے قاطعہ ہرارضی اللہ تعالیٰ عنہا پر دوسری بیوی لانے کا خیال ہوا اور حضور نے اس خیال کو پسند نہیں فرمایا تو کیا وہ یتیم لڑکی سے نکاح ثانی کا ارادہ تھا یا حضور نے لڑکی کے غیر یتیم ہونے کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عقد ثانی کے حرام ہونے کا حکم دیا تھا۔ کیا ساڑھے تیرہ سو سال سے اب تک اسوۂ رسول، تعامل صحابہ، اجماع امت اور علماء سلف و خلف کے فتاویٰ سے زعمہ ماں باپ والی لڑکیوں سے تعدد ازدواج کے جواز پر شاہد نہیں ہیں؟

اور اگر کمیشن کی نظر میں یہ کل کا کل سرمایہ شریعت غلط ہے تو پھر کمیشن کی رائے کو اس قیمتی سرمایہ کے مقابلہ میں غلط کہنا اور رد کرنا آسان بھی ہے اور اصول عقل کے مطابق بھی، کمیشن جو شریعت بتلانے کے لیے مقرر ہوا تھا وہ شریعت کو بنانے کا کام کیسے کرنے لگا؟ پھر کمیشن کو استنباط احکام کا یہ ابتدائی اصول بھی معلوم نہیں کہ ”لَا عِبْرَةَ لِمَا كَانَ مِنْ قَبْلِهِ“ یعنی اگر کوئی حکم کسی خاص واقعہ پر بھی نازل ہوا ہو تو خصوصیت واقعہ کی بنا پر آیت قرآنی کے حکم کا خاص ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ حکم عام ہوتا ہے اور جہاں حکم خاص ہوتا ہے اس کی تعیین بھی اجتہاد مطلق کا کام ہے اور اگر کمیشن

کے غلط اجتہاد کو تھوڑی دیر کے لیے صحیح تصور کر لیا جائے کہ یہ آیت تو صرف یتیم لڑکیوں کے بارے میں تعدد کے لیے خاص ہے تو یتیمی بلوغ سے پہلے ہوتی ہے۔

سوال نمبر (4) چار میں کیشن نے خود ہی یہ اجتہاد کیا تھا کہ عمر نکاح بلوغ ہے اور نابالغ کا نکاح ناجائز و غیر قرآنی ہے، حالانکہ یہاں یتیمی کے ساتھ مخصوص کر کے بلوغ سے پہلے جواز نکاح کو تسلیم کر رہے ہیں، نیز اگر آپ کے اجتہاد کے مطابق اس آیت کو یتیم لڑکیوں کے ساتھ چار تک نکاح کی اجازت کے لیے خاص مان لیا جائے تو بھی اس آیت سے جواز تعدد بھی ثابت ہے اور نابالغ کے نکاح کا جواز بھی۔ آپ کے اجتہاد میں یہ تضاد و تضاد کبھی کیا ہے؟ نیز آپ کے اجتہاد کے مطابق یتیم لڑکیوں کے ساتھ چار تک نکاح کی اجازت سے دو یا تین باتیں ثابت ہو گئیں، ایک تعدد، دوسرے نابالغ کے نکاح کا جواز۔ پھر بھی کہنا پڑے گا کہ اگر چار تک نکاح کی تعداد بھی صرف یتیم لڑکیوں کے بارے میں ہے تو پھر گویا غیر یتیم لڑکیوں کے بارے میں تو کوئی قید ہی باقی نہیں رہتی، خواہ چار کی جائیں یا چار سے بھی زیادہ، ورنہ کوئی دوسری آیت غیر یتیم لڑکیوں کے بارے میں مقدار مقرر کرنے والی پیش کرنی ہوگی۔ نیز اگر یہ آیت صرف یتیمی کے لیے خاص ہے تو اس آیت کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے ”والتوا النساء صدقاتھن“ یعنی ان کے مہروں کو ادا کرتے رہو، تو یہ بھی یتیمی بیویوں کا مخصوص حق ہے، غیر یتیمی بیویوں کا حکم کہاں گیا؟ کیا غیر یتیم لڑکیوں کے مہر کی بابت بھی یہی حکم نہیں ہے؟ افسوس! فہم و فراست سے عاری ممبران کیشن اللہ کی کتاب میں تحریف کرنے کے لیے کس درجہ جری اور بے باک نظر آتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کا حکم عام ہے، اور چار نکاح کی حد تک کوئی بندش اور قید نہیں لگائی، ایسی صورت میں تعدد از دواج کو غیر قانونی قرار دینا یا اس پر کوئی پابندی عائد کر دینا اللہ کے دین میں مداخلت کرنا ہے۔ قرآن کریم کا یہ حکم عام اور غیر متغیر ہی رہنا ضروری ہے، اگر حکومت نے کیشن کی سفارش کے مطابق قانونی پابندی عائد کی اور شار و اہل کی عملی مخالفت کی طرح عام مسلمانوں نے دوسری، تیسری بیوی کر کے احتجاج کیا تو ملک میں بڑا زبردست معاشرتی اختلال پیدا ہو سکتا ہے۔

### قرآن کی اجازت کو عیاشی کا ذریعہ نہ بنانا اور اس کا انسداد

رہی یہ بات کہ فی زمانہ تعدد از دواج کی اجازت کو عام طور پر عیاشی کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے اور اس اجازت کے استعمال سے بہت سی عورتوں کی حق تلفی اور خاندانوں کی تباہی ظہور میں

آ رہی ہے، سو مجھے اس کا اعتراف ہے اور کیشن کے دوسرے ممبران سے زیادہ اپنے دارالافتاء میں صبح سے شام تک تباہی و بربادی کی ایسی دردناک مثالوں سے میرا واسطہ رہتا ہے لیکن اس کی وجہ تعدد از دواج کی اجازت نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ ازدواجی و عائلی نظام شریعت کے قیام سے محرومی ہے۔ دنیا کا کوئی نظام بھی خواہ کتنا ہی بہتر ہو جب تک کہ وہ اپنے تمام ایجابی و سلبی اجزاء کے ساتھ قائم نہ کیا جائے تب تک کسی ایک دو جز سے اس کے اچھے برے ہونے کا اندازہ لگانا صحیح نہیں ہے، نظام ازدواجی و عائلی بھی ایک مکمل نظام ہے۔

جس کے تمام ایجابی و سلبی اجزاء باہم اس طرح مربوط ہیں جیسے ایک مکان کی اینٹیں کہ درمیان میں سے کسی ایک اینٹ کو نکال لینے سے سارا مکان دھڑام سے گر پڑتا ہے، تعدد از دواج جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ ایک متمدن اور مذہبی نظام عائلی و ازدواجی کا لازمی جزو ہے، اس میں بہت سے عائلی و ازدواجی پہلو کی مصلحتیں مضمر ہیں، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس اجازت سے بلکہ دوسری شرعی اجازتوں سے بھی حقوق نسواں کی حق تلفی اور عیال سے لاپرواہی کا اندیشہ ہوا کرتا ہے، اس لیے شریعت نے عدل و برابری، نان نفقہ اور پرورش اطفال کی ذمہ داری کو اپنی قائم کردہ عدالتوں کے ذریعہ پورا کیا۔ اگر تعدد از دواج کی اجازت تو قائم رہے اور پیدا شدہ حق تلفی کے انسداد کا کوئی انتظام نہ ہو تو یہ تصور تعدد از دواج کا تصور نہیں ہے، انتظام کی خرابی ہے۔

اور یہ خرابی تو ایک نکاح کی ذمہ داریوں سے غفلت برتنے پر بھی ظاہر ہو سکتی ہے، تو کیا انتظام انسداد نہ ہونے کی وجہ سے ہم ایک نکاح کو بھی ظلم کی جز قرار دیں گے؟ اصل وجہ یہ ہے گذشتہ برطانوی دور میں جن مسلمانوں کے ہاتھ میں قانون سازی یا عدالت کا کام رہا وہ لوگ نہ شریعت کے نظام عائلی و ازدواجی کا علم رکھتے تھے اور نہ ان کے دلوں میں عورتوں کی مظلومی و بے کسی کا کوئی درد تھا، اس لیے قانون سازی میں نمائندگی بھی غلط اور ظالمانہ کی اور فیصلوں میں بھی دولت و عمر دونوں کو ضائع کر کے عورت کے جذبہ دادخواہی کو فغا کر دیا۔ معاشرہ کی موجودہ مشکلات حقیقت میں اسی بنیادی خرابی کے ظلم کے نتائج ہیں کہ قانون مکمل ہے اور نہ دادخواہی کے ذرائع آسان اور سہل ہیں اور حق تلفیوں کی مشکلات آج ایک بیوی کے مسئلہ میں اور چار بیویوں کے مسئلہ میں یکساں طور پر ہیں بلکہ زندگی کے بہت سے امور میں سستا اور جلد انصاف نہ ملنے کی وجہ سے انہیں مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، حاصل یہ ہے کہ مشکلات تباہیوں اور بربادیوں کا واحد علاج ازدواجی عدالتوں کا قیام ہے، جہاں عدل، نان نفقہ، مہر، پرورش اطفال سے غفلت وغیرہ جیسے تمام



امور میں بغیر کسی خرچ اور بغیر زحمت و انتظار کے انصاف میسر آ سکے اور ایسی سہولتوں کے ہوتے ہوئے پہلی یا دوسری بیوی کے ساتھ عدل قائم نہ ہونے کے مقدمات آسانی سے دائر ہو سکتے ہیں، اور عدالت کی اس جائزہ عدالت سے مردوں کا مزاج خود ہی درست ہو جائے گا، اور جہاں ایسی سہولتیں موجود ہیں وہاں عورت پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہو سکتا، بلکہ مرد ہی مظلوم معلوم ہوتے ہیں، پھر کسی قانون کی بہتری اور سقم پر تبصرہ کرنے سے پہلے یہ حقیقت ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ عین منشاء قانون کے مطابق عمل کرانے والا جذبہ اور محرکہ صرف قانون کی عظمت اور افضلیت کا احترام ہے اور خود عظمت و احترام کا جذبہ کسی قانون کی گرفت یا بندش سے نہیں پیدا ہو سکتا بلکہ صرف تعلیم و تربیت ذہنی سے یہ جو ہر پیدا کیا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جس قانون کے لیے معاشرہ کا ذہن تیار نہ کیا ہو، خواہ وہ انسانی قانون ہو یا قانون الہی، ایسے قانون پر کبھی مخلصانہ انداز میں عین منشاء قانون کے مطابق عمل درآمد ہونا تقریباً ناممکن اور دشوار ہے۔

چنانچہ ازدواج کی اباحت و اجازت کو عیاشی کے طور پر استعمال کرنا کہ چار بیویوں میں سے روزانہ ایک کو طلاق دے کر نئی بیوی کرتے رہنا یقیناً منشاء اجازت نہیں ہے، لیکن اگر اسلام کی اجازت کے نام پر یہ ہو رہا ہے تو اس کا علاج اصل اجازت کو ختم کر کے دین کی بہت سی مصلحتوں کو فوت کر دینا کوئی دانش مندانہ علاج نہیں ہے۔ جو لوگ اجازت کو دینا مندری کے ساتھ استعمال کرنے کے عادی ہیں، ان کے لیے بھی یہ راستہ بند کر دیتا ہے اور جو پہلے ہی سے خدا سے بے خوف ہو کر اس کے قانون سے کھیلتے رہے ہیں وہ اس پابندی پر بھی کوئی دوسرا چور دروازہ تلاش کر لیں گے۔ اس کا واحد حل یہی ہے کہ منشاء قانون کے مطابق عمل کے لیے معاشرہ کی ذہنی تربیت کرنی چاہیے اور افسوس ہے کہ اس کے لیے نہ تحفظ حقوق نسواں کے ادارے تیار ہیں اور نہ کمیشن کے مجتہد اس امر کو ضروری سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سفارشات میں اسلامی معاشرہ کی دینی تربیت، اخلاقی، اصلاح اور خدا ترسی وغیرہ کے جذبات پیدا کرنے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا، حالانکہ یہی وہ بنیادی مرض ہے جس نے پوری زندگی کو جہنم بنا کر رکھا ہے، غرضیکہ قرآن و سنت کی دی ہوئی اجازت میں رد و بدل کرنے سے مشکلات اور زیادہ بڑھیں گی البتہ ذہن کی تربیت سے مفاسد کا علاج ممکن ہے، حاصل یہ کہ اجازت کے غلط استعمال سے اجازت کو بند کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح استعمال کے لیے ذہنی تربیت کی ضرورت ہے۔

عدالت سے اجازت لینے کی پابندی عورتوں کی مشکلات کو بڑھا دے گی پھر اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر ان معقول وجوہ کی بناء پر جن کو پہلی بیوی معقول سمجھ کر اجازت دے رہی ہے، اگر کورٹ نے اپنی رائے میں شوہر کی مالی حیثیت کو غیر اطمینان بخش سمجھ کر اجازت نہیں دی تو پہلی یا دائم المرض بیوی جو شوہر سے الگ ہو کر اپنی زندگی خراب کرنا نہیں چاہتی ہے، وہ بالآخر خواہی خواہی دوسری بیوی کی گنجائش کی خاطر طالعہ کر دی جائے گی، اس زبردستی کی طالعہ کی ذمہ داری مرد پر نہیں ہے بلکہ دوسری بیوی سے متعلق کورٹ کی عائد کردہ پابندی پر ہے، علیٰ ہذا اس زمانہ میں عام طور پر جو دوسری، تیسری شادیاں ہو رہی ہیں وہ بطور حالات کے ہوئی ہیں، یعنی یہ کہ پارٹیوں اور کلبوں میں حادثہ پیش آ جاتا ہے، پھر یہ حادثہ قید شریعت میں تبدیل ہو جاتا ہے، اب حادثہ تو پہلے پیش آ گیا لیکن اگر بالفرض اگر کورٹ اجازت نہیں دیتی تو اب یا تو دوسری بیوی کو لانے کی خاطر پہلی بیوی بچوں کے بھرے بھرائے گھر کو ویران کرنا پڑے گا یا پہلی بیوی بچوں کو رکھنے کی خاطر دوسری عورت سے بدوں قید شریعت کے ناجائز تعلقات قائم رکھے گا، گویا کورٹ کی پابندی سے ایک طرف پہلی بیوی کا گھر برباد ہوتا ہے اور دوسری طرف تمام عمر زنا کا ارتکاب جاری رہتا ہے۔

عدالت سے اجازت لینے کے مسئلہ میں ایک قباحت یہ بھی ہے کہ شوہر کو لامحالہ اپنی درخواست میں پہلی بیوی کے کچھ نہ کچھ عیوب بیان کرنا ہوں گے، امراض اور بدعنوانیوں کو درج کرنا پڑے گا تا کہ کورٹ اجازت دے سکے، لیکن جب عدالت ان پردہ نشین شریف زادوں کا سرکاری معاشرہ کرائے کی تاکہ ثبوت مل جائے، تو کیا عورتیں اس کو گوارا کر سکیں گی؟ اور کیا مرد کی رشوت کے مقابلہ میں وہ الزامات کو دور کرنے میں کامیاب ہو سکیں گی؟ کیا خواتین بدنامی و رسوائی کے اس غلط جذبہ کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتی ہیں؟

### بیویوں میں عدل کا مسئلہ

”رہی یہ بات کہ شریعت نے جو نکاح عانی پر عدل کی پابندی عائد کر دی ہے اس کی وجہ سے نکاح پر عدالت کو کنٹرول کرنے کا حق ہے کہ عدل کی ذمہ داری شریعت نے عائد کی ہے“ مگر لفظ عدل قرآن کریم میں مختلف معنی کے لیے استعمال ہوا ہے یا یوں کہیے کہ ایک عدل حقیقی ہے اور دوسرا عدل اصطلاحی، عدل حقیقی کے معنی ہیں حقیقی مساوات و برابری، حتیٰ کہ دل کے میلان اور محبت میں بھی برابری، ظاہر ہے کہ دل کی کیفیت پر انسان کو اختیار نہیں، اور جو چیز اختیار انسانی سے خارج ہو

وہ مراد شریعت نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ شریعت اختیاری امور میں حکم دیتی ہے، غیر اختیاری سے شریعت کو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا وِزْرًا وَمَنْعَهَا" یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو غیر اختیاری امور کا ذمہ دار نہیں بناتا۔ یہی وہ عدل حقیقی ہے جس کی نفی قرآن کریم نے کر دی ہے "وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ فَتَدْرُوا هَآكُلَ الْمَعْلُوقَةِ" یعنی تم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ تمام بیویوں میں ہر طرح سے برابری (یعنی عدل) رکھو، گو تمہارا کتنا ہی جی چاہے سو بالکل ایک طرف نہ ڈھل جاؤ کہ اس کو ادھر میں لٹکی ہوئی بنا کے ڈال دو۔

گویا محبت قلبی میں عدل کرنا ممکن نہیں اور یہ غیر اختیاری ہے لیکن پھر بھی ظاہری برتاؤ میں برابری رہے اور اس ظاہری برتاؤ کو عدل شرعی اور اصطلاحی کہتے ہیں، یہی مقصود شریعت ہے، اسی کو قرآن کریم نے فرمایا کہ "وَأَنْ خِفْتُمْ أَلا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً" یعنی ظاہری برابری اگر نہ کر سکو تو پھر ایک ہی کرنی چاہیے۔

حاصل یہ ہے کہ جو عدل مقصود شریعت نہیں ہے وہ عدل حقیقی غیر اختیاری ہے اور اس کو قرآن نے ناممکن بتلایا ہے اور جو عدل مقصود شرعی ہے، یعنی ظاہری برتاؤ، وہ ممکن بھی ہے اور اس کی نفی قرآن کریم نے نہیں فرمائی، اب اگر عدل سے عدل حقیقی مراد لے کر یہ کہیں کہ قرآن کریم نے عدل کو ناممکن بتلایا ہے اور عدل ناممکن ہونے کی وجہ سے تعدد نکاح بھی ناجائز ہوا تو جہاں تک عدل حقیقی کا تعلق ہے وہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نہ تھا، یعنی دلی محبت میں برابری، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس قدر محبت عائشہ صدیقہ سے ہے اتنی اور کسی بیوی سے نہیں" تو کیا نعوذ باللہ آپ نے ازدواج مطہرات کے ساتھ عدل قائم نہیں فرمایا تھا، ظاہر ہے کہ آپ نبی ہیں، آپ نے عین حکم خداوندی کے مطابق بہترین عدل فرمایا تھا، مگر وہ ہی جو اختیار میں ہے، یعنی ظاہری برتاؤ میں برابری، نفقہ اور شب باشی میں برابری، یہ عدل ممکن العمل ہے اور یہی مقصود آیت ہے، ورنہ یوں تو قرآن کریم میں "اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى" سے ہر کام میں عدل کا حکم دیا گیا ہے اور چونکہ عدل کرنا ممکن فرمادیا، لہذا کوئی کام بھی نہیں کرنا چاہیے۔ عدل شرعی ممکن بھی ہے اور قائل عمل بھی، البتہ نکاح سے پہلے عدل کے اطمینان و عدم اطمینان کا مسئلہ کورٹ کی طرف سے نہیں چھیڑا جاسکتا، اس لیے کہ عدل وہ ذمہ داری ہے جو نکاح سے قائم ہوتی ہے، اور جب تک ذمہ داری کی بنیاد قائم ہو اور عورت خلاف عدل کی مدعیہ نہ ہو، شوہر جرم نہیں ہوتا، یعنی قائم ہونے والی ذمہ داری ابھی قائم نہیں ہوئی، پھر قائم ہونے کے بعد اس کی خلاف ورزی

عدالت کے علم میں نہیں آتی تو عدالت کو قبل از قیام ذمہ داری اور قبل از ارتکاب خلاف ورزی دخل دینے کا حق کہاں سے دیا جاسکتا ہے؟ کیا دنیا کا کوئی عدالتی نظام ایسی بے انصافی کو گوارا کر سکتا ہے؟ اس مسئلہ میں کمیشن کی سفارشات کا یہ جزو سب سے زیادہ دلچسپ اور اہم ہے کہ اجازت دینے سے پہلے عدالت مرد کی مالی حالت کا اندازہ قائم کر لے کہ آیا وہ دو بیویوں کا خرچ اٹھا سکے گا یا نہیں، حالانکہ عدل کے مفہوم میں صرف نان نفقہ ہی تو نہیں ہے، بلکہ شب باشی میں برابری بھی ہے، ظاہری برتاؤ بھی ہے، کمیشن کی سفارشات میں تعدد کے جواز اور عدم جواز کو صرف مالی حالت پر موقوف کرنا گویا صاف طور پر ایک غریب کے لیے خواہ کتنے ہی معقول وجوہ ہوں تعدد ازدواج کا راستہ بند کرنا ہے، اور ایک دولت مند صاحب ثروت کے لیے خواہ وہ تہذیبی ذائقہ کے لیے ہی دوسری بیوی کرنا چاہتا ہو سہولت و آسانی ہے، اس سفارش سے حقوق نسواں کے تحفظ کا راز قاش ہو گیا، اس کے تحت کہ امیروں کو بدستور دوسرے نکاح کی اجازت رہے گی اور غریب کے لیے بندش کا قانون بن جائے گا۔ حق عدل کی مقدار قائم کرنے کا استحقاق عدالت کو نہیں ہے بلکہ عورت کو ہے اور مدعیہ کے مطالبہ کے بدوں عدالت کو دخل دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی وحی کا سرچشمہ اور اس کے احکام ہی ہماری زندگیوں کو جنت بنا سکتے ہیں اور انسانی افکار و توہمات ہمارے حالات کو پیچیدہ تر بنا دیں گے۔ رب کائنات انسانوں پر جس درجہ شفیق و مہربان ہے خود انسان انسان پر اتنا مہربان نہیں ہو سکتا، کیونکہ انسانی معاشرہ میں انسان فریق ہے اور حق تعالیٰ کی نظروں میں سب فریق یکساں ہیں۔

عقل خود میں غافل از بہبود غیر سود خود بیند نہ بیند سود غیر

وحی حق بیند سود ہمہ در نگاہش سود و بہبود ہمہ

مہر کے سوال نمبر 1 کی سرکاری تجویز۔ مہر واجب الادا ہو

سوال نمبر 1: کیا آپ کے نزدیک یہ قانون بن جانا چاہیے کہ معاہدہ ازدواج میں جو مہر مقرر کیا گیا ہے، خواہ اس کی مقدار کتنی ہی کثیر کیوں نہ ہو شوہر کے لئے واجب الادا ہے؟

تجویز: ہمارے معاشرے میں ایک بہت بری بدعت یہ ہو گئی ہے کہ نہایت بڑی رقم مہر کی بانٹھی جاتی ہیں اور کوئی نیت و ارادہ نہیں ہوتا کہ اس کو ادا کیا جائے گا۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ مہر کی بڑی بڑی رقمیں اس وجہ سے مقرر کی جاتی ہیں کہ یا تو شوہر کے وقار و عزت کا پاس ہوتا ہے یا بیوی کی حیثیت کی بحکرم منظور ہوتی ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ اگر بڑی رقم مہر فی الواقعہ بنجیدگی کے ساتھ

بھی ملے ہوتی ہے تو مقدمہ بازی ہونے کی حالت میں عدالت میں جا کر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس رقم کی ادائیگی کا کوئی سوال ہی نہیں ہے کیونکہ طرفین کا ارادہ نہ دینے کا تھا نہ لینے کا، اور یہ کہ کبھی اس کا مطالبہ کیا ہی نہیں جائے گا، گویا یہ صرف زینت اور نام و نمود کا مہر ہے۔ عدالتیں مجبوراً بہت سی تنقیحات و تصریحات مقدمہ قائم کرتی ہیں اور دیوانی عدالتوں میں مہر کے یہ مقدمے بعض اوقات دس دس سال تک چلتے رہتے ہیں۔

پہلے مقدمہ میں اگر عورت ہار جائے اور اکثر یہی ہوتا ہے تو اب اس کے پاس اتنی رقم موجود نہیں ہوتی کہ بھاری کورٹ فیس لگا کر اس فیصلے کے خلاف عدالت اپیل میں مرافعہ کر سکے اور پھر یہ بھی ہے کہ اگر مقدمہ جیت بھی گئی تو سالوں یہ مقدمہ بازی چلتی رہتی ہے کہ ڈگری کا اجراء کس طرح عمل میں لایا جائے۔ اگر اس قسم کی باتوں کا سد باب کر دیا جائے تو عورتوں کی طرف سے مہر کی رقم طلب کرنے کے مقدمات کا فیصلہ بہت جلد ہو جایا کرے اور جس بدعت کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ بھی آہستہ آہستہ خود بخود ختم ہو جائے گی۔ اس لئے تجویز کیا جاتا ہے کہ ایک قانون اس نوعیت کا بنایا جائے کہ مہر خواہ کتنا ہی بڑا ہو اس کی ادائیگی شوہر کو لازماً کرنی پڑے گی (42)۔

### مہر کے سوال نمبر 1 پر اختلافی نوٹ

مہر کے سلسلے میں ادائیگی کے متعلق قوانین بنانے ضروری ہیں مگر مہر میں بڑی بڑی مقدار مہر کی حوصلہ افزائی نہیں ہونی چاہیے اور مہر مثل شریعت میں اس کا معیار ہے۔

مہر کے سوال نمبر 2 کی سرکاری تجویز۔ مطالبہ مہر کا وقت متعین نہ ہو۔

سوال نمبر 2: کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ مطالبہ مہر کے لئے از روئے قانون کسی مدت و وقت کا تعین نہ ہو؟

تجویز: آج کل کا موجودہ قانون تو یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے مہر طلب کرے اور وہ دینے سے انکار کرے تو اسے اپنے مطالبے کے تین سال کے اندر اندر شوہر پر مقدمہ دائر کر دینا چاہیے ورنہ پھر مہر طلب نہیں کیا جاسکتا۔ پس اگر اپنے شوہر سے مصالحت ہو جانے کی بنا پر عورت تین سال تک مقدمہ نہ کرے تو اس کا حق مہر بالکل ختم ہو جاتا ہے اور ساری عروہ اپنا مہر طلب نہیں کر سکتی۔ عورتوں کی بے شمار تعداد قانون کے اس پہلو سے بالکل ناواقف ہے اور اس طرح عورتوں کے ساتھ بڑی سخت ناانصافی ہوتی ہے۔ لہذا یہ سفارش کی جاتی ہے کہ ایسا قانون بننا چاہئے کہ مہر

کے مقدمہ کے لئے کوئی معین وقت و مدت درکار نہیں ہوگی (43)۔

مہر کے سوال نمبر 3 کی سرکاری تجویز۔ کل مہر متعین ہو۔

سوال نمبر 3: اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر نکاح نامے میں ادائے مہر کی صورت کا کوئی تعین نہ ہو تو نصف مہر متعین (عند الطلب) اور نصف دیگر متعین (بعد انفساخ نکاح یا وفات شوہر یا صورت طلاق) شمار ہو؟

تجویز: کمیشن کی رائے یہ ہے کہ اگر نکاح نامہ میں رقم مہر کی ادائیگی کی بابت تفصیل درج نہ ہو تو پورا کا پورا مہر عورت کے نزدیک متعین تسلیم کیا جائے، یعنی جس وقت عورت مطالبہ کرے اس کی ادائیگی فوری لازم ہو جائے (44)۔

تولیت کے سوال نمبر 1 کی سرکاری تجویز۔ نابالغ بچوں کی تولیت کی عمریں۔

سوال نمبر 1: آج کل کیفیت یہ ہے کہ ماں کو اپنے نابالغ بچوں کی تولیت کا حق پہنچتا ہے اور یہ تولیت بچوں کی ایک خاص عمر تک سمجھی جاتی ہے، یعنی لڑکے کی تولیت سات سال کی عمر تک اور لڑکی کی اس کے سن بلوغ تک پہنچنے تک۔ تولیت کی یہ حدود ایسی ہیں کہ جن کا قرآن و حدیث سے کوئی جواز ثابت نہیں ہوتا بلکہ بعض مسلم فقہاء کے آراء کے مطابق یہ عمریں تولیت کی رواج میں آگئی ہیں۔ آپ کی رائے میں کیا اس سلسلہ میں کچھ اصلاح و ترمیم ہو سکتی ہے؟ اگر ہو سکتی ہے تو کیا ہونی چاہئیں؟

تجویز: کمیشن کی رائے یہ ہے کہ اس ضمن میں یعنی نابالغ بچوں کی تولیت کے باب میں ترمیمات کی تجویز کی جاسکتی ہے کیونکہ قرآن حکیم اور حدیث نبوی نے تولیت کے لئے عروہ کا کوئی مخصوص تعین نہیں کیا ہے اور بہت سے مجتہدائے نے یہ رائے دی ہے کہ جہاں تک تولیت نابالغان کے مسئلہ کا تعلق ہے اس میں کوئی تحدید عمر نہیں کی گئی ہے اور حالات کے مطابق تعین عمر کیا جاسکتا ہے۔ "لبس للحضانة مدة معلومة" کتاب الفقہ، ج ۳، ص ۵۹۴۔

امام شافعی نے فرمایا ہے کہ بچوں کی تولیت کے باب میں عمر کی کوئی قید و حد مقرر نہیں ہے۔

تولیت کے متعلق سوال نمبر 1 کی سرکاری تجویز پر اختلافی نوٹ

حنفیہ کے نزدیک "حضانة" (یعنی پرورش) کا حق ماں کو سات سال تک ہے۔ دلیل یہ حدیث ہے "مسروا صبیبا لکم بالصلواة اذا بلغوا سبعا واضربوہم علیہا اذا بلغوا عسرا" (ابوداؤد) باپ کو سات برس کی عمر سے اولاد کو احکام شرعیہ کی تعلیم شروع کر دینے کا حکم



ہے، اس لیے وہ سات سال کے بعد بچہ کو ماں سے لے سکتا ہے۔ لڑکیوں کے لیے ماں کو حق حضانت بلوغ تک نہیں بلکہ نکاح تک ہے، مگر حق حضانت دوسری شے ہے اور تولیت الماکہ اموال دوسری شے ہے۔ تولیت الماکہ کا حق باپ کو یا اس کے بعد ولی عصبہ کے ہے اگر وہ نااہل ہوں تو حاکم کسی کو متولی بنا سکتا ہے۔

### بیوی بچوں کا نان نفقہ کے سوال نمبر 1 کی سرکاری تجویز

#### مخصوص عدالتوں کا قیام ہو

**سوال نمبر 1:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ کوئی شوہر کسی معقول وجہ کے بغیر بیوی کو گزارہ بندے تو بیوی کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ خاص "ازدواجی و عائلی عدالت" میں اس پر دعویٰ دائر کر سکے؟

**تجویز:** جس عورت کو اس کے شوہر نے چھوڑ رکھا ہو اس کے لئے شوہر کے خلاف دعویٰ کر کے مناسب نان نفقہ حاصل کرنا بالکل ناممکن ہے، کیونکہ استقرار حق نان نفقہ کے قانون میں بہت سے ضابطہ کے قوانین دخل ہوتے ہیں اور آخری فیصلہ ہونے میں بڑی دیر لگتی ہے، یعنی ایک معقول مدت میں اس کا فیصلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر بیوی کو ڈگری مل بھی گئی تو شوہر عدالت اپیل میں پہنچ کر اجرائے ڈگری رکوا دیتا ہے کہ میں نے اپیل دائر کر رکھی ہے اس لئے تا فیصلہ مقدمہ اجراء نہ کیا جائے۔ اور پھر اندرونی ریشہ دوانیوں کے ذریعے یہ بھی کوشش کرتا ہے کہ آخری فیصلہ ہونے میں دیر لگتی رہے چنانچہ مقدمہ کا آخری فیصلہ کوئی پانچ سال میں جا کر ہوتا ہے۔ اور اگر بیوی کو ڈگری مل بھی گئی تو اس کے اجراء کے دوران میں بدظنیت شوہر بے شمار اعتراضات اٹھا سکتا ہے۔

غرض یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ بیوی کی اصل پریشانیاں تو اس وقت شروع ہوتی ہیں جب وہ ڈگری کا اجراء کرانے کا انتظام کرتی ہے، ان تمام تکالیف اور پریشانیوں کو روکنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ بیوی کو اپنے شوہر پر نان نفقہ حاصل کرنے کے لئے دعویٰ کرنا ہو تو اس کے لئے خاص عدالتیں بنائی جائیں یعنی "عدالت اور ازدواج و اہلی زندگی" اور اس عدالت کا جو حکم و فیصلہ بھی ہو اس کی فوری تعمیل کرائی جائے۔ مثلاً یہ کیا جاسکتا ہے کہ عورت کو جو بھی نان نفقہ دیا جانا عدالت نے طے کیا ہو اسے زمین کے لگان کا بھتایا بنا کر شوہر سے وصولیابی کر لی جائے (45)۔

### نان و نفقہ کے سوال نمبر 2 کی سرکاری تجویز

#### نوجواری عدالت سے رجوع کیا جائے۔

**سوال نمبر 2:** موجودہ کمرٹل پروسیجر کوڈ (ضابطہ نوجواری) کی دفعہ ۳۸۸ کے مطابق بیوی عدالت نوجواری میں نفقہ کا دعویٰ کر سکتی ہے لیکن عدالت نوجواری زیادہ سے زیادہ سو روپے ماہانہ دلا سکتی ہے، کیا آپ اس مقدار کے اضافے کے حق میں ہیں؟

**تجویز:** آج کل جو قانون ہے وہ یہ ہے کہ اگر بیوی بہت تنگ ہو تو نوجواری کا دعویٰ کر کے نوجواری عدالت سے اپنے گزراہ کے لئے رقم منظور کر سکتی ہے۔ عام طور پر نوجواری عدالت نان نفقہ کے لئے بہت جلد حکم جاری کر دیتی ہے۔ مگر ضابطہ نوجواری کی دفعہ ۳۸۸ کے تحت یہ عدالت ۱۰۰ روپے ماہوار سے زیادہ کا حکم نہیں دے سکتی۔

کمیشن کی رائے ہے کہ مصارف زندگی چونکہ بہت بڑھ چکے ہیں اس لئے عدالت کو یہ اختیار ملنا چاہیے کہ وہ نان نفقہ کے کیس میں ۳۰۰ روپے ماہانہ کی حد تک ادائیگی کا حکم نافذ کر سکے۔ کمیشن کی یہ بھی رائے ہے کہ نوجواری عدالت سے رجوع کا حق بیوی کے لئے برقرار رہنا چاہیے کیونکہ نوجواری عدالت جب نان نفقہ کے خرچ کا حکم اجراء کرتی ہے تو وہ بمنزلہ ایک جرمانہ کہ ہوتا ہے اور یہ تعمیل و سہولت قابل وصول ہوتا ہے، اور بھوکوں مرنی بیوی کے لئے فوری وصولیابی کی مفت سب سے بڑی چیز ہے کیونکہ یہی اس کا سہارا ہے۔

اس لئے یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ جب امور ازدواج کی خاص عدالت کے ذریعے دیوانی مقدمہ کر کے بیوی نان نفقہ منظور کر سکتی ہے تو نوجواری عدالت سے رجوع کرنے کی پھر کیا ضرورت باقی رہ گئی، مگر ہماری رائے یہ ہے کہ بیوی کو نوجواری مقدمہ کرنے کا حق بدستور رہنا چاہیے کیونکہ نوجواری عدالت سے جو رقم نان نفقہ ملے ہوتی ہے وہ بمنزلہ ایک جرمانہ تحت قانون نوجواری ہوتا ہے۔ روپیہ کی وصولیابی کا یہ طریقہ اس قدر فوری اور موثر ہوتا ہے کہ شوہر اکثر متعلقہ کمیشن ختم ہونے سے پہلے ہی نوجواری عدالت کے حکم کے مطابق نان نفقہ کی رقم پچھری میں جمع کر دیتا ہے۔ فلہذا جب تک ہمیں ازدواج و اہلی زندگی کے امور کی ان خاص عدالتوں کے نام کا صحیح عملی تجربہ نہ ہو جائے اس وقت تک بیوی کے اس بیش قیمت حق کو جو اسے اس وقت حاصل ہے واپس نہیں لینا چاہیے۔

نان ونفقہ کے سوال نمبر 3 کی سرکاری تجویز۔ ماضی کا نان نفقہ حاصل کرنا  
سوال نمبر 3: کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ ایک بیوی گزشتہ تین سال تک کے  
نفقہ کا مطالبہ کر سکے؟

تجویز: آج کل یہ ہو رہا ہے کہ شوہر بیوی کو نکال دیتا ہے اور وہ اپنے والدین کے پاس جا کر  
رہنے لگتی ہے، شوہر فوراً اس کا خرچ گزارہ بند کر دیتا ہے۔ عام طور پر یہی ہوتا ہے۔ ہر چند کہ بیوی  
اور اس کے بچے بیوی کے میکے میں رہنے پر مجبور ہوتے ہیں یا عورت اپنی کوشش سے کوئی موت  
مزدوری کر کے اپنی اور بچوں کی گزارا دقت کرتی ہے تو پھر بھی اسے یہ حق نہیں ملا ہوا ہے کہ سابقہ  
خرچ گزارہ وصول کرنے کے لئے دعویٰ کر سکے۔

پس شوہر ریشہ دوانیاں کر کے اس کوشش میں رہتا ہے کہ بیوی اس پر دعویٰ نہ کرے، کیونکہ وہ  
جانتا ہے کہ نان نفقہ کے خرچ کا دعویٰ جس قدر دیر میں دائر کیا جائے گا اتنا ہی کم اسے خرچہ ادا کرنا  
پڑے گا۔ لہذا ہماری رائے یہ ہے کہ بیوی کو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ نان نفقہ کے دعویٰ سے کم سے کم  
تین سال قبل تک کا سابقہ خرچ اسے عدالت سے دلایا جائے۔

نان ونفقہ کے سوال نمبر 3 کی سرکاری تجویز پر اخلاقی نوٹ

عورت اسی نان ونفقہ کا دعویٰ کر سکتی ہے جو قاضی نے مقرر کر دیا ہو، اگر عدالتی نظام پیچیدہ نہ  
ہو تو عورت فوراً ہی دعویٰ کر کے نان ونفقہ مقرر کر سکتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو گزشتہ کا دعویٰ نہیں کر  
سکتی، آئندہ کے لیے مقرر کر سکتی ہے۔

نان ونفقہ کے سوال نمبر 4 کی سرکاری تجویز۔ سوال غیر ضروری ہے۔

سوال نمبر 4: کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ اگر بیوی نے نکاح نامے میں میعاد نفقہ کے  
متعلق خاص شرط لکھوائی ہو تو اسے محض مدت عدت تک ہی نہیں بلکہ مدت مشروط تک نفقہ ملے؟  
تجویز: کمیشن کی رائے میں یہ سوال غیر ضروری سمجھا گیا، اس لئے ترک کر دیا گیا۔

نان ونفقہ کے سوال نمبر 4 کی سرکاری تجویز پر اخلاقی نوٹ

مطلقہ کو عدت کے بعد نفقہ کا حق نہیں۔

املاک کی تولیت کے سوال نمبر 1۔ ماں کو متولیہ قرار دینا

سوال نمبر 1: کیا آپ اس سے متفق ہیں کہ باپ کی عدم موجودگی میں عدالت ماں کو بچوں

کی املاک کی متولیہ قرار دے بشرطیکہ عدالت کے نزدیک اس کا تقرر بچوں کی بہبود اور املاک کے  
حفظ کے منافی نہ ہو؟

تجویز: اس وقت نا بالغان کی جائیداد و املاک کے حسب ذیل قانونی متولی سمجھے جاتے ہیں۔

(الف) باپ (ب) باپ کی وصیت کے مطابق مقرر شدہ وصی (ج) باپ کے باپ (د)  
باپ کے باپ نے اپنی وصیت میں جسے وصی مقرر کیا ہو۔

ان مندرجہ صدر قانونی متولیوں کی عدم موجودگی میں اگر عدالت چاہے تو نا بالغوں کے  
املاک و اموال کی حفاظت و انتظام کے لئے کسی اور شخص کو ولی مقرر کر سکتی ہے، مگر بہت سے کیسوں  
نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ اوپر کے طریقہ پر عمل کرنے سے اکثر املاک ضائع و برباد ہو جاتی  
ہے، حالانکہ متولیوں کا تقرر اس ملک کی حفاظت کے لئے کیا جاتا ہے، اس لئے ہم یہ تجویز کرتے  
ہیں کہ باپ کی عدم موجودگی میں ”عدالت امور ازدواج و اہلی معاملات“ کو یہ اختیار حاصل ہونا  
چاہیے کہ وہ کسی بھی شخص کو نا بالغوں کی املاک کا متولی مقرر کر دے جس میں ان بالغوں کی ماں بھی  
ہو سکتی ہے اور اس ضرورت سے یہ تقرر کرے گی کہ ان نا بالغوں کی جائیداد و املاک کی حفاظت و  
انتظام کا صحیح بندوبست ہو جائے گا۔

ایسی عدالت کو یہ اختیار دینے سے قرآن حکیم کے کسی حکم کی خلاف ورزی سرزد نہیں ہوتی۔  
آج کل کے نئے زمانہ میں بیشتر مائیں ایسی ہوں گی جو اپنے نا بالغ بچوں کی املاک کی حفاظت و  
انتظام کا صحیح بندوبست کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوں گی۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگر کوئی ماں  
اپنے بچوں کی املاک و اموال کی صحیح حفاظت نہ کر سکے گی تو عدالت اس بارے میں آزاد ہوگی کہ  
اسے تولیت املاک سے کسی وقت بھی ہٹا دے۔ علاوہ ازیں ماں کو ہر چھ مہینہ کے بعد املاک کے  
حسابات آمدنی کا گوشوارہ عدالت میں پیش کرنا ہوگا۔

املاک کی تولیت کے سوال نمبر 1 کی سرکاری تجویز پر اخلاقی نوٹ

اگر باپ کے بعد کوئی عصبہ قابل اعتماد نہ ہو تو ماں کو حق تولیت دیا جاسکتا ہے، اگر ولی عصبہ  
معتدلیہ ہو تو وہی مقدم ہے، اگر ماں بھی قابل اعتماد نہ ہو تو حاکم عادل خود اس کے لیے کسی معتد  
علیہ کو مقرر کر دے۔

## املاک کی تولیت کے سوال نمبر 2۔

### اموال نابالغان کی حفاظت عدالت کرے

**سوال نمبر 2:** کیا آپ یہ قانون بنانے کے حق میں ہیں کہ نابالغوں کی املاک کے متولی کو یہ اختیار حاصل نہ ہو کہ وہ عدالت کی اجازت کے بغیر املاک کو فروخت یا رہن کر سکے؟

**تجوویز:** نزول قرآن کے زمانہ میں یہ واقعہ عام تھا کہ اکثر متولی نابالغوں کی املاک میں خوردبرد کرتے تھے یا اپنی گھٹیا املاک سے اسے اول بدل کر لیتے تھے، اس لئے قرآن نے یہ تنبیہ کی (۱) ولاتسلوھا اسرافا و بذارا (۲) انما یسکلون فی بطونھم نارا (۳) ولاتبدلو العیث بالطیب ولا تاكلوا اموالھم الی اموالکم۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے کہیں زیادہ یہ رجحان ہمارے اپنے زمانہ میں پایا جاتا ہے جس کا آیات مندرجہ بالا میں مذکور ہے، اس لئے اجماع آراء اس بات پر ہے کہ نابالغوں کی املاک کے متولیوں کو بدون اجازت عدالت نابالغان کی املاک کی بیع یا رہن کرنے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے (46)۔

### وراثت اور وصایا کے سوال نمبر 1۔ رسموں کو ختم کیا جائے

**سوال نمبر 1:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ اگر پاکستان کے کسی حصے میں ابھی تک وراثت اور وصیت کے بارے میں شرعی قوانین پر عمل نہیں ہو رہا ہو تو بلا تاخیر ایسا قانون وضع کیا جائے کہ اس بارے میں شرعی قوانین ہوں جو ملک پر عائد ہوں؟

**تجوویز:** ہمارے ملک کے مفاد کے لئے یہ امر بہت مطبوع و مرغوب ہوگا کہ وراثت کے سلسلہ میں تمام ملک میں مسلمانوں کے لئے ایک جیسے قوانین کا نفاذ ہو۔ اگر کسی حصہ ملک میں رواج کے مطابق ورثہ طے ہوتا ہے تو اب وقت آگیا ہے کہ ایسے تمام رواجوں اور "خاص الیکٹوں" کی جگہ شریعت کا قانون جاری کیا جائے، ہمیں اس وقت مکمل طور پر یہ بات معلوم نہیں ہو سکی ہے کہ آیا مشرقی پاکستان، بلوچستان یا اور مقامات پر کچھ ایسے علاقے ہیں جہاں رواجی قوانین ابھی تک نافذ العمل ہیں یا نہیں، بہر کیف ضرورت یہ ہے کہ رواجی قوانین اور "خاص قوانین" وراثت کو منسوخ کیا جائے اور قانون میں یہ بھی رکھا جائے کہ جائیداد وراثت کی طرف سے چھوڑا ہوا املاک کی منتقلی (ریلیز) اس وقت تک جائز نہ سمجھی جائے گی جب تک موسیٰ

کی وفات نہ ہوگی ہو اور یہ منتقلی "عدالت امور ازدواج و اہلی معاملات" کے کسی جج کے روبرو عمل میں نہ آئی ہو (47)۔

### وراثت اور وصایا کے سوال نمبر 2 کی سرکاری تجویز

#### عدالتوں کی پیچیدگی ختم کی جائے

**سوال نمبر 2:** موجودہ قانونی ضابطے کی پیچیدگی کے پیش نظر عورتوں کی مجبوریوں کو رفع کرنے کے لئے کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ جب کبھی وراثت کے معاملے میں عورت مدعیہ ہو تو معمولی سول کورٹ اس کا مقدمہ عدالت انفصال کے لئے ازدواجی و اہلی معاملات میں منتقل کر دے؟ کیونکہ دیوانی عدالتوں میں پیچیدگی زیادہ ہوتی ہے۔

**تجوویز:** کمیشن کی رائے یہ ہے کہ قوانین ضابطہ بہت ہی پیچیدہ ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ وراثت کے تمام مقدمات کی سماعت وہ عدالت کرے جسے امور ازدواج و اہلی معاملات کی عدالت کہا جائے گا، خواہ کہ یہ استغاثہ دائر کرنے والا مرد ہو یا عورت۔

ماؤں، بیٹیوں، بہنوں اور یتیمی کے حقوق کی حفاظت کے لئے وراثت کے مقدمات کے فوری فیصلوں کی از حد ضرورت ہے (48)۔

### وراثت اور وصایا کے سوال نمبر 3 کی سرکاری تجویز

#### بیٹے اور بیٹی کی موجودگی میں پوتے یا نواسے کو بھی میراث ملے

**سوال نمبر 3:** کیا قرآن کریم میں کوئی نص صریح موجود ہے یا کسی صحیح حدیث میں یہ تعلیم ملتی ہے کہ یتیم پوتے، پوتی یا نواسے، نواسی کو بہر حال محروم الارث کر دیا جائے؟

**تجوویز:** کمیشن کے تمام اراکین کی یہ رائے ہے کہ قرآن مجید یا کسی حدیث صحیح سے یہ بات جائز قرار نہیں پاتی کہ اگر کسی کے سامنے اس کے بیٹے یا بیٹی کا انتقال ہو جائے تو اس کی اولاد کو املاک سے ورثہ نہ دیا جائے۔

یہ چیز زمانہ جاہلیت کے عربوں میں پائی جاتی تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ اسی رسم کو ہم نے بھی اپنایا ہے کہ اگر کسی کے بیٹے یا بیٹی کا انتقال اس کے سامنے ہو جائے تو ان کی اولاد کو اپنے دادا (یا نانا) کے مال سے ورثہ نہ دیا جائے۔ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص بہت کافی مال چھوڑ



کر رہا ہے اور اس کا باپ اس سے مختصر فوت ہو چکا ہے تو دادا (یا نانا) کو ورثہ کا وہ حصہ جو اس کے اپنے فوت شدہ باپ کو ملتا ملے گا (49)۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام نے اوپر کی لائن میں ورثہ کے جائینوں کا حق تسلیم کیا ہے۔ پس یہ منصفانہ اور منطقی نہیں معلوم ہوتی کہ ذیلی وارثوں کے حق وراثت کو کیوں نہ تسلیم کیا جائے۔ فرض کیجئے کہ کسی شخص کے پانچ بیٹے ہیں اور اس کے چار بیٹے اس کے سامنے فوت ہو گئے اور ان کے بہت سے بچے زندہ ہیں تو کیا یہ قرین انصاف ہے کہ اتنے سارے یتیموں کو محروم کر کے صرف ایک بیٹے کو دادا کا سارا مال دیدیا جائے۔ ہمارا خیال ہے کہ اسلامی شریعت میں ورثہ کا کوئی قانون منطق و عدل کے منافی نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں اگر جائینوں کا حق دادا کو اس طرح مل سکتا ہے کہ وہ پوتوں (پوتیوں، نواسوں، نواسیوں) کے مال کا حق دار ہو جاتا ہے، حالانکہ مال کے موسمی (Tastatire) کا باپ اس کے سامنے فوت ہوا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسی جہ کی اولاد کے ذیلی جائینوں کو یہ حق نہ دیا جائے، یعنی سامنے فوت ہونے والے بیٹے، بیٹی کی اولاد کو اپنے دادا، نانا کی املاک سے ورثہ کیوں نہ ملے؟

قرآن حکیم نے بار بار تاکید کی ہے کہ یتامی کے اموال کی حفاظت کرو اور ان یتیموں کی خبر گیری کرو۔ پس اگر کسی کے بیٹے، بیٹی کا انتقال اس کے سامنے ہو جائے تو ان متوفیوں کی اولاد کو محروم الارث قرار دینا قرآنی تعلیم کی روح کے سراسر خلاف ہوگا۔

اس ضمن میں مولانا احتشام الحق صاحب نے فرمایا کہ چاروں ائمہ فقہ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کسی کے بیٹے، بیٹی کا اس کے سامنے انتقال ہو جائے تو اس کے لڑکے کے لڑکے کو ورثہ کا حصہ نہیں ملے گا، چونکہ چاروں ائمہ فقہ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے اس لئے مولانا صاحب موصوف اس سوال کو کمر اٹھانے کے بالکل حق میں نہیں ہیں۔

مولانا صاحب اپنے خیالات اپنے اختلافی نوٹ میں مفصلاً تحریر فرمائیں گے۔

بعض جوابات میں یہ تجویز کیا گیا ہے کہ اگر دادا چاہے تو اپنے اموال کا 1/3 حصہ اپنے بیٹے، بیٹی کی اولاد کے لئے بذریعہ وصیت چھوڑ سکتا ہے، لیکن اس تجویز سے بھی یتامی کے ساتھ پورا انصاف نہیں ہوتا جیسا کہ مندرجہ بالا مثال سے واضح کیا گیا۔

پس یہ کیشن تجویز کرتا ہے کہ یتامی کو اپنے دادا (یا نانا) کی املاک سے ورثہ دلوانے کے لئے قانون بنایا جائے (50)۔

وراثت اور وصایا کے سوال نمبر 3 کی سرکاری تجویز پر اختلافی نوٹ

پوتے کی میراث کے بارے میں کمیشن نے سفارش کا جو انداز اختیار کیا ہے وہ کمیشن کے اس دعویٰ کے خلاف ہے کہ ”ہماری سفارشات شریعت کے چاروں ماخذ میں سے کسی نہ کسی ماخذ میں داخل ہوں گی“ اس لیے کہ قرآن کریم میں صراحۃً وراثت کے جو اصول و احکام بیان کیے گئے ہیں ان کے قطعاً خلاف ہے، قرآن کریم میں فرمایا ”للسر جال نصیب مما ترک الوالدان والاقریبون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقریبون مما قل منه او کثر نصیباً مفروضاً“ یہ آیت پارہ نمبر 4 سورہ نساء کی ہے، جس میں اصول میراث کے طور پر یہ بتلادیا گیا کہ میراث کی بنیاد نسب اور نسب میں قرب و بعد ہے، اس کا ترجمہ یہ ہوا ”اور مردوں کے لیے بھی حصہ ہے ماں باپ کے ترکہ میں سے اور قرابت والوں کے ترکہ میں سے۔ اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے ماں باپ اور قرابت داروں کے ترکہ میں سے“ تھوڑا ہوا بہت مقرر کیا ہوا حصہ“ اس آیت سے معلوم ہوا کہ میراث میں ترتیب قرب اور بعد کی بنیاد ہے۔

اب دادا کا ترکہ اس کی اولاد پر تقسیم ہوگا، اور وہ ہی حق دار ہے لیکن پوتے کو میراث میں شریک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اقربوں کو چھوڑ کر ابعداں کو وارث بنادیا اور یہ تحریف ہے ”واولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض“ میں بھی قریب ترکہ کو مقدم کیا گیا ہے، حدیث میں بھی اس کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے ”الحقوا الفرائض باهلها المابقی فهو لاولیٰ رجل ذکر من اهلہ“ (بخاری) جس سے معلوم ہوا کہ میراث کا اصول قرب و بعد پر مبنی ہے اور دادا کے ترکہ میں سے بیٹوں کا حق وضع کر کے پوتے کو دینا میراث کے سارے نظام کو درہم برہم کر دے گا، رہی یہ بات کہ بعض اوقات پوتے نہایت قبی دست رہ جاتے ہیں سو یہ نگوینی اور مقدرات کا مسئلہ ہے، تشریحی امور میں اس سے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، مثلاً اولاد میں سے ایک لڑکا اپنا حق ہوتا تو کیا میراث کی تقسیم میں اصول تقسیم کو بدل کر اس کو زیادہ سہام دیں گے؟ تقسیم میراث کے اصول اپنی جگہ پر صحیح ہیں، اتفاقیہ (باقی) کے پیدا شدہ حالات کا حل دوسرے طریقوں سے ممکن ہے، کیا جب قرآن نے تقسیم کے وقت ان اہل قرابت اور غربا کو کچھ دینے کا حکم دیا ہے، تو کیا پوتے کو اس اصول سے نہیں دیا جاسکتا؟ بلکہ اگر ورثہ چاہیں تو کل دیدیں لیکن اصل مسئلہ حق دار ہونے کا ہے، لہذا یہ سفارش صحیح نہیں ہے۔

## وراثت اور وصایا کے سوال نمبر 4 کی سرکاری تجویز

### مشروطہ کی اجازت ہو

**سوال نمبر 4:** کیا ایسا قانون بنانا جائز ہوگا کہ ایک مسلمان کسی جائیداد کو کسی کے نام اس شرط پر منتقل کر دے کہ جسے منتقل کی گئی ہے اس کی وفات کے بعد وہ جائیداد منتقل کرنے والے یا اس کے ورثاء کی طرف عود کر آئے گی؟

اس سوال نمبر 4 کی کمیشن نے اس طرح ترمیم کر دی:

”کیا ایک بے اولاد مسلمان اپنی املاک کو اپنی بیوی کو تمام عمر کے لئے منتقل کر سکتا ہے اور یہ شرط لگا سکتا ہے کہ اس کے بعد یہ مال اس کے ورثاء کو لوٹ جائے گا“

**تجوویز:** آج کل جو اینگلو محمدن لاء رائج ہے، یعنی انگریزوں کے وقت کا، شرع محمدیؐ اس کے مطابق کوئی بے اولاد مالک اپنی املاک بیوی کو یا اپنی بیوہ کو (خود اس کی وفات کے بعد) اس شرط پر بیہ نہیں کر سکتا کہ اس کی وفات کے بعد یہ مال اس کے اپنے ورثاء کو لوٹ جائے گا۔ بیوی کے نام بیہ مشروط کرنا بعض فاضل فقہاء کے نزدیک بالکل جائز ہے یعنی یہ کہ کوئی شخص شرط رکھ کر بیہ کرے یا وصیت ایسی کرے کہ بیوی کے فوت ہونے کے بعد یہ مال و املاک شوہر کے وارثوں کو لوٹ جائے گا، بیوی کے وارثوں کو نہیں ملے گا اور امر قرین انصاف بھی ہے، لہذا یہ سفارش کی جاتی ہے کہ ایسا قانون بنانا چاہیے کہ بے اولاد مسلمان اگر چاہے تو اپنی املاک اپنی بیوی کو اس شرط پر بیہ کر سکتا ہے کہ اس (بیوی) کی وفات کے بعد یہ املاک معطی شوہر کو لوٹ جائے گی، بشرطیکہ وہ زندہ ہو اور اس کے ورثاء والوں کو لوٹ جائے گی اگر بیوہ (بیوی) سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا ہو، اس قسم کے معاملہ کو اصطلاحاً عمری کہتے ہیں (51)۔

## سوال نمبر 4 کا نوٹ۔ عمری کی تعریف اور حکم

1۔ عمری۔ مالک کے نزدیک ایک چیز کسی کو عمر بھر کے لئے دی جاسکتی ہے، جس کے مرنے کے بعد وہ چیز دینے والے کو، اگر وہ مر چکا ہو تو دینے والے کے ورثاء کو لوٹ جائے گی۔ اسے عمری یا اعمار کہتے ہیں اور یہ مالک کے نزدیک نہایت مستحسن فعل ہے، حجابہ اور خفیہ سے اس کی کوئی تردید نہیں، مالک کے متعلق یہ عبارت ہے کہ عمری کرنے کے بعد ”فاداماشد للمعطى (بالفتح) رجعت الدار ملکاً للمعطى (بالکس) ان کان حياً ولورثه من

بعده ان کان قلعماً (کتاب الفقہ، ج 3، ص 80) یعنی اگر وہ مر جائے جس کو مثلاً عمر بطور عمری دیا گیا ہے تو وہ گھر دینے والے کی ملک ہو کر لوٹ آئے گا۔ اگر وہ زندہ ہے، اور اگر مر چکا ہے تو اس کے ورثاء کو لوٹ آئے گا۔

## وراثت اور وصایا کے سوال نمبر 4 کی سرکاری تجویز پر اختلافی نوٹ

بیوی کو تاحین حیات املاک جائیداد کے بیہ کرنے کے سلسلے میں بیہ تانے کے اندر تصریح ہونی ضروری ہے کہ صرف منافع کا بیہ کیا گیا ہے، جائیداد کا بیہ نہیں کیا گیا لیکن اگر مرض الموت میں ایسا کیا گیا تو یہ وصیت ہوگی اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔

## وراثت اور وصایا کے سوال نمبر 5 کی سرکاری تجویز

### وقف علی الاولاد ایکٹ 1913ء منسوخ ہو

**سوال نمبر 5:** کیا آپ کی رائے میں وقف علی الاولاد ایکٹ 1913ء میں بغرض اصلاح اس ترمیم کی ضرورت ہے کہ وقف شدہ جائیداد کے اضافہ قیمت یا دیگر مفاد کی خاطر باجائز عدالت اسے فروخت یا تبدیل کیا جائے یا کسی اور مفید طریق پر عمل ہو سکے؟

**تجوویز:** کمیشن کی رائے یہ ہے کہ قانون وقف علی الاولاد 1913ء کی افادیت اب ختم ہو چکی ہے اس لئے اس کو منسوخ کر دینا چاہیے۔ اس قانون سے فی الحقیقت کسی تعلیمی یا خیراتی ادارے کو کوئی فیش فائدہ نہیں پہنچتا اور جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اپنی املاک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بائعہ کر رکھ دیتے ہیں اور جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے ساری جائیداد برباد ہوتی چلی جاتی ہے، حصہ داران کی تعداد بڑھتی چلی جاتی ہے اور اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ پھر کوئی بھی حصہ دار اس املاک کی حفاظت یا بہتری اور دیکھ بھال میں دلچسپی نہیں لیتا (52)۔

## وراثت اور وصایا کے سوال نمبر 5 کی سرکاری تجویز پر اختلافی نوٹ

وقف کے سلسلے میں اگر یہ قانون بنا دیا جائے کہ متولی کو باجائز عدالت اس کو تبدیل کرنے کا اختیار ہوگا تو کوئی مضائقہ نہیں۔

ازدواجی معاملات میں فیصلوں کے سلسلے میں کمیشن نے جو ایک مرد اور ایک عورت کے مشیر بنج ہونے کی سفارش کی ہے، مجھے اس سے اختلاف ہے، اس لیے کہ عورت قضا کے بارے میں جذباتی ہونے کی وجہ سے صحیح ذہنی توازن نہیں رکھتی، نیز یہ کہ اس طرح عورت کو مشیر بنانے سے

جنسی منافرت اور مقابلہ کا اندیشہ ہے۔

عدالت کے ذریعے تنسیخ نکاح سوال نمبر 1 کی سرکاری تجویز

قانون انفساخ نکاح

سوال نمبر 1: قانون انفساخ نکاح کے سیکشن (۲) میں جو وجوہ انفساخ درج ہیں کیا آپ کے نزدیک ان میں اضافے یا کمی کی ضرورت ہے؟

تجویز: خلع کے موضوع پر اس رپورٹ میں جو حصہ مندرج ہے اس کے سوال نمبر 1 کی ذیل میں مسئلہ مذکور پر خیالات ظاہر کئے جاسکتے ہیں (53)۔

سوال نمبر 2 کی سرکاری تجویز

فسخ نکاح کے بعد عورت مہر وغیرہ واپس نہ کرے

سوال نمبر 2: کیا ایسا قانون وضع ہونا چاہیے کہ اگر عورت انفساخ نکاح کا مطالبہ کرے اور عدالت کی رائے میں قصور وار شوہر ہو تو طلاق حاصل کرتے ہوئے عورت سے نہ مہر واپس دلویا جائے اور نہ دوسری چیزیں جو خاوند اسے دے چکا ہو؟

تجویز: اس قانون کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی عورت اپنا نکاح فسخ کرنا چاہتی ہے اور عدالت اس کے شوہر کو قصور وار ٹھہراتی ہے اور طلاق دلوا دیتی ہے تو اس عورت سے اپنا مہر چھوڑنے کے لئے نہیں کہا جائے گا اور نہ ان چیزوں کو جو اسے اپنے شوہر سے ملی ہوں واپس کرنے کے لئے کہا جائے گا۔

”قانون نکاح مسلمانان“ 1939ء میں دفعہ 5 پہلے سے موجود ہے جو اس مضمون پر حاوی ہے، یعنی یہ کہ اگر کسی عورت کو عدالتی فیصلہ سے طلاق ملی ہے تو اس سے مہر چھوڑنے یا شوہر سے اسے جو کچھ دیا تھا واپس کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا یعنی شرع محمدی کے مطابق اس نکاحی عورت کے جو حقوق شوہر سے لینے کے ہیں وہ فسخ نکاح کے باعث ختم نہیں ہو جائیں گے۔

سوال نمبر 3 کی سرکاری تجویز۔ اختلاف مزاج سبب فسخ نکاح نہیں ہے

سوال نمبر 3: کیا زوجین کا ایسا اختلاف مزاج جس کی وجہ سے ازدواجی زندگی ناخوشگوار ہو جائے جائز طور پر وجہ فسخ نکاح ہو سکتا ہے؟

تجویز: کمیشن کی رائے یہ ہے کہ مزاجوں کی ناموافقت کو علیٰ العموم طلاق لینے کے لئے جائز و جہر انہیں دینا چاہیے۔ اگر عورت مزاجوں کی ناموافقت کی بناء پر طلاق چاہتی ہے تو اسے خلع کے

تalon سے مدد لینی چاہیے۔ ہم اس کے حق میں نہیں ہیں کہ عدالت محض مزاجوں کی ناموافقت کو بنیاد سمجھ کر طلاق دلویا کرے۔ الا یہ کہ خلع کے ذریعے تنسیخ نکاح کرائی جائے۔

سوال نمبر 4 کی سرکاری تجویز۔ قیدی کی بیوی کا حکم

سوال نمبر 4: قانون انفساخ نکاح کے کلاز (۳) سیکشن (۲) میں سات سال کی قیدی کی بناء پر نکاح خلع ہو سکتا ہے، کیا آپ کے خیال میں یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس مدت میں کمی کر کے چار سال کر دیا جائے؟

تجویز: اس کمیشن نے فیصلہ کیا کہ قانون نکاح مسلمانان کی دفعہ ۲ کی شق نمبر ۳ کے تحت جو مدت قید سات سال رکھی گئی ہے اسے چار سال کی مدت میں تبدیل نہ کیا جائے۔

مگر عام طور پر یہ ضرور محسوس کیا گیا کہ جب تک کوئی قیدی جیل میں ہے اس کے مفکروں کے لئے گزارہ کا کچھ نہ کچھ ضرور بندوبست ہونا چاہیے، کیونکہ وہ جن کا بار کفالت اٹھاتا تھا وہ بالکل بے یار و مددگار رہ جاتے ہیں۔ اس لئے کمیشن کی رائے یہ ہے کہ جب تک وہ قید میں ہو اس کے متعلقین کو کچھ الاؤنس ملنا چاہیے اس مشقت کے بالعموم جو اس سے جیل میں کرائی جاتی ہے۔ پس اگر قیدی کے متعلقین مالی مشکلات میں ہوں تو یہ رقم انہیں ملنی چاہیے۔ نیز یہ کہ قیدی کو ہر چھ مہینہ کے بعد ”بیروں“ Parole پر چھوڑنا چاہیے تاکہ وہ اپنے بیوی بچوں کے پاس جاسکے، بشرطیکہ ایسا کرنا ممکن ہو اور اس بات کا کوئی خطرہ نہ ہو کہ بیروں کی مدت گزرنے کے بعد قیدی جیل میں بالکل واپس نہیں آئے گا۔

ازدواجی و خاندانی امور کے قوانین کی عدالتیں

اس سیکشن کے تحت جو گیارہ سوالات دیئے گئے ہیں ان سب کا تعلق ان خاص عدالتوں کے قیام اور کام کے مسئلہ سے ہے جنہیں ”ازدواجی و خاندانی امور کے قوانین کی عدالتیں“ کہا جائے گا۔ ان عدالتوں کے قیام کا مقصد اولین یہ ہے کہ عورتوں کے حقوق کے تحفظ اور خاندانی امور کے قوانین پر عملدرآمد کرانے کے سلسلہ میں جو مقدمات دائر کئے جائیں ان کو بے جلت طے کر دیا جائے۔ ان سوالات کو لفظ بہ لفظ یہاں تکرر درج کرنا غیر ضروری ہے۔ ذیل میں ان خاص عدالتوں کے سلسلہ میں جو جوابات ہم نے مرتب کئے ہیں، ان سے معلوم ہو جائے گا کہ ان کے سوالات کی نوعیت کیا تھی۔ اجتماع آراء اس پر ہے کہ ہماری عدالتوں سے انصاف حاصل کرنا، بالخصوص مستورات کے



لئے انتہائی مشکل، دشوار اور پیچیدہ اور مالی طور پر گراں بار ہے جس میں وقت اور روپے کا بھرد ضیاع ہوتا ہے، اس لئے بیشتر افراد قوم (بالخصوص عورتیں) اپنے جائز حقوق منوانے کے فیصلے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اس کی وجہ ضابطہ کے قوانین کا پکڑنا ہے۔ ہم نے انگریزی قوانین کا ردروائی ضابطہ کو اپنے ہاں رائج کر رکھا ہے، وہ بالکل فرسودہ، پیچیدہ و گراںباری اور طول عمل کا موجب ہے اور ہم نے یہ محسوس بھی نہیں کیا کہ یہ طریقہ انصاف طلبی ہماری سوسائٹی کے لئے قطعی ناموزوں ہے۔ ضابطہ کی کارروائی کے قوانین کے سلسلہ میں اسلامی، امریکی، یورپ کی کامیاب مثالیں اور نمونے ہمارے سامنے موجود تھے مگر ہم نے ان سب کو بالکل نظر انداز کر دیا، نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اگر کوئی دیوانی مقدمہ آج دائر کر دیا جائے تو کوئی ایک نسل تک تو وہ چلتا ہی رہتا ہے اور بے تحاشا روپیہ اور وقت ضائع ہوتا ہے، کامیاب فریق کو ڈگری جو ملتی ہے یا حکم جو دستیاب ہوتا ہے اس کی تعمیل یا عملدرآمد کرانے کا جب وقت آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ڈگری یا حکم عدالت ایک غیر نافذ العمل قانون ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ڈگری یا حکم کی تعمیل کرانے کے لئے کارروائی کا ضابطہ بہت پیچ در پیچ ہے اور انتہائی پاریندہ و فرسودہ ہے اور اس سے بددیانت فریق دوم فائدہ اٹھا کر ایسی ایسی ترکیبیں اور چالیں کرتا ہے کہ کارروائی ضابطہ لمبی ہی ہوتی، اس کا نتیجہ بالآخر یہ نکلتا ہے کہ کامیاب فریق بد دل و مایوس ہو کر تعمیل احکام کرانے کی کارروائی سے ہی دستبردار ہو جاتا ہے۔ ”مثلاً مشہور ہے کہ دیوانی دیوانہ بنا دیتی ہے۔“

اکثر کہا جاتا ہے کہ مرض اور موت ان دو دکھوں کو چھوڑ کر اگر کسی انسان کے لئے سب سے بڑا کوئی آزار ہے تو وہ کسی دیوانی مقدمہ میں پھنسنے ہے۔

آج کل ازدواجی اور خاندانی امور سے متعلق جو قوانین ہیں وہ سب دیوانی عدالتوں میں جاتے ہیں اور ان کی نوعیت معمولی دیوانی مقدمات کی ہوتی ہے۔ شادی شدہ عورتیں، یتیم بہنیں اور بیٹیاں، عام طور پر خوشحال نہیں ہوتیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ”شریعت ایکٹ“ اور قانون تنبیخ نکاح مسلمانان“ بالکل بے کار و لا حاصل بن چکے ہیں اور عورتوں میں آخر کار یہ خیال جڑ پکڑ گیا ہے کہ دیوانی مقدمات دائر کرنا ان کے لئے قطعی لا حاصل ہے اور ان کے حقوق کی حفاظت کا کوئی بندہ بست نہیں ہے۔ شادی شدہ عورتوں، یتیمی، بیواؤں، بیٹیوں اور بہنوں کے لئے خواہ کیسے ہی اچھے اور نفع رساں قوانین کیوں نہ بنائے جائیں ان سے ملنے والے حقوق کبھی مستحقین کو نہیں مل سکتے جب تک ان قوانین کا نفاذ معمولی دیوانی عدالتوں کے ذریعے کرایا جائے گا۔ اس لئے کہ ایسے

قوانین ان کی کوئی مدد کر ہی نہیں سکتے، لہذا اس افسوسناک صورت حال کی مؤثر اصلاح کے لئے ہم یہ سفارشات پیش کرتے ہیں۔

### ازدواجی و خاندانی عدالتوں کے متعلق سرکاری تجاویز

(۱) ازدواجی و خاندانی امور کے قوانین کی ایک ایک عدالت ہر کمشنری ڈویژن میں قائم ہونی چاہیے جس کا کام صرف ان قوانین سے متعلق ہو جو ازدواجی معاملات اور خاندانی امور کے تعلق سے ہوں۔ اس عدالت کا صدر اعلیٰ ایک ایسا فرد ہونا چاہیے جو سٹرکٹ ویشن جج کے عہدہ کا ہو۔ (۲) یہ چیز وضاحتاً قانون میں منظور کی جانی چاہیے کہ یہ عدالتیں ”ضابطہ دیوانی“ اور ”قانون شہادت“ پر نہیں چلیں گی۔ جہاں تک ازدواجی اور خاندانی امور کے مقدمات کا تعلق ہے ان قوانین کو بالکل الگ کر دینا چاہیے۔ ازدواجی و خاندانی امور کے قوانین کی عدالتوں کے لئے مجلس قانون ساز کو چند بنیادی اصول رہنمائی کے لئے وضع کرانے چاہئیں اور باقی ضوابط کارروائی کا کام ہائی کورٹ پر چھوڑ دینا چاہیے جو اس مقصد کے لئے کچھ سادہ قاعدے بتا دے گی۔ مدعا یہ ہونا چاہیے کہ تمام فنی و پیچیدہ کیوں اور قانونی موٹائیوں کو ختم کر دیا جائے اور اہل مقدمہ کے لئے سادہ، بیکارآمد اور فطری انصاف حاصل کرنے کے مواقع بہم پہنچانے چاہئیں۔

”تیار کردہ مقدمہ“ ضوابط کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مقدمہ اور عدالتوں کے مابین ایک غیر عقلی تقسیم ذمہ داری پیدا ہو جاتی ہے کہ کون کس طرح انصاف چکائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقدمہ کے بتائے ہوئے قواعد و ضوابط کارروائی میں سختی بہت ہوتی ہے اور لپک نہیں ہوتی اور یہی ہمارے ”قوانین ضابطہ“ کا سب سے بڑا عیب ہے۔ اب اگر ہم یہ کریں کہ عدلیہ کو قوانین کے ماتحت کارروائی ضابطہ کے قاعدے بنانے کی اجازت دیدیں تو بہت سی سہولتیں لوگوں کو مل جاتی ہیں۔ ازدواجی امور و خاندانی معاملات کے قوانین کے سلسلہ میں اگر عدلیہ کو اجازت قواعد بندی دیدی جائے تو اس سے جو فائدہ حاصل ہوں گے وہ بالکل واضح ہیں، مثلاً یہ کہ اگر کسی عدالت کو یہ محسوس ہو کہ فلاں قاعدہ ضابطہ کی پابندی کرنے میں مقدمہ کا فیصلہ یا عملدرآمد حکم میں عجلت ملحوظ نہیں رکھی جاسکتی تو وہ ایسے قواعد کی ترمیم کرنے یا اسے خارج کرانے کا مجاز ہوگا۔

امریکہ کی اٹھارہ ریاستوں نے وہاں کی سب سے بڑی عدالتوں کو عمومی قواعد سازی کے مکمل اختیار سونپ رکھے ہیں۔ ان قواعد سازی کے اختیارات میں اس بات کا ذکر کر دیا گیا ہے کہ کسی کورٹ کے قاعدہ سے کسی قانون یا حقوق کی روح و اصلیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا،

بلکہ قواعد سازی صرف ضابطہ کاری کے سلسلہ میں کی جائے گی۔ رعیت کے حقوق و آزادی کی حفاظت کے لئے یہ ہدایت بالکل کافی ہے۔

(۳) دوسری اصلاح جس کی یہ کمیشن سفارش کرتا ہے یہ ہے کہ اپیل کرنے اور انکرائی (ریوژن) کرنے کا حق جہاں تک ازدواجی و خاندانی معاملات کے قوانین کی عدالتوں کا تعلق ہے بالکل واپس لے لئے جائیں، عہد مغلیہ میں بھی یہ رواج تھا کہ عدالتی فیصلہ کے خلاف مراند (اپیل) کی صرف ایک بار اجازت دی جاتی تھی اور ریماڈ بالکل نہیں دیئے جاتے تھے۔ جب اپیل کا فیصلہ ہو جاتا تھا تو وہ فیصلہ دونوں فریقوں کے حق میں مقدمہ کا آخری اور منہج فیصلہ ہوتا تھا۔

انسانی تعلقات سے متعلق مقدمات کا فیصلہ فوری ہونا چاہیے۔ سو میں سے ایک مقدمہ کا ممکن ہے غلط فیصلہ ہو جائے۔ یہ بدرجہا بہتر ہے نسبت اس بات کے کہ سو مقدمات کا فیصلہ پڑا انکار ہے اور مقدمے کی پیشیاں ہوئی رہیں اور عرصہ دراز گزر جائے اور یہ ہوتا ہے کہ اتنا عرصہ گزر جائے کہ فریقین مقدمہ یا تو مرجائیں یا عمر کے ایسے حصوں میں پہنچ جائیں کہ مقدمہ کرنے سے کوئی فائدہ اٹھانے کا زمانہ ہی نہ رہے۔ یہ صحیح ہے کہ تمام انسانی عدالتیں کبھی نہ کبھی غلطی ضرور کر بیٹھتی ہیں۔ اگر فرض کر لیجئے کہ پانچ مختلف عدالتوں میں پانچ اپیلیں منظور کی جائیں تو آخر عدالت اپیل پر بھی اپنی ماتحت عدالتوں کے اکثر فیصلوں کے خلاف حکم دے دے گی۔ مطلب یہ ہے کہ کم سے کم وقت صرف کر کے اپیل کا فیصلہ کرنا رعیت کے لئے کہیں زیادہ مفید مطلب بات ہے نسبت اس کے کہ سو کیسوں میں سے کسی ایک کیس میں غلطی کا امکان دور کرنے کی سعی میں سرگرداں رہا جائے۔

(۴) قانون بننا چاہیے کہ ازدواجی امور و خاندانی معاملات کے قوانین کی عدالتوں میں جو بھی مقدمہ پیش ہو اس کا فیصلہ تین مہینے کے اندر اندر کر دیا جائے۔ جو لوگ موجودہ زمانہ کے ہیں وہ ضرور یہ کہیں گے کہ ایسا کیا جانا قطعی ناممکن عمل ہے۔ مگر واقعہ ایسا نہیں ہے۔ مثال کے طور پر جنگ سے پہلے آسٹریا کے مقدمات کی کیفیت بیان کی جاسکتی ہے، جہاں اس کا تجربہ کر کے دیکھا گیا اور اس مقصد کو بخوبی حاصل کیا گیا، یعنی یہ ہوا کہ دو دو اپیلیں کرنے کی اجازت کے باوجود مقدمات کا فیصلہ چھ مہینے کے اندر اندر کر دیا گیا۔ یہاں بعض باتیں بطریق رہنمائی پیش کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ کس طرح اس مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔

بطور رہنمائی چند باتیں

(الف) جب کوئی مقدمہ اس عدالت میں دائر ہو تو رجسٹری خط کے ذریعے اور ساتھ ہی ساتھ اخبار میں اشتہار دے کر نوٹس کی شخصی قیمل کر دیا جائے۔ رجسٹری خط سے عدالتی نوٹس کی

رواجی اور ساتھ ہی ساتھ اخبار میں اطلاع چھپوانے سے یہ نتیجہ تسلیم کر لیا جائے گا کہ جس فریق کے خلاف مقدمہ ہے یعنی مدعا علیہ کو معلوم ہو چکا ہے کہ اس کے خلاف اس عدالت میں فلاں مقدمہ دائر کیا جا چکا ہے۔

(ب) مستغیث سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے تمام دستاویزی ثبوتوں کی ٹائپ شدہ نقول استعاضہ کے ساتھ داخل عدالت کریں اور زبانی جو بیان دینا مقصود ہے اس کا بھی خلاصہ ٹائپ شدہ حالت میں داخل کاغذات کیا جائے۔ مدعا علیہ سے بھی یہی کہا جائے گا کہ وہ اپنے تمام دستاویزی ثبوت کی ٹائپ شدہ نقول اور اپنا تحریری بیان اور اپنے زبانی اظہار کا خلاصہ ٹائپ شدہ حالت میں عدالت میں داخل کرے۔

(ج) جج دونوں فریقوں کے ریکارڈوں اور شہادتوں وغیرہ کو ملاحظہ کرے گا اور مقدمہ کی اصل باقاعدہ کارروائی شروع کرنے سے قبل وہ دونوں فریقوں کو بلا کر ایک ساعت شروع کرے گا جس میں پورے قضیہ کو سنے گا، اور اس پر غیر رسمی طور پر بحث ہوگی۔ مقصود یہ ہے کہ جج دونوں فریقوں پر اس بات کا زور دے گا کہ معمولی اور غیر ضروری فضول باتوں اور اعتراضوں کو چھوڑ دیا جائے، ایسا کرنے کے بعد جج اس مقدمہ کے دو تین بالکل بنیادی اور مرکزی امور متنبہ طلب طے کر دے گا اور اسی پر مقدمہ چلے گا۔

(د) دستاویزات کے تمام باقاعدہ ثبوت مہیا کرنے کی شرط اڑا دی جائے، لیکن اگر کوئی فریق اس بات پر اصرار کرے کہ اصل دستاویز ہی کو پیش کیا جائے، حالانکہ جج کی اپنی رائے یہ ہو کہ نقول کے مستند ہونے پر کوئی شبہ نہیں کیا جانا چاہیے، تو پھر اس فریق پر جو اصرار کر رہا ہو بہت زیادہ مصارف ڈال دیئے جائیں۔

(ه) گواہوں کے بیان اور وجہ وغیرہ کے سلسلہ میں جو طریقہ آج کل ہمارے ہاں رائج ہے وہ بالکل ناقابل اطمینان ہے، اس لئے تجویز یہ ہے کہ جب عدالت نے پورے کیس کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے وہ ان گواہوں کو جن کی شہادت مقدمہ کے لئے ضروری ہو سرکاری گواہان کے بطور طلب کرے۔ ہر شخص کو پورا موقع اس بات کا دیا جائے کہ وہ جس طرح بھی اپنے بیان کو پیش کرنا چاہتا ہے اپنے گفتگو میں پیش کرے اور غیر ضروری دخل اندازی نہ ہونے دی جائے، جج گواہوں سے سوالات کرے اور کیس کے اہم حقائق کی بابت جب وہ تمام معلومات حاصل کر لے تو فریقین کے وکیلوں کو (اگر وہ مقدمہ میں پیش ہو رہے ہوں) یہ موقع دے کہ وہ اگر چاہیں تو مقدمہ کے

واقعات کو اور واضح معلوم کرنے کے لئے کچھ مزید سوال کر لیں، اس سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اصل مفہوم کو کسی باقاعدگی پر قربان نہ کر لیا جائے اور اس بات کی کوشش کی جائے کہ جو بھی کارروائی ہو رہی ہو وہ متعلق فریقوں کی پوری طرح سمجھ میں آ رہی ہو۔

(و) ان عدالتوں میں مقدمات کے فوری فیصلے کرانے کی غرض سے ہم نے جو تجاویز یہاں پیش کی ہیں انہیں ہائی کورٹ اپنے ان قواعد میں شامل کرے جو اس سلسلہ میں عدالتوں کے لئے وضع کئے جائیں گے۔ عدالتوں کو وسیع اختیار تیزی ملنا چاہیے کہ وہ کسی خاص کیس کے حالات میں جو بھی ضابطہ عمل مناسب و موزوں سمجھے اختیار کرے۔ مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ فوری فیصلہ کا مطلب سرسری فیصلہ کر دینا نہیں ہے، یعنی امور ازدواجی و معاملات خاندانی کی عدالتوں میں جو بھی مقدمات پیش ہوں گے ان کی کارروائی کو پچ در پچ عمل سے بچا کر فوری فیصلے کئے جائیں گے، مگر اس کا مطلب سرسری سماعت اور عاجلانہ فیصلے نہیں ہے۔

(ز) ان عدالتوں میں جو مقدمات دائر کئے جائیں ان کے مصارف جہاں تک ممکن ہو کم سے کم رکھے جائیں اس لئے ہم تجویز کرتے ہیں کہ ان عدالتوں میں جو مقدمے پیش ہوں ان پر کوئی کورٹ فیس یا دیگر اخراجات وصول نہ کئے جائیں۔ کورٹ فیس اور دیگر اخراجات کی عدم ادائیگی سے یہ نہیں ہوگا کہ بے بنیاد معمولی، فضول اور محض تنگ کرنے والے مقدموں کی بھرمار ہو جائے گی کیونکہ کیشن کا خیال یہ ہے کہ انسانی تعلقات کی نوعیت اور ان کے مقدموں کی بنیاد اس وضع کی ہے کہ انہیں زمینوں، مکانات اور املاک کی مقدمہ بازی سے بالکل علیحدہ چیز سمجھنا چاہیے۔

(ح) ازدواجی معاملات کے قضیوں میں جب کوئی مقدمہ پیش ہو تو ہماری تجویز یہ ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت مشیر جج کی مدد کے لئے مقرر کی جائے۔ عورت مشیر کو بیوی مقرر کر کے گی (54)۔

اور مرد مشیر کا انتخاب میاں کرے گا، یہ مشیر سیشن عدالتوں کے اسپسر وں سے بالکل مختلف نوعیت کے ہوں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کہ اسپسر وں کے تقرر کا تجربہ بالکل نا کامیاب ثابت ہوا ہے۔ اس لئے ہم یہ تجویز نہیں کرتے کہ عدالت کے منتخب کردہ اسپسر مقرر کئے جائیں۔

(ط) ان عدالتوں کے مقدمہ کے خرچ کو کم کرنے کے لئے ہم یہ بھی تجویز کرتے ہیں کہ عدالت کا صدر اعلیٰ ہر ضلع کے ہیڈ کوارٹر میں باری باری جا کر اپنا اجلاس کیا کرے گا۔ اور ہم یہ بھی

جو تجویز کرتے ہیں کہ ان مقدموں میں پیش ہونے کے لئے وکیلوں کی موجودگی ضروری نہ قرار دی جائے بلکہ فریقوں کو یہ اجازت دی جائے کہ ان کی طرف سے نمائندگی کرنے کے لئے کوئی بھی رشتہ دار یا فرستادہ (ایجنٹ) مقدمہ میں جواب و سوال وغیرہ کے لئے پیش ہو سکتا ہے۔

(ک) ان ازدواجی و خاندانی امور کی عدالتوں کے جو فیصلے اور ڈگریاں ہوں ان کا اجراء اس طرح نہ کر لیا جائے جس طرح معمولی دیوانی عدالتوں کی ڈگریوں اور فیصلوں کا اجراء کر لیا جاتا ہے، اگر کسی ایسی عدالت نے کسی فریق سے روپیہ وصول کرنے کا فیصلہ کیا ہو تو اسے بطور زمین کے نگان کے بقایا کے وصول کر لیا جائے۔

(ل) دیگر احکام عدالت پر عملدرآمد اس طرح کر لیا جاسکتا ہے کہ اگر کسی نے حکم عدولی کی تو اس پر توہین عدالت کا مقدمہ کر دیا جائے گا اور جیل بھیج دیا جائے گا۔ جس طرح کوئی کورٹوں کو سرسری سماعت اور فیصلہ کرنے کا حق توہین عدالت کے لئے قانون کے سلسلے میں دیا گیا ہے، اس طرح ازدواجی امور کی عدالتوں کو بھی دیا جائے۔

(م) ہم یہ تجویز کرنے کے حق میں نہیں کہ سب کیس جن میں عورت مستغیث ہو ازدواجی امور و خاندانی معاملات کے قوانین کی عدالتوں میں قابل سماعت قرار دیئے جائیں، مطلب یہ ہے کہ خواہ مرد ہو یا عورت اس سلسلہ میں دونوں ایک ہی سطح کے رہنے چاہئیں، یعنی ان خاص عدالتوں میں اوپر کے طریقوں کے مطابق ان تمام مقدمات کی سماعت ہوگی اور فیصلے کئے جاسکیں گے جن کا تعلق ازدواجی و خاندانی امور کے قوانین سے ہو، خواہ وہ مستغیث مرد ہو یا عورت۔

### گزشتہ سرکاری تجاویز و اصلاحات کا خلاصہ

مختص مسائل پر تفصیلی روشنی ڈالی جا چکی ہے، مگر اس رپورٹ کے آخر میں ہم چند مفروضات ایسی پیش کرنا چاہتے ہیں جن سے واضح ہوگا کہ ہم نے جو بھی اصلاحات تجویز کی ہیں ان کے تجویز کرتے وقت احکام قرآنی اور سنت رسول کو ہم نے نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔

ہم نے عورتوں کو اپنی سفارشات میں کوئی نیا حق تفویض نہیں کیا ہے۔ قرآن و سنت نے ہماری عورتوں اور بچوں کو جو بھی حقوق عطا کئے ہیں ان کو عملی دائرہ میں لانے کے لئے مشینری وضع کیا جائے، اس سلسلہ میں ہم نے اپنی تجاویز یہاں پیش کی ہیں، یعنی یہ حق پہلے ہی سے ان کے لئے اسلام میں موجود تھے ہم ان کو دلوایں کی کوشش اور طریقہ عمل کے بارے میں کچھ چیزیں پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمارے سامنے جو باتیں بطریق رہنمائی رہی ہیں وہ یہ ہیں:-



(1) یہ کہ مملکت معاشرتی عدل کی محافظ ہوتی ہے۔ (2) اسلام کی ابتدائی صدیوں میں جو معاشرتی و اقتصادی ڈھانچہ سوسائٹی کا تھا اب وہ کافی کچھ بدل چکا ہے (55)۔ (3) قرآن مجید میں انسانی تعلقات کے جو بنیادی اصول طے کر دیئے گئے ہیں وہ تمام زمانوں کے لئے اہل اور جائز ہیں مگر ان احکام کو عمل میں لانے کے طریقے اور ان کا اطلاق و تطبیق ایسی چیز ہے کہ حالات کے تقاضے کے ساتھ اپنی بدلتی رہ سکتی ہے (56)۔

(4) نکاح، طلاق، نابالغوں کی شخصی حفاظت اور املاک و اموال کا تحفظ اور ورثہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے سلسلے میں قواعد و قوانین کے اوپر نظر ثانی کی جائے اور ان کی تجدید کی جائے (57)۔

تاکہ خاندانوں میں آپس کے تعلقات و معاملات کے باب میں زیادہ سالمیت، تحفظ اور استحکام پیدا ہو اور جو بے بس و بے بددگار رہوں، ان کی دیکھ بھال کی جائے۔

(5) انسانی علم و تجربہ برابر بڑا اور وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اس لئے یہ بڑا ضروری ہو گیا ہے کہ ہمارے محترم و فاضل فقہان جو تعبیرات و مطالب بتاتے تھے ان کا پھر مطالعہ کیا جائے اور ان پر غور کی نظر ڈالی جائے۔ قرآن و سنت کی روح کی روشنی میں امور معاشرہ کی تشکیل جدید نہ صرف جائز ہے بلکہ مسلمانوں پر یہ فرض کی گئی ہے تاکہ مسلم معاشرہ ہمیشہ ایک زندہ، فعال، حرکی، ترقی پذیر ادارہ رہے اور صلاحیت جذب و اخذ سے مصحف رہے۔

(6) خاص معاشرتی بیماریوں اور معارض کے لئے خاص ہی معالجہ ہونا چاہیے، اب اگر اس وقت جبکہ انسانی معاشرہ ابتدائی منازل ارتقا میں تھا، اسلام نے کسی چیز کی اجازت دی تھی، مگر فرض قرار نہ دیا تھا اور اب اس پر عمل ایسا ہو رہا ہے جیسے اجازت کو اذن عام بنا دیا جائے یعنی کسی اجازت کا قائل استعمال ہو رہا ہے تو اس بات کی عین ضرورت ہے کہ اس اجازت کو تجدیدات اور شروط سے محصور کر دیا جائے تاکہ جو عیوب و عوارض معاشرہ میں پیدا ہو چکے ہیں ان کی روک تھام کی جاسکے اور ان کو کم سے کم کیا جاسکے (58)۔

(7) غیر رجسٹر شدہ شادیاں اور طلاقیں بہت زیادہ غیر ضروری مقدمہ بازیوں کا موجب بنتی ہیں جنہیں روکا جاسکتا ہے۔ مہد قدیم میں حال یہ تھا کہ ساری دنیا میں شاید ایک فیصدی سے زیادہ خواندگی کا معیار نہ تھا اس وقت عملی طور پر یہ بات واقعی دشوار تھی کہ تمام ازدواجی اور کاروباری معاملات و معاہدات کو احاطہ تحریر میں لایا جائے، مگر اب جبکہ خواندگی کا فیصد اوسط کافی بڑھ چکا ہے

اور برابر بڑھ رہا ہے، معمولی دیہات تک میں اب یا تو کوئی معمولی سرکاری کارندہ ہوتا ہے جو لکھ پڑھ سکتا ہے تو اب قرآن حکیم کا یہ حکم کہ اہم معاہدات کو قلمبند کر لیا کرو، نکاح و طلاق کے معاہدات پر کیوں نہ حاوی بنا دیا جائے، تاکہ ان کی رجسٹریشن کے ذریعے زبانی شہادتوں کے حکم سے قوم کو نجات مل سکے بالخصوص ان اہم ترین معاملات زندگی میں، کیونکہ علاوہ اور باتوں کے نکاح و طلاق سے سلسلے میں حلت و حرمت کے مسئلے کے علاوہ ورثہ کے تقسیم بھی مشمول ہو جاتے ہیں۔ قانونی اور عدلیہ تجارت جو بے شمار مقدمات کو محیط ہے، اس بات کا تقاضہ کر رہے ہیں کہ اب بغیر کسی مزید تعویق کے اس اصلاح کو مملکت میں رائج کیا جائے۔

جب قانون نے پس ماندہ سے پس ماندہ اور دور افتادہ سے دور افتادہ گاؤں تک میں زرعی معاملات جیسی باتوں کے لئے بھی یہ پابندی کر رکھی ہے کہ معاملات کو لکھا پڑھی میں لایا جائے تو کوئی دوسرا وجہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس عمومی قاعدہ سے نکاح و طلاق جیسے اہم ترین معاملات کو کیوں مستثنیٰ کر دیا جائے۔ پس یہ مطالبہ کہ اس سلسلہ میں معاملات کی رجسٹریشن کرائی جائے قرآنی حکم کے عمل کرنے کی طرف ایک مزید قدم ہے، انسو ناک امر یہ ہے کہ انسانی زندگی میں یہ چیزیں اس قدر اہم ہیں اور ہماری مسلمان قوم ان چیزوں کی اہمیت کی طرف سے اس قدر بے پروا یا بے خبر ہے۔ پس جو مصائب معاشرہ میں اس قدر پھیل چکے ہیں ان کو روکنے کے لئے ہماری حکومت کو قوانین وضع کرنے چاہئیں۔ یہ بات نوٹ کی جائے گی کہ کمیشن نے جو سفارشات کی ہیں انہوں نے بنیادی احکام قرآنی و سنت سے کہیں گریز یا تجاؤ نہیں کیا ہے، بلکہ ان سفارشات نے صرف یہ کیا ہے کہ اصل بے داغ اسلام کی روح کے رجحانات کو قدرے آسان صورت میں مشکل کر دیا ہے (59)۔

(8) تعدد ازدواج آج کل ہر مسلم معاشرہ میں ایک گرم گرم بحث کا موضوع ہے، اس کمیشن نے بھی اس پر غور و فکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں قرآنی تعلیمات پر ہی تکیہ کیا ہے، اور اس سے وابستگی قائم رکھی ہے۔

تعدد ازدواج کو قرآن نے کوئی فرض قرار نہیں دیا ہے، نہ بغیر شرائط کے اس کی اجازت دی ہے، نہ اس کی ہمت افزائی کی ہے۔ قرآن نے اس اجازت کو خطرات سے مضمر سمجھا ہے اور اسے خاندان کے واحدہ کے حق میں یعنی اس کی سرت کے لئے مضار سے مبرا نہیں سمجھا ہے۔

خاندان انسانی معاشرہ کا وہ مرکز ہے جس کے گرد گھوم کر ہی تمام ثقافت و تہذیب پروان پڑھتی ہے۔ جن لوگوں نے تعدد ازدواج پر عمل کیا ہے اور جن لوگوں نے اس کے دردناک نتائج کو

دیکھا ہے وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ یہ چیز تجربا انسان کی ثابت ہوتی ہے اور اکثر و بیشتر کیسوں میں اس کی کوئی منطقی وجہ اور جواز ثابت نہیں ہوتا۔ دوسری شادی عام طور پر انسان کے اسفل تر جذبات کی وجہ سے ہوتی ہیں اور ایسے لوگ لطف و برتر انسانی احساسات سے کورے ہوتے ہیں اور انسانیت کے ابتدائی احساس عدل کی طرف سے بالکل بے پروا قرآن نے جواز ذات دی تھی وہ سنگین ہنگامی ضرورتوں کے لئے تھی جو معاشرہ کے سامنے تھے اور بے حد مشروط تھی اور ایسی شادی کرنے کے لئے بہت سی بھاری ذمہ داریاں بھی عائد کر دی تھیں اور متنبہ کر دیا تھا کہ ایک عام معمولی انسان کے لئے اگر چہ ناممکن تو نہیں مگر انتہائی محال ضرور ہے کہ دوسری شادی کی شرط اول عدل و مساوات کی کسوٹی پر پورا پورا اترے۔ لہذا کمیشن کی پچھتے رائے یہ ہے کہ دوسری شادی کے معاملہ کو فرد کی آزاد مرضی پر نہیں چھوڑا جاسکتا (60)۔

یہ بات بالکل خلاف منطق ہے کہ پہلے آدمی کو اس بات کی کھلی آزادی دے دی جائے کہ جب اس کی مرضی ہو دوسرا نکاح کر لے اور جب یہ واقعہ ہو چکے تو پہلے بیوی بچوں سے کہا جائے کہ اگر وہ ان کے ساتھ مساوی عدل نہیں کرتا تو عدالت سے دادری کریں، یہ ایسا ہی ہے کہ پہلے کسی قابل علاج و دوا کو خوب پھیلنے دیا جائے اور جب انسانی صحتیں خوب تباہ اور جانیں ضائع ہونے لگیں تو لوگوں سے کہا جائے کہ معالجون سے علاج کیوں نہیں کرا لیتے۔ بڑی برائیوں کو پیدا ہونے کے ساتھ ہی مسل دینا چاہیے۔ احتیاط علاج کی نسبت زیادہ قرین عقل اور مفید مشورہ ہے (61)۔ کمیشن کو اس بات کا بخوبی علم و احساس ہے کہ بعض شاذ صورتوں میں دوسری بیوی کرنا ایک جائز فعل ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس نے یہ سفارش کی ہے کہ بغیر ازدواجی عدالت سے رجوع کے کسی شخص کو دوسری بیوی کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے اور اس مقصد کے لئے قانون بننا چاہیے۔

عدالت اگر یہ دیکھے کہ اس شوہر کے معاملہ میں دوسری شادی کا مطالبہ منطقی استدلال سے جائز ہے تو وہ اس کی اجازت دے سکتی ہے، بشرطیکہ یہ دیکھے کہ وہ شخص ایک سے زیادہ بیوی بچوں کے ساتھ ہر طرح کا مساوی عدل کر سکے گا۔ ہماری سوسائٹی اس وقت جس حالت میں ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ پہلی بیوی اور اس کے بچے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں اور انصاف حاصل کریں، ایسا کرنا غیر منصفانہ بات ہے اور غیر عملی بھی ہے، کیونکہ ہماری عورتیں غریب و نادار ہیں، بے بس اور بے زبان ہیں، ان پر بڑے معاشری دباؤ ہیں وہ پسماندہ ہیں اور اس حالت میں نہیں ہیں کہ قانونی استدلال حاصل کر سکیں۔ عدالت کا کام صرف یہی نہیں ہوتا کہ جب نا انصافی ہو

جنگی ہو تو اس کی تدبیر و تالیف کی جائے۔ اس نا انصافی کے اسباب کو روکنا بھی اس کا کام ہے (62)۔ ہماری عدالت میں قانون اور عدلیہ کے نظاموں کا ایک اہم فریضہ عمل یہ بھی ہے کہ وہ نا انصافیوں کو روکنے اور کم سے کم تر کرنے کی جستجو میں سامی ہوں اور عمل کریں۔ پس یہ طے کرنا کہ مجوزہ عقد ثانی کے سلسلہ میں عدل کے تقاضے پورے ہوتے ہیں یا نہیں اور ان کی طرہیت ہو جاتی ہے یا نہیں ان ازدواجی عدالتوں کا خاص الخاص کام ہوگا (63)۔ اور یہ اس کمیشن کی خاص بنیادی مجوزہ اصلاح ہے۔

(9) کمیشن کو اس بات کا بھی پکا یقین ہے کہ صرف فائدہ رساں قانون بنا دینے سے انسانی فلاح و عدل کے حصول کا مقصد پورا نہیں ہو جاتا جب تک کہ اس عدل کے حصول کا وسیلہ سادہ، سربلج اعمل اور کم خرچ نہ ہو۔ ایک انصاف پرور معاشرہ میں عدل کو فروغ دینا شے نہیں بنانا چاہیے بلکہ وہ ہوا اور پانی کی طرح بے قیمت ہونا چاہیے۔ پھر یہ بھی ہے کہ عدل کرنے میں اگر تعویق ہو تو وہ عدل کرنے سے انکار و محروم کر دینے کا مترادف ہے، لہذا ہم نے ازدواجی امور کے لئے جو خاص عدالتیں قائم کرنے کی تجویز کی ہے وہ ایسی ہی اہم ہے جیسی دیگر قانونی سفارشات جو ہم نے تجویز کی ہیں کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ یہ خاص عدالتیں ایسی ہوں کہ ان پر تمام قسموں کے دیوانی مقدموں کا بار گراں نہ ہو اور وہ آج کل کے ضابطہ دیوانی کی جھنجھوٹوں کے نرغے میں بھی پھنسی ہوئی نہ ہوں۔ بعض ممتاز قانون پیرہ حضرات جنہوں نے بعض مسلم ممالک میں بھی پریکٹس کی ہے بیان کرتے ہیں کہ ازدواج اور خاندانی امور کے سلسلہ میں ان ملکوں میں جو مقدمات دائر ہوتے ہیں ان پر بہت قلیل عرصہ میں فیصلے صادر کر دیئے جاتے ہیں۔ ان پر مہینے اور سال نہیں گزر جاتے جیسا کہ آج کل ہمارے یہاں ہو رہا ہے۔

اسلام کا دعویٰ ہے اور بالکل صحیح ہے کہ وہ ایک سادہ، فطری اور حریت پسند دین ہے۔ اس کے چند بالکل مخصوص و معین احکام کو چھوڑ کر باقی جو بھی اصول بتائے گئے ہیں ان کا وسیع تر خاکہ ہمیں دے دیا گیا ہے۔ ان کا بنیادی تصور ہم پر روشن کر دیا ہے۔ ان اصولوں کے اصل رجحانات اور بلند توہمات سمجھا دی گئی ہیں اور ان سب کی بنیاد فطری و حقیقی عدل پر رکھی گئی ہے۔

قرآن بتاتا ہے کہ قدیم فرائض ہو گئیں، کیونکہ انہوں نے بے لچک قوانین اور بالکل بے ضروری رسوم اور عوامی رسوے کو اپنے اوپر بوجھ کی طرح لا دیا تھا، ان کو قرآن پاک نے تحقیری الفاظ سے یاد کیا ہے اور زنجیریں بیڑیاں بتایا ہے۔

## ہالٹرز (Halters)

”ہالٹرز“ Halters دوسروں کی بیڑیوں کو بھی کہہ سکتے ہیں اور پھانسی کے پھندے کو بھی کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں اصل لفظ کیا برتا گیا ہے اسے دیکھنے سے صحیح لفظ یہاں مندرج کے جاسکتے ہیں۔ (از: مترجم)

زندگی ایک حقیقی اور انجید الی عمل کا نام ہے اسے وسیع تر قوت معنیلہ و بصارت و بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے اور بے لچک قاعدے قانون کی اس سے کم۔ پس اس بات کی ضرورت ہے کہ اسلام کی اصل سادہ روح اور اس کی حریت فکرو عمل کو پھر سے زندہ کیا جائے، اور اس ہدایت کے لئے رہنمائی کے لئے ہمیں ابتدائی عہد اسلام کی طرف لوٹنا پڑے گا جبکہ وہ الحاقی و خارجی زوائد سے پاک و معزنی تھا۔ بعد میں جو احکام اور فقہیں (کوڑی) بڑھیں اور ترتیب دی گئیں ان کو تاریخی اہمیت کے حقائق کی طرح مطالعہ کیا جانا چاہیے نہ کہ اصل اسلام کی کلیت کا قائم مقام و مترادف۔ جیسا کہ اسلام کے ممتاز مفکر و فلسفی علامہ اقبال نے فرمایا ہے ”اسلام گھڑی گھڑائی تکمیل شدہ حقیقت سے زیادہ وہ بلند تر نصب العین ہے جس کے حصول کی طرف بڑھنا ہماری آرزو ہوتی ہے“ ان کا مطلب یہ تھا کہ کسی ایک خاص عہد تاریخ میں، کسی خاص معاشری و معاشی وضع قطع کے معاشرہ میں اس پر جو بھی عمل ہوا ہے وہ اس کی تجرباتی تاریخ میں وہ محض ایک لمحہ تھا۔ اگر مسلمان اسہلیاں صرف قانون کے قدیم مکاتیب خیال کی تعبیر و تطبیق میں لگی رہیں اور ان کی آنکھ بند کر کے بیروی کو ہی بس جانا تو پھر کوئی امکان اس بات کا نہ رہے گا کہ وہ کبھی ترقی پسندانہ قانون سازی کر سکیں گی۔ تمام حقیقی ارتقا ایک حقیقی عمل ہوا کرتا ہے اور جب ایسا نہ ہوگا تو وہ صرف تقلید و تکرار ماضی سے زیادہ نہیں ہوگا۔

بہت سے متعصب اور کم سمجھ معترض اکثر یہ طعن کیا کرتے ہیں کہ اس وقت کی ہمہ گیر انسانی ترقی نے اسلام کو پیچھے چھوڑ دیا ہے، مگر کوئی روشن خیال مسلمان اس الزام کو صحیح تسلیم نہیں کر سکتا، کیونکہ اسلام ایک دوسرا نام ہے حیات کے ابدی اصولوں کا اور تاریخ کے اتار چڑھاؤ اور انقلابات سے ہر قوم و ملت کو واسطہ پڑتا ہے مگر اس سے اسلام کی محکم بنیادوں اور سچائیوں میں کبھی فرق نہیں آ سکتا۔ یعنی یہ کہ اسلام میں نہیں بلکہ انسانی روابط و تعلقات اور معاملات دنیاوی میں اول بدل کا عمل دخیل رہتا ہے۔ اسلام اپنی جگہ اٹل حقیقت سالمہ ہے (64)۔

جس وقت قرآن نازل ہوا تھا اس وقت تک یہ کیفیت تھی کہ جب بھی حالات میں تبدیلی رونما ہوئی اس کے متبادل حکم خداوندی بھی دوسرا آگیا۔ اسلام کے ابتدائی دور کی پوری تاریخ ان

واقعات سے لبریز ہے۔ اب یہ کون کہہ سکتا ہے کہ انسانی زندگی بدلتی بند ہوگئی ہے اور اس میں انقلاب و موختم ہو گیا ہے۔ اور کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ اس انقلاب حیات نے ماضی کے بہت سے قوانین اور شریعتیں بدل دیں کہ اب وہ ناکارہ و فرسودہ ہو چکی ہیں، حالانکہ کسی وقت وہ امور حیات انسانی کے لئے از بس ضروری ہدایات تھیں (65)۔

مثلاً اس نکتہ کی وضاحت کے لئے رسم غلامی کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ اس مکروہ ادارہ کے ختم ہوجانے کی وجہ سے بہت سے پرانے اسلامی قوانین کی اب ضرورت ہی نہیں رہی اور وہ اب غیر نافذ و عمل تو انہیں ہیں۔ غرض جوں جوں انسانیت ترقی و عدل کی منازل طے کرتی آگے بڑھے گی بہت سے ادارے وقت کی رفتار آئندہ کے ساتھ خود بخود از کار رفتہ ہو جائیں گے۔ اب اگر ہم یہ کریں کہ اسلامی معاشرہ کو ٹھیک اور صحیحہ اس ہی وضع قماش کے ساتھ منتقلی کر رکھیں جن کی تفصیل صرف ماضی میں ملتی ہے اور جن کا اس موجودہ عہد میں کوئی مفہوم ہی باقی نہیں رہا ہے (66)۔

تو نتیجہ اس کا سوائے اس کے اور کیا ہوگا کہ ہمارا معاشرہ پس ماندہ رہے گا اور یہ شاید بہترین طریقہ ہوگا مسلم ملت کو مردہ یا زوال آمادہ بنادینے کا۔

یہ بات نوٹ کی گئی ہوگی کہ کمیشن نے جو سوال بند جاری کیا تھا اور جس پر آخری سفارشات اس لئے پیش کی ہیں ان کی نوعیت یہ ہے کہ وہ وہی سب بنیادی حقوق ہیں جو اسلام نے پہلے ہی عورت کو دے رکھے تھے، ہمارا کام ان حقوق کے تحفظ و احیاء کی سعی ہے۔ اور یہ ایسے حقوق ہیں جن کے حصول کے لئے آج کل کے کئی مہذب ترین ممالک کی عورتیں ابھی کوشش ہی کر رہی ہیں اور ملے نہیں ہیں۔

اسلام نے عورت کو مکمل معاشی آزادی بخشی ہے۔ اسے کئی واسطوں سے املاک و اموال مل جاتے ہیں اور وہ سب املاک و اموال اس کی اپنی ذاتی ملکیت ہوتے ہیں۔ اسلام نے نکاح کو ایک ”سول کنٹریکٹ“ ”دیوانی معاہدہ“ کے طور پر بنادیا ہے (67)۔

اور وہ اس معاہدہ میں اپنے تحفظ کے لئے جو چاہے اس لئے طمانیت حاصل کر سکتی ہے۔ اسے طلاق کا بھی مساوی حق مل سکتا ہے اور اگر وہ یہ ثابت کر سکے کہ اس کا شوہر وظائف کو ادا نہیں کر سکتا یا ذہنی و جسمانی عذاب پہنچاتا ہے یا بدسلوکی کا مرتکب ہے تو اس شوہر سے خلع حاصل کرنے کی بھی اسلام نے اجازت دی ہے۔ وہ اگر یہ ظاہر کرے کہ میں اس شوہر کے ساتھ رہنے کے لئے بالکل تیار نہیں ہوں اور مہر کی پوری یا اس کا کچھ حصہ چھوڑنے کے لئے تیار ہوں، تو بھی وہ طلاق حاصل کرنے کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اگر اس کا شوہر عقد ثانی کر لے تو وہ اپنے لئے ہمہ وجوہ، ہر



طرح کے مساوی عادلانہ سلوک کا بھی دعویٰ کر سکتی ہے۔ یہ ہے بنیادی اور اصل روح اسلام، اس سلسلہ میں۔ اس کا مآخذ یا تو تعلیمات قرآنی یا احادیث نبوی۔ لیکن فقہانہ لکچر پن اور شدت و جہن نے اور اس وجہ سے بھی کہ عورتیں بے پردہ، ناواقف اور پھر نادار بھی تھیں اور معاشی طور پر دوسروں کی دست نگر تھیں۔ اسلام کی دی ہوئی ان برکتوں سے محروم رہیں اور ازدواجی و خاندانی زندگی کے یہ حریت پرور اند احکام اسلام یا تو پس پشت جا پڑے یا عدالتی کارروائی کے چکروں کی وجہ سے ناقابل عمل ہو گئے (68)۔

اس کمیشن نے جو بھی سفارشات پیش کی ہیں وہ کوئی نئے حقوق نہیں ہیں بلکہ وہی حقوق ہیں جو قرآن و سنت نے پہلے سے ان کو عطا کر رکھے ہیں۔ کمیشن نے صرف یہ کیا ہے کہ اپنی یہ تجاویز پیش کی ہیں کہ کس طرح ان احکام کو اس عہد اور ہمارے معاشرہ میں بروئے کار لایا جاسکتا ہے اور بہتر طریقہ عمل ان کا بتا کر یہ دکھایا ہے کہ ان حقوق کا تحفظ کس طرح بالیقین حاصل ہو سکتا ہے۔ بعض حالتوں میں اس کمیشن نے صرف قرآن و سنت کے احکام کو ترجیح دی ہے اور ان تصریحات و تعبیرات کو قبول نہیں کیا ہے جو بعد کے فقہاء نے پیش کی ہیں خواہ اس باب میں ان فقہاء کے رد و قبول کا درجہ کیسا ہی ہو، کیونکہ کوئی بھی اپنے آپ کو مٹائی من الخطا نہیں سمجھتا۔ واقعہ یہ ہے کہ سائنس کی طرح تاریخ و قانون میں بھی بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی خاص عہد کے مفکرین عظام کے متفقہ علیہ فیصلہ پر بھی اس بات کی گارنٹی نہیں دی جاسکتی کہ وہ بالکل حق اور جائز ہے (69)۔

آخر میں ہم یہ عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ اس کمیشن کی رپورٹ میں جو اصلاحات تجویز کی گئی ہیں وہ ایسی ایک دوسرے پر منحصر نہیں ہیں کہ بیک وقت انہیں سب کو منظور کیا جائے یا کھلیے رد کر دیا جائے یعنی یہ کہ ان کو الگ الگ بھی آہستہ آہستہ نافذ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ازدواجی و اہلی معاملات کے قوانین کی عدالتیں کبھی کی قائم ہو جانی چاہیے تھیں، اس لئے اب فوراً ان کا قیام عمل میں آنا چاہیے تاکہ نکاح و طلاق، ورثہ، اولاد وغیرہ تمام معاملات کا جلد تصفیہ ہو جایا کرے، صرف ایک اس اصلاح کے عمل کرنے سے فوراً ہی عورتوں کی بہت سی شکایات کا ازالہ ہو جائے گا اور یہ ایک قدم ہوگا معاشرتی عدل کے اس حصول کی طرف جو نشانے شریعت اسلام ہے (70)۔

دوسرا قانون جو فوراً بننا چاہیے یہ ہو کہ:-

(۱) کوئی شخص پہلی بیوی کی زندگی میں عقد ثانی نہیں کر سکے گا جب تک ازدواجی امور کی

عدالت سے رجوع نہ کر لیا جائے (71)۔

(ب) کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق نہیں دے سکے گا جب تک اسی طرح کی عدالت سے اس کی اجازت حاصل نہ کر لی گئی ہو (72)۔

ہم نے ان دو قوانین کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ دوسری اصلاحات اسی طرح آہستہ آہستہ قانون کی شکل میں کرتی رہنی چاہئیں، یہی بہتر ہے بہت اس کے کہ ایک پیچیدہ ضابطہ قوانین پورا نافذ کر دیا جائے۔ خود ہندوستان کی مثال اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ ہندوؤں کے دھرم شاستر کی اصلاح کے سلسلہ میں وہاں حکومت نے ایک کمیٹی بنائی، اس نے دھرم شاستر میں اصلاحات تجویز کیں، ان اصلاحات کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے الگ الگ قانون بنائے گئے اور وقت و نقد سے یہ قانون بننے اور نافذ ہوتے رہے (73)۔

اس ضمن میں علامہ اقبال کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں ”مستقبل قریب میں اسلامی ممالک کو جس سوال سے نمٹنا پڑے گا وہ یہ ہوگا کہ کیا شریعت اسلام میں ارتقا کی صلاحیت و اہلیت ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے بڑی سخت و کٹھن سچی کی ضرورت ہوگی اور جواب یقیناً اثبات ہی میں ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ دنیائے اسلام کو اس کا عمل اس حریت فکر کے ساتھ کرنا پڑے گا جو ”عمر“ کو نصیب ہوئی تھی۔

”عمر“ کا وہ دماغ جو اسلام میں پہلی غیر تقلیدی صاحب نظر دماغ تھا اور جس میں اتنی اخلاقی جرأت تھی کہ جب رسول اللہ کی حیات مبارک کے آخری لمحات تھے انہوں نے یہ بیخبات پکار کر کہی ”ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے“ (74)۔

خدا کرے کہ جمہوریت اسلامیہ اپنے نام کے شایان شان عمل بھی کر سکے اور اسلام کی اولین خری، تخلیقی و حریت پرور اند روح کی طرف لوٹ سکے۔

### گزشتہ سرکاری تجاویز و اصلاحات کا ”خلاصہ“ پر اختلافی نوٹ

سوالنامہ کی دفعات مکمل ہونے کے بعد خلاصے کے عنوان سے رپورٹ میں ایک باب کا اضافہ کیا گیا اور اس میں بالعموم انہیں خیالات اور افکار کا اظہار ہے جو دیباچہ میں گذر چکے ہیں، جن پر تفصیل کے ساتھ میں اپنے خیالات اختلافی نوٹ کی تمہید میں ظاہر کر چکا ہوں، اس لیے اب مزید خلاصہ کی بابت قلم اٹھانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن جس طرح اس رپورٹ کا مسودہ میرے نزدیک بالکل غیر آئینی، غیر اصولی اور کمیشن کے دائرہ عمل سے خارج ہے، اسی طرح خلاصہ کے عنوان سے ضمیمہ رپورٹ بھی کمیشن کے دائرہ عمل سے خارج ہے، اور انہوں نے کہ اس خلاصہ کا ایک حرف بھی کمیشن کے کسی اجلاس میں زیر بحث نہیں آیا اور میں دیباچہ کی طرح اس

خلاصہ کے شامل کرنے پر بھی شدید احتجاج کرتا ہوں۔

### حرف آخر

آخر میں پھر اس اہم بات کو دہرایا ضروری سمجھتا ہوں کہ کمیشن کو موجودہ قوانین اور عورتوں کی مشکلات کا مطالعہ کرنے کے بعد ان قوانین کو مطابق شریعت بنانے کی سفارش کرنا تھی نہ یہ کہ اپنے تصورات پیش کر کے خود شریعت میں اصلاح و اجتہاد کی راہ کھولنا۔ اگر بالفرض کسی سنے اور پیچیدہ مسئلے میں اجتہادی قیاس کی ضرورت بھی ہو تو کمیشن اس امر کی صرف نشاندہی کر سکتا ہے، خود مندا اجتہاد پر بیٹھ کر اس کے حل کرنے کا اسے کسی حیثیت سے بھی حق حاصل نہیں۔

اس سلسلے میں خود کمیشن کا دائرہ عمل مقرر کرنے میں بھی ایک صریح قطعی موجود ہے کہ ”اسلام کے بنیادی احکام“ کے بجائے ”اسلام کے بنیادی اصولوں“ کا ذکر کیا گیا ہے، اصولوں کا لفظ فکری انتشار کے لیے غیر محدود میدان پیدا کرتا ہے۔

ایک اور بنیادی امر یہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ ہمارے ازدواجی اور عائلی مسائل سب کے سب شریعت پر مبنی ہیں۔ قانون جو بھی بنے اسے شریعت کا تابع ہونا چاہیے، اگر قانون کی خاطر شریعت میں رد و بدل کی کوشش کی جائے گی تو گویا قانون کو شریعت پر فوقیت دے دی جائے گی۔ اس سے ازدواجی تعلقات کا قانوناً جائز تو ہو جائیں گے لیکن جب تک وہ شریعت کے بالکل مطابق نہ ہوں گے، از روئے شرع حرام رہیں گے۔

سب سے بڑی خوبی جو اسلامی قوانین ازدواج میں ہے وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے ماتحت مرد، عورت اور اولاد سب کی فطری ضروریات کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، ان میں سر مو بھی فرق ڈالا جائے گا تو فطری توازن بگڑ جائے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک مصلحت کا خیال رکھا جائے گا تو کوئی دوسرا مقصد فوت ہو جائے گا، اور ایک مقصد کا بخیل خویش سد باب کیا جائے گا تو کوئی دوسرا مقصد رونما ہو کر کنبے اور معاشرے میں خلل پیدا کر دے گا، لہذا فرد و ملت کی بھلائی اسی میں ہے کہ وحی الہی کے قانون کا پابند رہے اور اس میں اپنی طرف سے رخسہ اندازی کی صورت پیدا نہ کرے۔

اسلامی نظام معاشرت ایک مکمل نظام ہے، اس کو قبول کرنا ہو تو بھی تمام و کمال، اور رد کرنا ہے تو بھی مکمل طور پر ”یومنون بہ بعض ویکفرون بہ بعض“ پر عمل کرتے ہوئے اس نظام کے کچھ اجزائے لینا اور کچھ اجزا چھوڑ دینا کسی طرح ممکن نہیں، کمیشن کی یہ رپورٹ اس قسم کی ایک نازیبا کوشش ہے، اس لیے شرعاً، عقلاً ہر لحاظ سے کلی طور پر مسترد کر دینے کے قابل۔ یہی ہے میری سفارش۔

بندہ: احتشام الحق تھانوی مفتی عمر ممبر کمیشن اڈن میرج، تاریخ: ذوالحجہ 1375ھ/10 جولائی 1956ء۔

نوٹ: یہاں تک حکومت پاکستان کی منتخب کردہ سرکاری ٹیم بنام ”عائلی کمیشن“ کے سوالات، تجاویز، قرآن و سنت کے خلاف آراء اور خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کا اختلافی نوٹ ختم ہو گیا ہے۔

## حاشیہ گذشتہ صفحات از مرتب

بدقسمت عالمی کمیشن و میرج کمیٹی کا سیاہ مسودہ رپورٹ من و عن ماقبل میں نقل کیا جا چکا ہے، اس پر خطیب پاکستان نے فقہی انداز میں جو بصیرت آموز اختلافی نوٹ لکھا ہے وہ بھی پیش کیا جا چکا ہے البتہ مسودہ رپورٹ کی بعض غلط عبارت و سلی ذہنیت کی عکاسی پر مرتب نے شرعی انداز میں مختصر تبصرہ لکھا ہے، جس عبارت پر تبصرہ ہے اس پر تبصرہ رد کر دیا گیا ہے اور نمبرات کے مطابق وہ تبصرہ جات یہاں درج کئے جا رہے ہیں۔ (از مرتب)

(1) مگر یہ بحث کرنے والے فقہاء ہوتے تھے جہلاء نہیں ہوتے تھے۔

(2) حکم عام کی تخصیص اور مطلق کی تقلید قیاس سے نہیں ہو سکتی اس کے لئے بھی نص یا اجماع کی ضرورت ہے۔

(3) کہنا غلط ہے کیونکہ یہ کفر کی سزا کا بدلہ ہے کفر کی سزا قتل ہے اور قتل کے عوض غلامی ہے، پس غیر انسانی فعل حقیقت میں کفر ہے غلامی نہیں۔ البتہ اسلام نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، ظلم کو منع کیا ہے اور حسن سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر وہ قابل اعتماد ہو جائیں تو ان کو آزاد کر دیا جائے مگر یہ واجب نہیں ہے۔

(4) اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم وجوبی ہے یا استحبابی، ابوحنیفہ کے نزدیک عرب غلام نہیں بنائے جائیں گے نہ جزیہ لے کر زندہ رکھے جائیں گے بلکہ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں قتل کئے جائیں گے۔

(5) غلط ہے حضرت عمرؓ کے پاس خود غلام تھے اگر وہ اس کو غیر انسانی فعل سمجھتے تو کم از کم اپنے غلاموں کو تو آزاد کرتے۔

(6) اس کو تبدیل و تعمیر کی شان میں پیش کرنا غلط ہے جیسا اوپر مذکور ہوا ہے اور اگر اس کو ختم کر دیا گیا تو جو کفار جنگ میں قید ہوں کیا سب کو رہا کر دیا جائے گا یا قتل۔ صورت اول خطرناک ہے اور دوسری صورت وحشیانہ ہے، پھر کیا قید کیا جائے گا، مگر قید غلامی سے بھی بدتر ہے، قیدی بھی دوست نہیں ہوتا اور غلام حسن سلوک سے وفادار ہو جاتا ہے، تاریخ شاہد ہے۔ از مرتب

(7) انگریزی شاعر کے قول سے استدلال کرنا کون سی فقہ ہے؟

(8) قرآن میں یہ کہاں ہے؟

(9) کیا تفسیر و تاویل غلط ہے۔

(10) پس جو فرض دیا ہے وہ تو فرض ہو گیا اس کو مقید کہنا غلط ہے۔ از مرتب

(11) اجتہاد اختیار یا آزادی نہیں بلکہ نصوص سے کلیات اور کلیات سے جزئیات کے احکام کا استخراج ہے۔ از مرتب

(12) شریعت ان احکام کا مجموعہ ہے جو قرآن و سنت اور اجماع و قیاس سے ثابت ہیں۔ فقہ کے معنی کتاب و سنت کے استدلال و ارشادات سے احکام کا استخراج ہے، پس یہ فرق ہے شریعت اور فقہ میں۔ از مرتب

(13) علماء امت نے ہر زمانہ میں نئے مسائل کے احکام بیان کئے ہیں اور اس پہلو کو نشہ نہیں چھوڑا۔ از مرتب

(14) اصول و ضوابط قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی اور یہ اصول و ضوابط قیامت تک کے حوادث کو حل کرنے کے لئے کافی ہیں بشرطیکہ تفقہ سے کام لیا جائے اور یہ تفقہ ہمیشہ باقی رہے گا اجتہاد مطلق کی اب گنجائش نہیں، کیونکہ اصول و ضوابط مدون ہو چکے ہیں۔ از مرتب

(15) عدالتی نظام کو بدلنا اور عدل کو کھل و آسان کرنا ضروری ہے۔ از مرتب

(16) تعدد از دو وجہ کو قانون اسی وقت روک سکتا ہے جبکہ چار سے زیادہ ہو، چار کی حد تک قانون کو روکنے کا حق نہیں البتہ بیوی بچوں کی کفالت پر شوہر کو مجبور کر سکتا ہے اور اس کے لئے کسی رقم کی تحدید غلط ہے، ہر عورت کا نان و نفقہ اس کے درجے کا موافق ہوگا۔ "طبیق ذو سچ من معہ ومن قدر علیہ رزقہ لعلیق مما آتاه اللہ" از مرتب

(17) کیا رجسٹروں کو بدلنا نہیں جاسکتا، فائلوں کو غائب نہیں کیا جاسکتا، آج کل پاکستان میں یہ

بھی ہو رہا ہے تو رجسٹری سے ہی کیا پتہ چلی ہوگی، اصل چیز تو معاشرہ کی درستی ہے اگر معاشرہ درست نہ ہو تو گواہ اور رجسٹری کے بعد بھی خرابی رہے گی۔ شریعت نے لکھنے کی تاکید اس لئے کی ہے کہ بھول چوک نہ ہو اس لئے نہیں کہ کتابت کے بغیر صحیح و شرأ صحیح نہیں۔ کتابت کے بغیر بھی صحیح ہے۔ از مرتب

(18) رجسٹری یا کتابت کو لازم کرنا غلط ہے، شریعت نے جہاں کتابت کا امر کیا ہے وہاں بھی کتابت لازم اور واجب نہیں تو جہاں امر بھی نہیں کیا وہاں کتابت رجسٹری کیسے لازم ہو سکتی ہے؟ یہ مرتع مدخلت فی الدین ہے، ہاں انتظاماً اس کی تاکید کی جاسکتی ہے مگر نکاح کو بلا کتابت و رجسٹری کے بھی صحیح ماننا پڑے گا۔ جیسا مشرقی پاکستان میں اب بھی ہو رہا ہے کہ نکاح و طلاق کی رجسٹری بھی ہوتی ہے مگر بغیر رجسٹری کے بھی شہادت سے نکاح و طلاق کو صحیح مانا جاتا ہے، یہی ہونا چاہیے۔

(19) کیا عتایات الرحمن کی عدم شرکت اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ کمیشن پر ان کا اعتماد نہیں یا وہ کمیشن کو اس کا اہل نہیں سمجھتے۔

(20) نکاح کو رجسٹری پر موقوف کرنا درست نہیں اور اس مشکل کا حل یہ ہے کہ جس طرح ہر دایہ کو قانوناً حکم ہے کہ جو بچہ پیدا ہو اس کی اطلاع حکومت کو دے، اسی طرح ہر پٹواری کے ذمہ کر دیا جائے کہ گاؤں میں جو نکاح اور طلاق ہو وہ اس کو اپنے یہاں درج کرے اور حکومت کو اطلاع کرے، شہروں میں پٹواری کی جگہ ہر محلہ کے سردار پر اس فرض کو عائد کیا جائے، اس سے مشکل بھی حل ہو جائے گی اور غیر شرعی قید لگانے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔

(21) تو کیا کمیشن کے نزدیک کوئی لین دین بغیر کتابت کے صحیح نہیں؟ پھر صحت نکاح کو اس پر موقوف کیسے کیا جاسکتا ہے؟ ہاں ضرور ہونا چاہیے مگر صحت معاملہ اس پر موقوف نہیں جیسا کہ ہر لین دین اس پر موقوف نہیں۔

(22) اس کے احسان میں کلام نہیں، لزوم میں کلام ہے، لزوم نہ ہونا چاہیے، البتہ حکومت اپنے ملازموں کو مجبور کرے کہ ان کے حلقہ میں جو نکاح، طلاق ہو اس کو درج کیا کریں، جیسا کہ ولادت و موت کو درج کیا جاتا ہے۔

(23) یہ بھی احسان کا درجہ ہے لزوم کا درجہ نہیں، رسول اللہ ﷺ نے خود حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا ہے جبکہ وہ 6 سال کی تھیں، حضورؐ سے زیادہ تابع قرآن کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا "کان خلقہ القرآن" حضورؐ کے فعل کو ماضی کی رسوم پر مبنی کہنا غلط ہے۔



(24) اطلاق کی تنقید بھی فتح ہے جب شریعت نے نکاح کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی تو کسی تنقید کا حق نہیں، اگر بلوغ کے بعد لڑکی کو یہ نکاح پسند نہ ہو تو غیر اب و جد کی صورت میں اسے اختیار بلوغ حاصل ہوگا اور اب و جد کے نکاح میں حق خلع ہوگا۔

(25) مگر اس میں یہ شرط بھی ہے "کل شرط اصل حراماً اور حرم حلالاً فقہود، شرط اللہ احق و اوّل" کی فی البخاری

(26) تفویض اور چیز ہے اور عورت کو مرد کی طرح طلاق دینے کا حق دوسری چیز ہے، تفویض شوہر کی طرف سے ایک حق برائے بیوی بطور عطیہ ہے۔

(27) عورت کو از خود اعلان طلاق کا حق نہیں تفویض کی حقیقت اوپر گزر چکی،

(28) اس علامہ کا یہ تبصرہ اور انگریزی مؤرخ کا بیان دونوں غلط ہیں، اس مسئلہ کو اختلافی نوٹ میں مفصل بیان کر دیا گیا ہے۔

(29) تین طلاق کا بدعت اور گناہ ہونا اور شے ہے واقع ہونا دوسری شے ہے، ایسے گناہ کا کوئی تخفیف دینا قرین عقل نہیں ہے بلکہ اُس کی تین طلاق کو تین شمار کر کے حرمت مغلطہ کا حکم دینا موافق عقل ہے تاکہ لوگ آئندہ اس بدعت اور گناہ کا ارتکاب نہ کریں۔

(30) غلط ہے حضرت عمرؓ نے اس پر کبھی تاسٹ نہیں کیا اور نہ انہوں نے خلاف حکم رسول کوئی حکم دیا۔ اختلافی نوٹ میں تفصیل موجود ہے۔

(31) مولانا موصوفؒ نے ایسا نہیں کہا ہوگا جب وہ نکاح کے لئے رجسٹری لازم کرنے کے خلاف ہیں تو طلاق کی رجسٹری یا عدالت کے روبرو ہونے کی شرط کیسے لازم کر سکتے ہیں، ہاں معاشرہ کو اس کی تاکید کی جاسکتی ہے مگر طلاق کو بہر حال صحیح مانا جائے گا خواہ عدالت کے سامنے نہ ہو،

(32) طلاق دینے سے پہلے مصالحت کا انتظام مستحسن ہے اور وہ بھی زوجین کے بااثر لوگوں کے ذریعہ ہونا چاہیے، جیسا قرآن نے کہا ہے، عدالت کو اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں، طلاق کے بعد رجسٹری میں بھی مصالحت کا امکان ہے مگر تین طلاقیں کے بعد اس کا کل باقی نہیں رہتا۔

(33) مطلقہ کے لئے مہر اور نفقہ عدت کے سوا اور کچھ حق نہیں البتہ اولاد کا نفقہ باپ کے ذمہ ہے جس کی معادفتہاء نے بیان کر دی ہے کہ لڑکے کا بلوغ تک اور لڑکی کا نکاح تک نفقہ باپ کے ذمہ ہے۔

(34) غلط ہے، اس میں بعض امور ترمیم کے محتاج ہیں۔

(35) مگر خلع زوجین کی رضا سے ہوتا ہے اسی صورت مذکورہ میں شوہر نے بخوشی خلع منظور کر لیا

قانون امر وہ خلع منظور نہ کرے اور حاکم کی رائے میں تفریق کی ضرورت ہو تو وہ شوہر کو خلع منظور کرنے پر مجبور بھی کر سکتا ہے۔

(36) یا ہاندیاں رکھیں "او مملکت ایماکم" کو کیوں حذف کر دیا؟

(37) اس کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ عدل وانصاف عدالتوں میں مفت بلا مشقت حاصل ہو سکے، جب ایسا ہوگا ہر عورت کو اپنے شوہر کی نا انصافی پر عدالت سے رجوع کرنا آسان ہوگا، اس سے زیادہ کثرتوں کی ضرورت نہیں۔

(38) اگر یہی وجہ ہو تو عدالت کو روکنے کا کیا حق ہے؟ محبت و عشق کا علاج نکاح ہی ہے، ورنہ زنا میں مبتلا ہوگا۔

(39) قرآن میں "فانکھوا ما طاب لکم من النساء" مطلق ہے، "احل لکم ما وراء ذلکم" بھی عام ہے، مطلق کی تنقید اور عام کی تخصیص فتح ہے جس کا کسی عدالت کو حق نہیں ہے، رہا یہ دو بیویوں میں شریعت نے عدل کا حکم دیا ہے تو شریعت نے تو تمام معاملات میں عدل کا حکم دیا ہے "اعدلوا ہو ارب للفقوی" تو کیا عدالت تمام معاملات کو اپنی اجازت پر موقوف رکھے گی؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ عدالت کا فرض یہ ہے کہ جس معاملہ میں اُس کو ظلم و حدود ان کی تحقیق ہو جائے وہاں مداخلت کر کے ظلم کو روکے اور عدل قائم کرے، معاملات کو روکنے کا اُسے حق نہیں، یہی صورت تعداد زوجین میں ہونی چاہیے، جب ظلم کی تحقیق ہو جائے عدالت دخل دے سکتی ہے۔

(40) نوٹ: یہاں بھی وہی شرط ہے کہ عدالت نکاح کی ممانعت نہیں کر سکتی جب تک حدود اربعہ ۳ سے تجاوز نہ ہوں، اگر اُس کو شوہر کے ظلم کی تحقیق ہو جائے تو شوہر کو ظلم سے روکنے اور عدل پر مجبور کرنے کا حق ہے۔

(41) یہاں بھی وہی نوٹ ہے جو پہلے گزرا۔ عدالت بیوی کا نفقہ اسی صورت میں مقرر کر سکتی ہے جبکہ اُس کو پہلی بیوی پر ظلم کی تحقیق ہو جائے۔

(42) عدالتی نظم کو آسان کرنا بہر حال ضروری ہے، ساری خرابیوں کی جڑ بھی یہی ہے اسی لئے لوگوں پر ظلم ہوتا ہے، جن ممالک اسلامیہ میں عدالتی نظام کھل انصاف ہے وہاں عورتیں مظلوم نہیں ہیں مرد ہی مظلوم نظر آتے ہیں۔

(43) صحیح ہے۔

(44) مگر جب کہ مہر کی رقم بہت زیادہ ہو تو اس کو قسط وار ادا کرنے کا حکم دیا جائے اور قسط کی

مقدار حاکم عدالت شوہر کی حیثیت پر مقرر کرے گا۔ نیز: مہر کے سلسلہ میں ادائیگی کے متعلق قوانین بنانے ضروری ہیں، مگر مہر میں بڑی بڑی مقدار مہر کی حوصلہ افزائی نہیں ہونی چاہیے اور مہر مثل شریعت میں اس کا معیار ہے۔

(45) میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ عورتوں کی تمام پریشانیوں کا سبب عدالتی نظام کی پیچیدگی ہے، جہاں عدل آسان اور مفت ہے وہاں عورتیں مظلوم نہیں۔

(46) صحیح ہے۔

(47) صحیح ہے اور اس کی ضرورت ہے

(48) صحیح ہے بلکہ اس پیچیدہ نظام کو جلد از جلد بدلا جائے۔

(49) غلط ہے اور اس کی فطرتی علماء نے ظاہر کر دی ہے، واداسے قریب تر اس کا اپنا بیٹا ہے، پوتا بچیدہ اور وراثت میں اقربین کو مقدم کیا گیا ہے۔

(50) میراث کے مسائل نصوص میں موجود ہیں اور مخصوص احکام میں قیاس کو دخل نہیں دیا جاسکتا ”مطلر جال نصیب ممان ترک الوالدان والاقریون وللنساء نصیب ممان ترک الوالدان والاقریون مما قل منہ او کفر“ اب یہ کون سی منطق ہے کہ ”الاقریون“ کو چھوڑ کر ”للعنہ ون“ کو ورثہ دیا جائے ”واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب اللہ“ میں بھی قریب تر کو مقدم کیا گیا ہے، حدیث میں اس کی تشریح ان الفاظ میں بخاری میں موجود ہے ”المختار الفرائض باہلہا فاقی فصولا ولی رمل ذکر من لہلہ“۔

(51) ہبہ نامہ میں تصریح ہوئی چاہیے کہ صرف منافع کا ہبہ کیا جاتا ہے جائیداد کا ہبہ نہیں کیا گیا، لیکن اگر مرض الموت میں ایسا کیا گیا تو یہ وصیت ہوگی اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔

(52) وقف میں یہ شرط لگھ دی جائے کہ متولی کو باجائز عدالت اس کو تبدیل کرنے کا اختیار ہوگا۔

(53) خلع کے موضوع پر اس کے متعلق نوٹ گزر چکا ہے، اس باب میں رسالہ الخلیۃ الناجزہ سے مدد لی جائے۔

(54) عورت کو مشیر نہ کیا جائے۔

(55) بلکہ معاشرہ خراب ہو چکا ہے، اس خرابی کو تعلیم اور عمدہ نصاب تعلیم سے بدلا جائے۔

(56) بشرطیکہ تبدل و تعمیر موافق شریعت ہو۔

(57) قواعد میں تحدید اور تبدیل کا حق کسی کو نہیں، البتہ معاشرہ کو بدلنے اور عدالتی نظام کو صحیح

کرنے کی ضرورت ہے۔

(58) قرآن کے اطلاق کو مقید یا عام کو خاص کرنا قیاس سے جائز نہیں، اس کے لئے بھی نص کی ضرورت ہے اور یہ کام ہر شخص کا نہیں، ماہرین شریعت ہی اس فرض کو انجام دے سکتے ہیں۔

(59) ہم اوپر یہ کہہ چکے ہیں کہ نکاح و طلاق کی صحت کو کتابت یا رجسٹری پر موقوف نہیں کیا جاسکتا ہاں قوم کو اس کا عادی بنانے کا انتظام کیا جائے تو کچھ حرج نہیں اور یہ امر ترغیب و تخریص سے کیا جائے تشدد سے نہیں۔

(60) ہم اوپر کہہ چکے ہیں اسلام نے عدل کو واجب قرار دیا ہے، تعدد از دو واج میں بھی واجب کہا ہے، پس جب دوسرے معاملات میں عدالت اس وقت تک مداخلت نہیں کرتی جب تک خلاف عدل کی تحقیق نہ ہو جائے، یہاں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے کہ جب تک خلاف عدل تحقیق نہ ہو مداخلت نہ کی جائے، چار تک نکاح کو جائز رکھا جائے، ایک امر مباح کو قانون سے غیر مباح کر دینا درست نہیں۔

(61) تو پھر معاملات صحیح و شرأ اور تقسیم املاک میں بھی لوگوں کو معاملات سے روک دیا جائے تاکہ زناغ پیدا نہ ہو، پیدا ہونے کے بعد عدالت کی مداخلت ویسی ہی ہوگی جیسے دبا کے بعد علاج اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو نکاح میں بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔

(62) اس طریقہ عدل کو مفت اور سستا کرنا اور تعلیم کو عام کرنا ہے، ایک امر مباح کو غیر مباح کرنا نہیں ہے۔

(63) یہ کام عدالت کا نہیں زوجین کی دیانت و امانت کا ہے، عدالت ظلم کو روک سکتی ہے، زوجین کے قلوب کو نہیں بدل سکتی جب ظلم کی تحقیق ہو تو ظالم کو روکا جائے۔

(64) پہلے زمانے کی طرف لوٹنے کا بھی مشورہ دیا جاتا ہے اور اس کا بھی کہ قانون میں تبدیلی کی جائے اگر پچھلے عربی معاشرہ کی طرف مسلمان لوٹ جائیں تو اس تبدیلی کی اصلاً ضرورت نہ ہوگی، فقہاء نے جو کچھ فرمایا ہے قرآن و سنت سے سمجھ کر فرمایا ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا ”القیاس مطہر لا ثبت“ یعنی قیاس کتاب و سنت کی تشریح کرتا ہے کوئی نئی بات ثابت نہیں کرتا۔

(65) مگر دین اسلام کو حیات رسول میں ”اکملت لکم دینکم“ سے مکمل ہونے کا اعلان کر دیا گیا ہے۔

(66) چونکہ منافق مسلم حکمرانوں اور بزدل لوگوں کی وجہ سے جہاد موقوف ہے اس لئے مسئلہ غلامی کی ضرورت پیش نہیں آتی، اگر جہاد ہو تو اس کی ضرورت پھر پیدا ہوگی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔

(67) غلط ہے، نکاح عبادت بھی ہے اور معاملہ بھی ہے۔

- (68) یہ تصور تعلیم اسلامی کے حام نہ ہونے اور عدالتوں کے نظم کی خرابی کا ہے نہ کہ فقہی تعبیرات کا۔
- (69) مگر اسلام میں اجماع حجت ہے، اس کے خلاف کا کسی کو حق نہیں ہے اور فقہاء نے جو کچھ کہا ہے وہ قرآن و سنت سے سمجھ کر کہا ہے، ان کے قول کو کسی کی رائے سے تبدیل نہیں کیا جاسکتا بلکہ نص سے بدلا جاسکتا ہے۔
- (70) اس کی ضرورت پر ہم کو بھی اصرار ہے بشرطیکہ ان عدالتوں کے جج قوانین شرعیہ کے ماہر ہوں۔
- (71) اس سے ہم کو اختلاف ہے وجہ اوپر گزر چکی ہے۔
- (72) یہ بھی تسلیم نہیں، وجہ اوپر گزر چکی ہے۔ از مرتب
- (73) اُن کا دین کامل نہیں، ہمارا دین کامل ہے، اس لئے یہ قیاس غلط ہے۔
- (74) مگر حضرت عمرؓ عیسا تقویٰ، ایمان دیانت و امانت و حب خدا و رسول اور فقہ و فہم کتاب اللہ پیدا کرنا شرط اولین ہے۔



## پوتے کی وراثت کثرت از دواج سے متعلق دونو نوٹ

منجانب: ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور  
زیر نگرانی: حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی صاحب  
مرتبہ: شعبہ تصنیف جامعہ احتشامیہ کراچی  
ناشر: مکتبہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی

آں کس کہ بہ قرآن و خبر زو ندہی  
آنت جوابش کہ جوابش ندہی



## پوتے کی وراثت اور کثرت ازدواج کے متعلق دونوٹ

از: ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

ثقافت اسلامیہ کے نام سے لاہور میں ایک ادارہ قائم تھا جس کے اراکین یہ تھے (الف) پروفیسر ایم ایم شریف ایم اے ڈائریکٹر (ب) ڈاکٹر طاہر اللہ ایم اے، پی ایچ ڈی پروفیسر اعلیٰ عربی محکمہ تعلیم مغربی پاکستان (ج) مسٹر اے ایس سلام ایل ایل ایم لندن، ایل ایل ایم بیل (د) مسٹر محمد عارف ایل ایل ایم لندن (ه) بیرسٹر رفیق (و) ڈاکٹر علاؤ الدین صدیقی صدر اسلامی مشاورتی کونسل حکومت پاکستان۔

مذکورہ حضرات نے ”مسلم عالمی قانون 1961ء نمبر 16 (16)/65ء سی، آئی، آئی“ پر پوتے کی وراثت اور کثرت ازدواج کے متعلق دونوٹ (مختصر مقالہ) تیار کئے پھر یہ مقالہ بغرض طلب رائے خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے پاس بھیجا، خطیب پاکستان نے اس مقالہ پر اختلافی نوٹ اس لئے نہیں لکھا کہ عالمی کمیشن پر جو کچھ لکھا وہ اس کے لئے بھی کافی ہے۔ یہاں ایک مکتوب اور مذکورہ دونوٹ پیش کئے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

مکتوب از ادارہ ثقافت اسلامیہ بخمدت خطیب پاکستان

حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ، جامع مسجد جیکب لائن کراچی۔

محترم المعظم جناب مولانا صاحب

مسلم عالمی قانون 1961ء پر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے دونوٹ شائع کئے ہیں ان کی ایک نقل آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں اور ملتیں ہوں کہ اس پر غور فرما کر اگر ہو سکے تو ایک ہفتہ کے اندر کونسل کو اپنی پیش قیمت رائے سے مستفید ہونے کا موقع عنایت فرمائیں۔

اس تعاون کے لئے میں آپ کا بے حد ممنون و مشکور ہوں گا۔

نیاز مند علاؤ الدین صدیقی صدر۔ اسلامی مشاورتی کونسل حکومت پاکستان۔ اسلامی مشاورتی کونسل 73۔ مین روڈ، من آباد۔ نمبر۔ 16 (16)/65ء سی۔ آئی۔ آئی۔ لاہور، تاریخ 16 مارچ 1965ء۔

## نوٹ نمبر 1۔ پوتے کی وراثت

پوتے کی وراثت کا مسئلہ جب کہ اس کا باپ اس کے دادا کی زندگی میں وفات پا چکا ہو۔  
”ہماری رائے میں پوتا وراثت کا اس طرح مستحق ہے جیسے کہ اس کا باپ اپنی زندگی میں ہوتا۔“ اس کی حمایت میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) اسلام نے یتیموں اور کمزوروں کی نگہداشت پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اس لئے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہو سکتا کہ یتیم پوتے، پوتیوں یا نواسے، نواسیوں کو حق وراثت سے محروم کیا جائے۔

(۲) اس معاملے میں یتیموں کی وراثت قرآن شریف میں خاص طور پر مقصود معلوم ہوتی ہے کیونکہ وراثت سے متعلق آیت سے پہلے قرآن شریف میں یتیموں کا خاص طور سے ذکر ہے۔ (سورہ ۴، آیت ۱۰)  
(۳) قرآن حکیم نے متونی کے مرحوم بیٹے کی اولاد کو دادا کے مال میں حصہ دار سمجھنے سے کہیں منع نہیں کیا۔

(۴) باپ کی عدم موجودگی میں پوتے کے حق وراثت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قرآن شریف میں وراثت کا مستحق ”ولد“ کو قرار دیا گیا ہے جس کے معنی بیٹا یا بیٹے کا بیٹا یا بیٹے کے بیٹے کا بیٹا (خواہ نسب میں کتنا ہی نیچے ہو)۔ قرآن شریف میں بیٹے، پوتے، پڑپوتے یا پڑپوتے کے بیٹے وغیرہ کی وراثت کے متعلق کوئی علیحدہ لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔

(۵) مزید برآں قرآن شریف میں یہ صراحت کہیں نہیں کی گئی کہ صرف پہلے درجہ کی ذمہ اولاد ہی مال کی وارث ہوگی، اس لئے وراثت کا حصہ متونی کے یتیم پوتوں، پوتیوں کو بالکل اس طرح پہنچتا ہے جس طرح اس کے بیٹے کو ذمہ ہونے کی صورت میں پہنچتا۔

(۶) اس کے علاوہ شیعہ اور سنی دونوں کے ہاں قانون کے مطابق اگر پہلے درجے کے تمام بچے باپ سے پہلے مر جائیں تو ان میں سے ہر ایک کے بچوں کو نمائندگی کے اصول پر حق وراثت ملے گا۔ کوئی وجہ نہیں اگر بیٹوں میں ایک بیٹا یتیم بچے چھوڑ کر مر جائے تو یہی اصول اس پر عائد نہ ہو۔

(۷) بیٹا اپنی ماں سے شادی نہیں کر سکتا اسی طرح بیٹے کا بیٹا یعنی پوتا اپنی دادی سے شادی نہیں کر سکتا، اس لئے ایک ناقابلیت جو بیٹے پر عائد ہوتی ہے وہ بچہ بیٹے کے بیٹے یعنی پوتے پر بھی عائد ہوتی ہے، اس صورت میں اس کی عدم موجودگی میں اس کا بیٹا یعنی پوتا بھی وارث ہونا چاہیے۔

(۸) اہم بات یہ ہے کہ دادی اور پوتوں کے درمیان خون کا رشتہ درمیانی کڑی کے نہ رہنے سے تبدیل نہیں ہوتا۔ دادی کا خون ان کی رگوں میں بدستور جاری رہتا ہے، وہ جدی رشتہ دار ہیں اور

بحیثیت نسب اب سب سے بلند درجے پر ہیں، اس لئے وراثت کے مستحق ہیں، اسی طرح جیسا ان کا باپ اگر زندہ ہوتا تو ہوتا۔

(۹) بیوی کی وفات کی صورت میں اگر اس عورت کے ایک بیٹا ہو تو شوہر بیوی کے ترکہ میں سے 1/4 کا حق دار ہے، اگر اس عورت کا بیٹا مر چکا ہو اور وہ عورت صرف پوتا چھوڑ کر مرنے سے تو بھی شوہر کو 1/4 حصہ ہی ملے گا، بالفاظ دیگر شوہر کا حصہ 1/4 ہی رہے گا خواہ عورت اپنے پیچھے بیٹا چھوڑے یا پوتا چھوڑے، اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کے حق وراثت میں بیٹے اور پوتے کی موجودگی بالکل یکساں حیثیت رکھتی ہے۔

اسی طرح متوفی بیٹا چھوڑے یا پوتا اس کے باپ کو اس کے ترکہ میں سے 1/6 ہی ملے گا، اس دلیل سے اس نظریہ کو تقویت پہنچتی ہے کہ حق وراثت میں پوتے کی حیثیت اس کے باپ کے مانند ہوگی (اول الذکر یعنی پوتا موخر الذکر یعنی باپ) کی زندگی میں بحیثیت نسب ایک درجہ نیچے ہے، باپ کے مرنے سے وہ حق وراثت میں سب سے بلند درجے پر آ جاتا ہے اور باپ کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔

مندرجہ بالا دلائل سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ بیٹے کا بیٹا یا پوتا دوسرے اعضاء کے ساتھ انہیں حقوق الہیت اور ذمہ داریوں کا مستحق ہے جن کا اس کا باپ زندہ ہونے کی صورت میں ہوتا۔ اس لئے موجودہ قانون جو متوفی کے بیٹے یا بیٹی کی اولاد کو دادا کے ترکہ میں حق وارث قرار دیتا ہے وہ قرآن شریف کے اصولوں اور تعلیم کے عین مطابق ہے۔

تاہم چونکہ اس صورت کو فقہانے قبول نہیں کیا اور اسے دوسرے مسلم ممالک میں بھی بذریعہ قانون رائج نہیں کیا گیا اس لئے اس کو بصورت لازمی میراث میں تبدیل کر دیا جائے جس طرح مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک نے تھوڑی بہت تبدیلیوں کے ساتھ کیا ہے۔

”لازمی میراث“ کی صورت یہ ہے کہ دادا یا دادی اپنے جیم پوتے، پوتیوں یا نواسے، نواسیوں کے حق میں وصیت کریں کہ ان کو بمقدار اپنے والد یا ماں کے حصہ کا ورثہ ملے جس کا ان کا والد یا ماں زندہ ہونے کی صورت میں مستحق ہوئے، تاہم یہ ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو جو کہ مسلم اور مباح مقدار وصیت ہے۔ تجویز کیا جاتا ہے کہ جیم پوتے یا پوتیوں یا نواسے یا نواسیوں کے ”لازمی میراث“ کا اصول اس ترمیم کے ساتھ اپنایا جائے کہ انہیں دادا اپنی وراثت میں سے 1/3 حصہ کی وصیت کرے یا انہیں اپنے والدین کا نمائندہ تسلیم کر کے ان کے والدین کا حصہ دے، لیکن ان

دلوں میں سے جو کم ہو وہ دیا جائے۔

اس مسئلہ پر متحدہ عرب جمہوریہ کے قانون کی دفعات ۷۶ تا ۷۹ (وصیتی انتظام) ۱۹۴۶ء جس کا حوالہ جے این این رکن نے اپنی کتاب ”دنیا کے اسلام میں شرعی قانون کا ارتقا“ میں دیا ہے ملاحظہ ہو ”رسالہ مسلم ورلڈ جرنل“ ۱۹۵۲ء

## نوٹ نمبر 2۔ کثرت ازدواج

شادی کے متعلق قرآن حکیم میں آیا ہے کہ (الف) اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ تم جیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں سے جو تم کو بہت پسند ہوں نکاح کرو، دو د عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے، پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر بس کرو، یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی، اس میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔ (سورۃ النساء آیت ۳)

(ب) اور تم سے یہ تو بھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیویوں میں برابری رکھو گو تمہارا کتنا ہی جی چاہے تو تم بالکل ایک ہی طرف نہ جھک جاؤ اور ان کو نیچے ہی لٹکتی چھوڑ دو اور اگر اصلاح کرو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشے والا مہربان ہے۔ (سورۃ النساء آیت ۱۲)

ان آیات کی تشریح یوں کی جاسکتی ہے کہ یہ قدرت کی حکمت عملی اور منصوبہ بندی تھی کہ اس نے لاتعداد بیویاں رکھنے کی بجائے آہستہ آہستہ ایک بیوی پر اکتفا کرنے کا سبق دیا اور یہ چیز قرآن شریف میں واضح کی کہ انصاف کی رو سے صرف یہی ایک صورت جائز ہے لیکن کسی حالت میں بھی یہ تعداد چار سے زیادہ نہ ہو۔

جس شرط پر ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت ہے اس کے عدم امکان پر خدا خود شاہد ہے۔ قسویق: بہر حال شدید مخالفت کے پیش نظر ہم سفارش کرتے ہیں کہ بغیر ضروری اجازت کے ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی صورت میں بجائے ایک سال کے جیسا کہ اب ہے دو سال کی سزا دی جائے اس طرح اس کا ارتکاب اور بھی روکا جاسکے گا۔ قانون ضابطہ و قانون تعزیرات ایسی شادیوں سے پیدا شدہ اولاد کی حیثیت پر اثر ڈالے بغیر اصلاحات کے بنیادی مقاصد کے حصول میں عدم تعاون ہو گئے۔ یہ تجویز ان فقہانے نظریات سے بھی متصادم نہیں جو ایک سے زیادہ شادی ممنوع قرار نہیں دیتے۔

ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہماری طرف سے قرآن شریف کی آیات کی جو تشریح مدت نمبر

(۱) اور (۲) میں کی گئی ہے وہ موجودہ دور کے حالات اور علم و تجربہ کی روشنی میں انصاف، مساوات اور ایمان سے اور تشریحات کی نسبت زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔

تاہم یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اگر قرآن شریف کی یہ تشریح ہی صحیح ہے تو پچھلی سلسلوں کا مسلسل طریق عمل اور فقہاء کے فتوے اس سے مختلف کیوں ہیں؟ ہم قبول کرتے ہیں کہ یہ بڑا اہم اعتراض ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قرآن شریف کا معجزہ ہے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں اس کی آیات کی نئی نئی تشریحات ہو سکتی ہیں اور یہی ہمیں مروجہ حالات کی ضروریات سے دوچار ہونے کے قابل بناتی ہیں۔ مثال کے طور پر تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کو اپنی بھائی خاطر جنگیں لڑنی پڑیں جن میں مردوں کو لا تعداد حادثات سے دوچار ہونا پڑا، نتیجہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی کثرت ہو گئی اور یہ چھوٹی سی جماعت اپنے اطراف میں رہنے والی اکثریت سے بھی ہراساں تھی، اس لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ وہ اپنی تعداد کو بڑھائیں کیونکہ اس وقت مردوں کی تعداد ہی کو طاقت کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔

ہم اشتراکی روس کی مثال بھی پیش کر سکتے ہیں جہاں انقلاب کے بعد لوگوں کی تعداد پر پابندی سرمایا دارانہ ذہنیت کی اختراع سمجھی گئی جس سے عوام پر ان کی گرفت مضبوط رہے اور عوام حکومت کو مغلوب نہ کر سکیں، زیادہ بچے پیدا کرنا پسندیدہ قرار دیا گیا اور مقررہ قلیل ترین تعداد سے زیادہ بچے پیدا کرنے والوں کو انعامات دیئے گئے۔ موجودہ دور میں بھی اشتراکی چین کی طاقت کے حقائق میں سب سے بڑا عنصر وہاں کثرت مردم شماری ہے، اس سے ظاہر ہے کہ ازدواجی رشتہ کے متعلق قرآنی احکام میں فوری ضروری چیز دو تین یا چار شادیوں کی اجازت کبھی گئی اور ان آیات کی طرف جو کہ عورتوں کے درمیان انصاف برتنے اور اس انصاف کے ناممکن ہونے کے متعلق ہیں پوری توجہ نہ دی گئی، آج کل حالات مختلف ہیں، اسلامی دنیا خصوصاً ہمارے ملک میں مردوں کے مقابلے پر عورتوں کی زیادتی تعداد کا کوئی مسئلہ نہیں اور نہ ہی آبادی بڑھانے کی ضرورت ہے۔ برخلاف اس کے ہم میں سے تین ارکان یہ محسوس کرتے ہیں کہ پیداوار کو محدود رکھنے کے لئے فیملی پلاننگ ہماری موجودہ اہم ضروریات میں سے ہے۔

ان تشریحات سے ہمارا فطری یہ مطلب نہیں کہ ماضی میں کی گئیں تشریحات اپنے اپنے زمانے کے لئے غلط یا ناقص تھیں۔ قرآن جاودانی ہے کیونکہ یہ صحیفہ ربانی ہے لیکن اس کی تشریحات و تفسیرات جاودانی نہیں کیونکہ وہ آسانی نہیں، انسانوں کی کی ہوئی تشریحات و تفسیرات تاریخ کے

صرف اس دور کے لئے درست اور جائز ہو سکتی ہیں جس میں وہ کی گئی ہوں، بہت ممکن ہے کہ تاریخ کے آئندہ بدلتے ہوئے ادوار میں قرآنی احکامات کے ایسے نئے نئے پہلو ظاہر ہوں جو اس زمانے کے مناسب حال ہوں، ہمیں اپنی تشریحات کے مکمل اور آخری ہونے کا دعویٰ نہیں ہے اور یہی بات تمام سابقہ اور آئندہ ہونے والی تشریحات پر بھی عائد ہوتی ہے، لیکن ان تشریحات کے جواز کا تعلق تاریخ کا وہ دور ہوتا ہے جس میں وہ کی گئی ہوں، ہمارے خیال میں یہ بھی قرآن شریف کا ایک معجزہ ہے کہ وہ ایک قوت متحرک ہے اور اس کی تشریحات تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف ہو سکتی ہیں۔

چوں کہن گرد و جہاں در پوش می دہد قرآن جہاں دیگرش مخالفت کے پیش نظر ہم نے فقرہ نمبر ۲ اور ۳ میں مصالحانہ اصول بیان کئے ہیں، ہماری ان مصالحانہ اصولوں سے تجاوز ہماری قومی زندگی کے لئے نقصان دہ ہوگا، اس لئے اسے تسلیم نہ کرنا چاہیے۔

**نوٹ:** پوتے کی وراثت اور کثرت ازدواج کے متعلق مذکورہ دونوں اور متعلقہ دلائل حد درجہ فرسودہ اور قرآن و حدیث کے منافی ہیں، اس قسم کی باتیں وہی شخص کر سکتا ہے، جو دین اسلام اور قرآن و حدیث کا دشمن ہو، یا جاہل ہونے کی وجہ سے سمجھا نہ ہو، ایسے دلائل کا جواب لکھنا ضیاع وقت کے علاوہ اور کچھ نہیں تاہم خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی، صاحب اعلاء السنن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی و دیگر کبار علماء نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ کافی اور شافی ہے۔ (از مرتب)





## عالمی کمیشن کے سوالات اور صاحب اعلیٰ السنن کے جوابات

زیر نگرانی: حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی صاحب  
مرتبہ: شعبہ تصنیف جامعہ احتشامیہ کراچی  
ناشر: مکتبہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی

مقرر کردہ ام در دل ازیں درگہ نخواہم یافت  
سر ایجا، سجدہ ایجا، بندگی ایجا، قرار ایجا  
چہ آساں دیدہ زاہد طریق عشق بازی  
تپ ایجا، آتش ایجا، اخگرایں جا، شعلہ نار ایجا

## عالمی کمیشن کے سوالات اور صاحب اعلیٰ السنن کے جوابات

تعارف مولانا ظفر احمد عثمانی

صاحب اعلیٰ السنن مولانا ظفر احمد عثمانی بن شیخ لطیف احمد عثمانی، تاریخ ولادت 13 ربیع الاول 1301ھ / دسمبر 1883ء ہے، مظاہر علوم سہارنپور سے فراغت 1328ھ / 1910ء میں پائی، اجازت بیعت و خلافت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے حاصل ہے۔ 1374ھ / 1954ء سے تادم والپس جامعہ اسلامیہ دارالعلوم ٹنڈوالہ یار حیدر آباد پاکستان میں بخاری شریف کا درس دیا، تاریخ وفات 23 ذوالقعدہ 1394ھ / 8 دسمبر 1974ء ہے، مزار اقدس پاپوش مگر قبرستان کراچی میں ہے۔ آپ حضرت حکیم الامت تھانوی کے حقیقی بھانجے تھے، ایک عرصہ تک مدرسہ عالیہ بنگلہ دیش میں بھی بخاری شریف کا درس دیا۔ تحریک پاکستان میں انٹ کر دار ادا کرنا، ڈھا کہ بنگلہ دیش میں آزادی پاکستان کا پہلا جھنڈا لہرانا اور اعلیٰ السنن جیسی عظیم المرتبت حدیث کی کتاب تالیف کرنا آپ کی عبقری شخصیت، سیاسی و علمی ذات مستودہ کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

حکومت پاکستان کی منتخب کردہ ٹیم بنام ”عالمی کمیشن و میرج کمیشن“ (سات افراد تفصیل تمہید میں آچکی ہے) نے جو سوالات اپنی خواہش کے مطابق مرتب کئے تھے وہ سوالات معمولی رد و بدل کے ساتھ دیگر علماء کے علاوہ صاحب اعلیٰ السنن کیے از بانیان پاکستان، محدث کبیر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کے پاس بھی برائے جوابات بھیجے گئے تھے، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے ان سوالات کے مختصر اور پر مغز جوابات تحریر فرمائے چونکہ تفصیلی جوابات حضرت ہی کی نگرانی میں خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے رقم فرمائے تھے (جس کی تفصیل بصورت اختلافی نوٹ آچکی ہے) اس لئے حضرت عثمانی نے حدود وجہ اختصار سے کام لیا، یہ جوابات انتہائی جامع، پر مغز، تفصیلات کا لب لباب اور دریا بکوزہ کے مصداق ہیں، ان جوابات کا رَف مسودہ

انتہائی خستہ اور بوسیدہ حالت میں مجھے "خزانہ احتشام" میں ملا، جسے نظر ثانی، تصحیح، مراجعت کتب اور حدود و جراحہ احتیاط کے مراحل سے گزار کر قارئین اور ارباب علم کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ سوالنامہ گیارہ بڑے عنوانات (ابواب) پر مشتمل ہے، ہر بڑا عنوان (باب) مختلف سوالات پر مشتمل ہے، مجموعی طور پر گیارہ عنوانات (ابواب) کے تحت 51 سوالات ہیں اور ہر سوال کے بعد حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کا رقم کردہ جواب ہے، یوں 51 سوالات کے جوابات اس مختصر مقالہ میں آگئے، یہ سوالنامہ حضرت عثمانی کی خدمت میں کب بھیجا گیا وہ معلوم نہیں ہو سکا، البتہ جوابات تحریر فرمانے کی تاریخ 15 جمادی الاخریٰ 1375ھ / 6 جنوری 1956ء درج ہے۔ اگر خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کا علمی احادیث بصورت "خزانہ احتشام" نہ ہوتا اور خطیب پاکستان کے خلف الرشید، جامعہ احتشامیہ کے بانی و مہتمم اور مرکزی تھانوی مسجد جنیبل لائن کراچی حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی صاحب زید محمد ہم کی رہنمائی و سرپرستی نہ ہوتی تو آپ اور ہم اس قیمتی مقالے سے یقیناً محروم رہتے، اللہ تعالیٰ خطیب پاکستان کی قبر کو نور سے بھر دے اور خطیب پاکستان کے فرزند ارجمند کا سایہ عاطفت و محبت و تادیر سلامت رکھے۔ (ازمرب)

### سوالنامہ

(جواز دواہی اور عالمی قوانین کے متعلق اہل الرائے اصحاب کی رائے حاصل کرنے کے لئے میرج اینڈ فیملی لارکیشن کی طرف سے شائع کیا گیا۔)

**سوال نمبر 1:** کیا نکاح خوانی کا کام صرف حکومت کے مقرر کردہ نکاح خوانوں کے ذریعے ہونا چاہیے؟

**جواب:** نہیں، اس قسم کی پابندی کا حکومت کو کوئی حق نہیں۔

**سوال نمبر 2:** کیا نکاحوں کا رجسٹری کرنا لازمی ہونا چاہیے؟ اگر ایسا ہو تو اس کے لئے کیا طریق کار ہونا چاہیے اور اس کی خلاف ورزی کے لئے کیا اور کسے سزا ہونی چاہیے؟

**جواب:** یہ بھی شرعاً ضروری نہیں اور حکومت کو اس قسم کی پابندی لگانے کا بھی حق نہیں جس کا نتیجہ چاہے رجسٹری کرائے، جس کا نتیجہ نہ چاہے نہ کرائے۔

**سوال نمبر 3:** یہ معلوم کرنے کے لئے کہ زوجین میں سے ہر ایک نے کسی دباؤ کے بغیر اپنی رضامندی سے ایجاب و قبول کیا ہے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

**جواب:** نکاح کے گواہوں سے دریافت کیا جائے، ان کا ہی فرض ہے کہ ایجاب و قبول کی رضا

مندی کو معلوم کر کے نکاح کے گواہ نہیں۔

**سوال نمبر 4:** کیا آپ کے نزدیک کم سنی کی شادیوں کو روکنے کے لئے یہ قانون بنانا ضروری ہے کہ شادی کے وقت مرد کی عمر 18 سال سے کم اور عورت کی 15 سال سے کم نہ ہو؟

**جواب:** کچھ ضروری نہیں بلکہ ایسا قانون بنانا خلاف شریعت ہے، شاردنا ایکٹ کے خلاف تمام علماء نے فتویٰ دیا تھا۔

**سوال نمبر 5:** کیا آپ کے نزدیک نکاح کے لئے عروں کا یہ تعین از روئے قرآن کریم یا از روئے حدیث صحیح ممنوع ہے؟

**جواب:** ہاں ممنوع ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے ۶ سال کی عمر میں نکاح کیا اور جب وہ 9 سال کی تھیں اپنے گھر بلا لیا۔

**سوال نمبر 6:** کیا آپ اس سے متفق ہیں کہ معاہدہ ازدواج میں ہر ایسی شرط درج ہو سکتی ہے جو اسلام اور اخلاق کے بنیادی اصولوں کے خلاف نہ ہو اور عدالت اس کے ایفاء پر مجبور کرے؟

**جواب:** ان شرائط کو بیان کر کے فتویٰ لیا جائے۔

**سوال نمبر 7:** کیا آپ اس سے متفق ہیں کہ از روئے قانون یہ صحیح تسلیم کیا جائے کہ معاہدہ ازدواج میں یہ شرط درج ہو سکتی ہے کہ عورت کو بھی اعلان طلاق کا وہی حق حاصل ہوگا جو مرد کو حاصل ہے؟

**جواب:** عورت کو اعلان طلاق کا کوئی حق نہیں، اگر وہ شوہر سے راضی نہ ہو تو عدالت سے رجوع کرے، شوہر سے خلع کر سکتی ہے اور عدالت بعد تحقیق حال کے شوہر کو خلع پر مجبور کر سکتی ہے۔

**سوال نمبر 8:** ہمارے معاشرے کے بعض طبقوں میں دختر فروشی کا مکروہ رواج پایا جاتا ہے، اس کے انداز کے لئے آپ کے نزدیک کس قسم کا اقدام مناسب ہوگا تاکہ والدین یا ولی لڑکی کو نکاح میں دیتے ہوئے رقمیں وصول نہ کر سکیں؟

**جواب:** دختر فروشی سخت جرم ہے جو باپ یا ولی لڑکی پر روپیہ لے لے وہ روپیہ اس سے لے کر لڑکی کے حوالہ کیا جائے اور ایسے باپ یا ولی کو سزا دی جائے۔

**سوال نمبر 9:** کیا آپ کے نزدیک یہ مناسب ہوگا کہ ایک معیاری نکاح نامہ مرتب کیا جائے اور نکاح کے تمام اعداد و اجات اس کے مطابق ہوں؟

**جواب:** اس میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس میں کوئی شرط یا قید خلاف شریعت نہ ہو۔

**سوال نمبر 10:** اگر کوئی شوہر بیک وقت تین طلاقیں دے تو کیا آپ کے نزدیک اسے قطعی

طلاق مطلق شمار کیا جائے یا تین طہروں میں تین طلاقیں کے اعلان کے بغیر جیسا کہ قرآن میں ہدایت کی گئی ہے یہ مطلقہ شمار نہ ہو؟

جواب: قرآن میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ وہ طلاق جس کے بعد رجوع ہو سکے وہ بارہے، تیسری کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا، دوسرے شوہر سے نکاح کرنا ضروری ہے، رہا یہ کہ تین طلاقیں بیک وقت ہوں یا تین طہروں میں قرآن اس سے سکت ہے اور حدیث نے بتلادیا ہے کہ دونوں کا حکم ایک ہے، ہر حال میں تین طلاق مطلقہ ہوں گی۔

سوال نمبر 11: کیا طلاق کا رجسٹری کرنا لازمی قرار دیا جائے؟

جواب: لازمی قرار دینے کی ضرورت نہیں کہ خواہ مخواہ آسانی کو شدت سے بدلنا ہے، لوگوں کو اختیار دیا جائے۔

سوال نمبر 12: اگر طلاق کی رجسٹری نہ ہو تو آپ کے نزدیک اس کی کیا سزا ہونی چاہیے؟

جواب: کچھ بھی نہیں۔

سوال نمبر 13: کیا مختلف علاقوں کے لئے مصالحتی مجالس مقرر کی جائیں اور کسی طلاق کو اس وقت تک صحیح تسلیم نہ کیا جائے جب تک کہ فریقین اُن مجالس کی طرف رجوع نہ کر چکے ہوں جن میں زوجین کے خاندانوں کی طرف سے بھی ایک ایک حکم شامل ہو؟

جواب: مصالحتی مجالس کا قیام بہتر ہے لیکن اگر کوئی ان مجالس کی طرف رجوع کئے بغیر ہی طلاق دیدیے تو طلاق واقع ہو جائے گی، اُس کو رو نہیں کیا جاسکتا۔

سوال نمبر 14: کیا ”ازدواجی و عائلی عدالت“ کو مطلقہ کے مطالبے پر یہ اختیار ہونا چاہیے کہ وہ مطلقہ کو تین حیات یا تین عقد ثانی نقد دلوائے؟

جواب: عدت کے بعد مطلقہ کو تین دفعہ کا کوئی حق شرعاً نہیں وہ اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

سوال نمبر 15: کیا آپ ڈیویویشن آف میرج ایکٹ 1939ء (انفصاح نکاح مسلمانین 1939ء) کی تمام دفعات کو جامع اور تقنی بخش سمجھتے ہیں یا آپ کے نزدیک اس میں اضافہ و ترمیم ہونی چاہیے؟

جواب: ڈیویویشن آف میرج ایکٹ کیا ہے؟ ہمیں خبر نہیں اس کی کاپی بھیج کر سوال کیا جائے۔

سوال نمبر 16: کیا آپ کے نزدیک یہ مناسب ہوگا کہ مطلقہ کے متعلق مجلس آئین ساز واضح اور غیر مبہم قانون وضع کرے؟

جواب: مجلس قانون ساز کو قانون وضع کرنے کا حق نہیں، عالمگیری و ہدایہ میں پہلے سے قانون مطلق موجود ہے اُس کو نافذ کرنا چاہیے۔

سوال نمبر 17: قرآن کریم میں تعدد ازواج کی بابت ایک ہی آیت (۴:۳) ہے جو حقوق بیانی کی حفاظت کے ساتھ وابستہ ہے، کیا آپ کے نزدیک جہاں حقوق بیانی کا سوال نہ ہو وہاں تعدد ازواج کو ممنوع کیا جاسکتا ہے؟

جواب: حقوق بیانی کے ساتھ تعدد ازواج کا وابستہ ہونا غلط ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم بیچم لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو تو اُن سے نکاح نہ کرو دوسری عورتوں سے نکاح کرو، دو سے، تین سے یا چار سے۔ اس سے تعدد ازواج کو کسی سے وابستگی ظاہر نہیں ہوتی۔

سوال نمبر 18: کیا آپ کے نزدیک یہ لازمی ہونا چاہیے کہ عقد ثانی کا ابراہ دور کئے والا شخص عدالت سے اجازت حاصل کرے؟

جواب: کوئی ضرورت نہیں۔

سوال نمبر 19: کیا آپ کے نزدیک یہ قانون ہونا چاہیے کہ عدالت یہ اجازت اس وقت تک نہیں دے سکتی جب تک اسے یہ اطمینان نہ ہو کہ درخواست دہندہ دونوں بیویوں اور ان کی اولاد کی اُس معیار زندگی کے مطابق کفالت کر سکتا ہے جس کے وہ عادی ہیں؟

جواب: ہر گز حکومت کو ان امور میں دخل دینے کا حق نہیں۔

سوال نمبر 20: کیا یہ قانون ہونا چاہیے کہ دوسری شادی کرنے والے کی کم از کم نصف تنخواہ پہلی بیوی اور اس کی اولاد کو عدالت دلوائے؟

جواب: ہر گز نہیں۔

سوال نمبر 21: جو لوگ تنخواہ دار نہیں بلکہ دوسرے ذرائع آمدنی رکھتے ہیں ان سے عدالت ضمانت لے کہ وہ اپنی آمدنی کا کم از کم نصف پہلی بیوی اور اس کی اولاد کو دیتے رہیں گے؟

جواب: ہر گز نہیں، عدالت کا کام صرف یہ ہے کہ جب عورت اپنے شوہر کی زیادتی و ظلم کا دعویٰ کرے تو تحقیق کے بعد شوہر کو ظلم سے روکنے کی تدبیر کرے۔

سوال نمبر 22: کیا آپ کے نزدیک یہ قانون بن جانا چاہیے کہ معاہدہ ازواج میں جو مہر مقرر کیا گیا ہے، خواہ اس کی مقدار تقنی ہی کیسے کیوں نہ ہو وہ شوہر کے لئے واجب الادا ہے؟

جواب: مہر کا قانون بھی عالمگیری و ہدایہ میں پہلے سے موجود ہے اس کو بدلنے کی کچھ ضرورت



نہیں نہ حکومت کو یہ حق حاصل۔

**سوال نمبر 23:** کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ مطالبہ مہر کے لئے از روئے قانون کسی مدت کی تحدید نہ ہو؟

**جواب:** یہ امر زوجین کی رائے پر ہے۔

**سوال نمبر 24:** اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر نکاح نامے میں ادائے مہر کی صورت کا کوئی تعین نہ ہو تو نصف مہر مہر مہر (عند الطلب) اور نصف دیگر موقوف (بعد انفساخ نکاح یا وفات شوہر یا بصورت طلاق) شمار ہو؟

**جواب:** یہ بھی زوجین کی باہمی رضامندی پر ہے۔

**سوال نمبر 25:** موجودہ قانون کی رو سے بچوں کی حضانت کا حق ماں کو خاص عمروں تک حاصل ہے، یعنی لڑکا ہو تو سات سال اور لڑکی ہو تو بلوغ تک۔ حضانت کے لئے عمروں کا یہ تعین نہ قرآن میں ہے اور نہ کسی حدیث میں بلکہ یہ بعض فقہاء کا اجتہاد ہے، کیا آپ کے نزدیک اس میں کوئی ترمیم ہو سکتی ہے؟

**جواب:** فقہاء نے جو کچھ کہا ہے دلیل سے کہا ہے، بلا دلیل نہیں کہا اس لئے جب تک اُن کی دلیل شرعی سے زیادہ قوی دلیل کسی کے پاس نہ ہو اس میں ترمیم نہیں کی جاسکتی۔

**سوال نمبر 26:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ کوئی شوہر کسی معقول وجہ کے بغیر بیوی کو گزارہ نہ دے تو بیوی کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ خاص "ازدواجی و عائلی عدالت" میں اس پر دعویٰ دائر کر سکے؟

**جواب:** ہاں عورت کو نان نفقہ کے دعویٰ کا حق حاصل ہے۔

**سوال نمبر 27:** موجودہ کمرٹل پروسیجر کوڈ (ضابطہ فوجداری) کی دفعہ ۳۸۸ کے مطابق بیوی عدالت فوجداری میں نفقہ کا دعویٰ کر سکتی ہے لیکن عدالت فوجداری زیادہ سے زیادہ سو روپے ماہانہ دلا سکتی ہے، کیا آپ اس مقدار کے اضافے کے حق میں ہیں؟

**جواب:** یہ مقدار بھی ہر شخص کے مناسب نہیں، اس کو حاکم کی رائے پر چھوڑنا چاہیے کہ وہ زوجین کی حیثیت و آمدنی کے موافق تقرر کر دے۔

**سوال نمبر 28:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ ایک بیوی گزشتہ تین سال تک کے نفقے کا مطالبہ کر سکے؟

**جواب:** نہیں ماضی کا مطالبہ نہیں کر سکتی آئندہ کے لئے تقرر کر سکتی ہے۔

**سوال نمبر 29:** کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ اگر بیوی نے نکاح نامے میں میعاد نفقہ کے متعلق خاص شرائط لکھوائی ہوں تو اسے محض مدت عدت تک ہی نہیں بلکہ مدت مشروط تک نفقہ ملے؟

**جواب:** سوال واضح نہیں، صورت سوال، لکھ کر استفتاء کیا جائے۔

**سوال نمبر 30:** کیا آپ اس سے متفق ہیں کہ باپ کی عدم موجودگی میں عدالت ماں کو بچوں کی املاک کی متولیہ قرار دے بشرطیکہ عدالت کے نزدیک اس کا تقرر بچوں کی بہبود اور املاک کے تحفظ کے متافی نہ ہو؟

**جواب:** باپ کی عدم موجودگی میں جو ولی عصب ہو وہی بچوں کی املاک کا متولی ہوگا۔ مگر یہ کہ مرنے والے نے کسی کو وصی کر دیا ہو یا عدالت ولی کے سوا کسی کو وصی بنانا چاہے اور ولی پر اعتماد نہ ہو تو قاضی ایسا کر سکتا ہے۔

**سوال نمبر 31:** کیا آپ یہ قانون بنانے کے حق میں ہیں کہ نابالغوں کی املاک کے متولی کو یا اختیار حاصل نہ ہو کہ وہ عدالت کی اجازت کے بغیر املاک کو فروخت یا رہن کر سکے؟

**جواب:** ہاں ایسا قانون بنانے کا شرعاً قاضی کو حق ہے۔

**سوال نمبر 32:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ اگر پاکستان کے کسی حصے میں ابھی تک وراثت اور وصیت کے بارے میں شرعی قوانین پر عمل نہیں ہو رہا ہو تو بلا تاخیر ایسا قانون وضع کیا جائے کہ اس بارے میں شرعی قوانین ہوں جو تمام حصہ ملک پر عائد ہوں؟

**جواب:** ایسا قانون ضرور بنایا جائے، مگر عالمگیری و ہدایہ کے موافق بنایا جائے۔

**سوال نمبر 33:** موجودہ قانونی ضابطے کی پیچیدگی کے پیش نظر عورتوں کی مجبوریوں کو رفع کرنے کے لئے کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ جب کبھی وراثت کے معاملے میں عورت مدعیہ ہو تو معمولی سول کورٹ اس کا مقدمہ جلت انفصال کے لئے ازدواجی و عائلی عدالت میں منتقل کر دے؟

**جواب:** قانونی ضابطوں کی پیچیدگیوں کو بہت جلد رفع کرنا چاہیے کہ ان سے نہ صرف عورتوں کو بلکہ غریب مردوں کو بھی بہت تکلیف ہے۔

**سوال نمبر 34:** کیا قرآن کریم میں کوئی نص صریح موجود ہے یا کسی صحیح حدیث میں یہ تعلیم ملتی ہے کہ یتیم پوتے، پوتی یا نواسے، نواسی کو بہر حال محروم الارث کر دیا جائے؟

**جواب:** قرآن وحدیث دونوں میں اس کی تصریح موجود ہے مگر قرآن فہمی کی ضرورت ہے۔

**سوال نمبر 35:** کیا ایسا قانون بنانا جائز ہوگا کہ ایک مسلمان کسی جائیداد کو کسی کے نام اس شرط پر منتقل کر دے کہ جسے منتقل کی گئی ہے اس کی وفات کے بعد وہ جائیداد منتقل کرنے والے یا اس کے ورثہ کی طرف عود کر آئے گی؟

**جواب:** یہ انتقال بطور بیع کے ہوگا یا ہبہ کے؟ اس کو واضح کر کے سوال کیا جائے۔

**سوال نمبر 36:** کیا آپ کی رائے میں وقف علی الاولاد ایک ۱۹۱۳ء میں بغرض اصلاح اس ترمیم کی ضرورت ہے کہ وقف شدہ جائیداد کے اضافہ قیمت یا دیگر مفاد کی خاطر باجائز عدالت اسے فروخت یا تبدیل کیا جائے یا کسی اور مفید طریق پر عمل ہو سکے؟

**جواب:** باجائز عدالت ایسا ممکن نہیں مگر قاضی عدل ہونا چاہیے جو آج کل عقاب ہے۔

**سوال نمبر 37:** قانون انفساخ نکاح کے سیکشن (۲) میں جو وجوہ انفساخ درج ہیں کیا آپ کے نزدیک ان میں اضافے یا کمی کی ضرورت ہے؟

**جواب:** ان وجوہ کو مفصل لکھ کر سوال کیا جائے۔

**سوال نمبر 38:** کیا ایسا قانون وضع ہونا چاہیے کہ اگر عورت انفساخ نکاح کا مطالبہ کرے اور عدالت کی رائے میں قصور وار شوہر ہو تو طلاق حاصل کرتے ہوئے عورت سے نہ مہر واپس دلویا جائے اور نہ دوسری چیزیں جو خاوند اسے دے چکا ہو؟

**جواب:** قاضی کو ایسا فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے اگر اس کی رائے میں شوہر کا قصور وار ہونا ثابت ہو جائے۔ تحلیلہ النازہ سے تفصیل معلوم کی جائے۔

**سوال نمبر 39:** کیا زوجین کا ایسا اختلاف مزاج جس کی وجہ سے ازدواجی زندگی ناخوشوار ہو جائے جائز طور پر وجہ نکاح ہو سکتا ہے؟

**جواب:** ہاں ہو سکتا ہے اور عدالت ایسے موقع پر شوہر کو طلاق دینے پر مجبور کر سکتی ہے۔ مگر حاکم کو اس میں پہلے مصالحت کی کوشش کرنا چاہیے۔

**سوال نمبر 40:** قانون انفساخ نکاح کے کلاز (۳) سیکشن (۲) میں سات سال کی قید کی بناء پر نکاح فسخ ہو سکتا ہے، کیا آپ کے خیال میں یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس مدت میں کمی کر کے چار سال کر دیا جائے؟

**جواب:** سوال واضح نہیں ہے۔

**سوال نمبر 41:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ ہر کٹھنی میں ڈسٹرکٹ اور سیشن جج

کے مرتبے کا جج ایسی عدالتوں میں مقرر کیا جائے جہاں ازدواجی و عائلی مقدمات دائر ہوں؟

**جواب:** کچھ حرج نہیں بشرطیکہ وہ بھی موجودہ عدالتوں کی طرح تجدید گیاں پیدا نہ کریں، اور دستور اسلامی کے موافق فیصلہ ہوا کرے۔

**سوال نمبر 42:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ ایسے مقدمات جواز ازدواجی و عائلی قوانین کے تحت آتے ہوں اور جہاں عورت مدعیہ ہو فقط ایسی مخصوص عدالتوں میں دائر ہو سکیں؟

**جواب:** کچھ حرج نہیں بشرطیکہ مذکور نمبر ۱

**سوال نمبر 43:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ ایسی عدالتوں کے ضوابط موجودہ دہائی اور نو چوہداری ضوابط سے الگ ہوں اور یہ قانون وضع کر دیا جائے کہ ایسی عدالت ہر مقدمے کا فیصلہ تین ماہ کے اندر اندر کر دے؟

**جواب:** کچھ حرج نہیں، مگر ضوابط موافق شرع ہوں۔

**سوال نمبر 44:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ ایسی عدالتوں میں کورٹ فیس یا دوسرے عدالتی اخراجات نہ ہوں؟

**جواب:** بے شک یہ اخراجات حذف ہونا چاہئیں۔

**سوال نمبر 45:** کیا آپ اس کے حق میں ہیں کہ ایسی عدالتوں میں فریقین اپنے کسی نمائندے یا اقارب کے ذریعے بیرونی کرکیں اور کسی باقاعدہ سند یافتہ وکیل کا ہونا لازمی نہ ہو؟

**جواب:** ہاں ایسا ہی ہونا چاہیے۔

**سوال نمبر 46:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ کم از کم ایک مرد اور ایک عورت بطور شیرج کے ساتھ ہوں؟

**جواب:** عورت کے مشیر ہونے کی ضرورت نہیں، مرد ہی مشیر کافی ہیں۔

**سوال نمبر 47:** کیا آپ اس کے حق میں ہیں کہ ایسی عدالت مختلف اضلاع میں باری باری سے اپنا اجلاس کرے؟

**جواب:** کیا حرج ہے؟

**سوال نمبر 48:** کیا آپ اس کے حق میں ہیں کہ فریقین کو ایک سے زیادہ اپیل کی اجازت نہ ہو؟

**جواب:** اس میں بھی حرج نہیں، اگر عدالت قائل ہو۔

**سوال نمبر 49:** کیا آپ اس کے حق میں ہیں کہ اپیل براہ راست ہائی کورٹ میں ہونی

چاہیے اور اکیل کا فیصلہ بھی تین ماہ کے اندر ہو جانا چاہیے؟

جواب: ہاں اس میں بھی حرج نہیں اور عدالتی نظام آسان سے آسان تر ہونا چاہیے۔

سوال نمبر 50: ایسی عدالت کے فیصلے سے واجب الادا رقوم کی وصولی اور دیگر احکام کی بجا آوری کے لئے آپ کیا مناسب تجاویز پیش کرتے ہیں؟

جواب: سوال واضح نہیں، ہماری رائے میں عدل و انصاف مفت ہونا چاہیے، مدعی علیہ پر کوئی بار نہ ہونا چاہیے۔

سوال نمبر 51: ایسے مقدمات میں اخراجات متفرقہ کو پورا کرنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: حکومت مدعی اور مدعی علیہ سے اخراجات کا مطالبہ نہ کرے، دوسری عدالت سے اس کا خرچ نکالا جائے۔ (جوابات مذکورہ از صاحب اعلاء السنن حضرت مولانا) ظفر احمد عثمانی۔ شیخ الحدیث۔ دارالعلوم الاسلامیہ اشرف آباد ٹنڈوالہ یار سندھ ۶۰ جنوری ۱۹۵۶ء۔ (15/ جمادی الاخریٰ 1375ھ)

سوالنامے کے جوابات کمیشن کے سیکریٹری ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کے پاس مندرجہ ذیل پتے پر ۱۵ جنوری ۱۹۵۶ء تک پہنچ جانے چاہئیں: ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور۔

مکتوب مولانا ظفر احمد عثمانی بنام ڈاکٹر عبد الرحیم صاحب

مکرمی ڈاکٹر عبد الرحیم صاحب!

السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)۔ عالمی کمیشن کے متعلق میں نے اپنا بیان لکھ دیا ہے اب اس کو اخبارات میں چھپوانا آپ کا کام ہے کیونکہ اخبارات والے حکومت کے خلاف کوئی بیان شائع نہیں کرتے، آپ میرے بیان کی کاپیاں کر کے اخبارات کو بھیج دیجئے، اصل اپنے پاس محفوظ رکھیے۔ والسلام (صاحب اعلاء السنن، مولانا) ظفر احمد عثمانی عفی عنہ۔ 21 رمضان 1380ھ/9 مارچ 1961ء۔

## عالمی کمیشن کے سوالات اور مفتی جمیل احمد تھانوی کے جوابات

زیرنگرانی: حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی صاحب  
مرتبہ: شعبہ تصنیف جامعہ احتشامیہ کراچی  
ناشر: مکتبہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی

بدل جائے گا معیار شرافت چشم دنیا میں  
زیادہ تھے جو اپنے صنم میں وہ سب سے کم ہوں گے  
عقائد پر قیامت آئے گی ترمیم ملت سے  
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہوں گے



## تمہیدی کلمات

## تعارف مفتی جمیل احمد تھانوی

جمیل احمد تھانوی بن مولانا سعید احمد تھانوی نام ہے، سن ولادت 1322ھ/1905ء ہے، مظاہر علوم سہارنپور سے فراغت 1342ھ/1923ء میں ہوئی، 1345ھ/1926ء سے 1370ھ/1951ء تک مظاہر علوم میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، اس دوران ماہنامہ ”المظاہر“ اور ماہنامہ ”دیندار“ جیسے معیاری رسالے نکالے۔ 1370ھ/1951ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئے اور اس وقت سے 1391ھ/1971ء تک جامعہ اشرفیہ لاہور میں افتاء و تدریس کے فرائض انجام دیئے، 21 رجب المرجب 1415ھ/25 دسمبر 1994ء کو وفات پائی، دارالعلوم الاسلامیہ لاہور کے قریب قبرستان میں مزار ہے۔ آپ کی اولاد میں مولانا مشرف علی تھانوی، مولانا قاری احمد میاں تھانوی اور قاری ظہیر احمد تھانوی قابل ذکر ہیں۔

تھا، ان علماء و مفتیان کرام میں حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی بن مولانا حافظ سعید احمد تھانوی بھی ہیں۔

مفتی صاحب کے پاس جب سوالنامہ پہنچا تو مفتی صاحب نے فی البدیہہ جوابات لکھے، جوابات لکھنے کے بعد اصل مسودہ خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کی خدمت میں بھیج دیا کیونکہ خطیب پاکستان ان دنوں ان ہی سوالات کے مفصل و مدلل جوابات تحریر فرما رہے تھے تاکہ بحیثیت ممبر اون میرج کمیشن وہ جوابات عالمی کمیشن کے سپرد کر سکیں۔

مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی کا یہ گرانقدر مقالہ و مسودہ مجھے ”خزانہ احتشام“ میں ملا۔ مفتی صاحب کے جوابات کو مختصر ہیں لیکن حد درجہ جاندار، پر مغز اور دریا بکوزہ کے مصداق ہیں جس کا اندازہ اعلیٰ علم کو بعد الملاحظہ ہوگا۔ البتہ مقالہ کے اوراق بوسیدہ ہو گئے، دیکھی سیاحتی ہونے کی وجہ سے بعض مقامات ناقابل انتفاع ہو گئے اور ہمارے لئے حضرت مفتی صاحب کی تحریر اجنبی ہونے کی وجہ سے اس تحریر کو سمجھنا گویا کافہ کی کسی مشکل ترین جگہ کو حل کرنا ہے تاہم ان تمام دشوار گزار مراحل سے عبور کرنے کے بعد اس مقالہ کو قابل استفادہ و انتفاع بنانے میں کامیابی حاصل کی گئی ہے۔ اب الحمد للہ حضرت مفتی صاحب کا تحریر کردہ مقالہ کتابی شکل میں پیش خدمت ہے۔

چچی اور چکی بات تو یہ ہے کہ اگر میرے سامنے ”خزانہ احتشام“ نہ ہوتا اور حضرت مولانا نور الحق تھانوی صاحب زید مجدد و دام اقبالہم کی سرپرستی و حوصلہ افزائی نہ ہوتی تو یہ قیمتی مقالہ شاید کبھی منظر عام پر نہ آتا کیونکہ اصل مسودہ تو یہاں ہے اس لئے یہ مسودہ کسی اور کے پاس ہونا مشکل ہے اور یہ مسودہ مرد زمانہ کی وجہ سے قریب الاختتام ہو چکا ہے۔ اگر اس پر مزید ایک سال بھی گزرتا تو اس کا وجود ہی مٹ جاتا چہ جائیکہ دنیا اور اعلیٰ علم اس سے استفادہ کریں۔

مفتی صاحب نے صرف جواب لکھا ہے وہ بھی غلط ملط انداز میں، ہم نے ہر جواب کو الگ کیا اور جواب سے قبل (مسودہ عالمی کمیشن سے نقل کر کے) سوال بھی درج کر دیا تاکہ قائد عام و نام ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازے اور جملہ معاونین و متعلقین کے لئے اسے سبب نجات بنادے۔ (از مرتب)

## سب کا اطمینانی اسلامی قانون

بسم الله الرحمن الرحيم۔ حامداً و مصلیاً و مسلماً اما بعدا  
صدر مملکت نے بار بار اعلان کر دیا ہے کہ نظریہ پاکستان اور اسلام کے خلاف کوئی بات ملک

عالمی کمیشن و اون میرج کمیشن کی تفصیل کتاب ”عالمی قوانین اور اختلافی نوٹ“ کی تمہید میں لکھی جا چکی ہے، تفصیل وہیں ملاحظہ فرمائیں، اس لادین کمیشن نے عالمی مسائل اور ازدواجی قوانین کے متعلق جو غلط سوالات مرتب کئے تھے وہ سوالنامہ مختلف علماء حضرات کے پاس بھیجا گیا

میں نہیں چلے گی۔ 32 علماء کی دستخطی قرار داد مقاصد قانون کی بنیاد موجود ہے، اور ہر شخص جان سکتا ہے کہ خدائی قانون اور انسانی قانون میں وہی نسبت لازمی ہے جو خود خدا اور انسان میں ہے، اسلامی مزاج کے انسانوں کو ان کے مزاج کے موافق اسلامی قانون ہی اس آسکتا ہے، دوسرا ہر قانون جبر و استبداد اور کفر و ظلمت کا آئینہ دار ہوگا جس کو کوئی مسلمان خوشدلی سے قبول نہیں کر سکتا۔ اب تک کر سکا ہے۔

بعض لوگوں کو اشکال ہوتا ہے کہ ملک میں فرقے بہت ہیں اور مذہبیات میں کوئی فرد بھی اپنے فرقہ کی مذہبی تحقیق کے خلاف ذرہ بھر گوارا نہیں کر سکتا، نہ کوئی مسلمان مذہبی تحقیق کو کسی مصلحت کی بھیئت چڑھا سکتا ہے۔ اس لئے یہ قانون مشکل ہے۔ مگر یہ اس قدر پوچھ دیکھ کے کہ اس کے پورے پن کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے کہ جب ایک فرد بھی مذہبی تحقیق سے دست بردار نہیں ہو سکتا تو پورے ملک کو کسی ایک خود مرے کی تحقیق کی بھیئت چڑھانا کب عقل کا کام ہے، کب قابل برداشت ہے؟

اس کا آسان کم خرچ کم وقت میں اور قرآن وحدیث کے ان تمام مفہومات کے مطابق جو ہر ہر فرقہ کی تحقیق میں ہر مسلمان کے قلبی اطمینان و روحانی سکون کا آئینہ دار قانون حاصل ہونا ممکن ہے۔ مفکرین ملک اس پر غور کر لیں، غالباً اس سے بہتر کوئی صورت اسلامی و اطمینانی قانون اور ہر ہر مسلمان کے مذہب کے مطابق دوسری نہ ہوگی۔

قانون عوام و خواص سب کے لئے ہوتا ہے، سب سے بڑے فرقہ یعنی حنفی مسلمانوں کو قانون کی دعوت دی جائے ان کا قانون ایک ہزار سال سے قرآن وحدیث کے رائج مفہومات سے تیار کیا ہوا ”فقہ حنفی“ موجود ہے، صرف اس کو اردو میں دفعہ دفعہ کر دینا ہے، جو صرف ایک ماہر فقہ انجام دے سکتا ہے۔ تیاری پر پانچ سو (500) نسخے طبع کرا کے ہر فرقہ کو بھیج دیئے جائیں کہ جس کو جس دفعہ میں اپنے مذہب کے خلاف کوئی بات معلوم ہو وہ اپنے فرقے کے واسطے اس کی ذیلی دفعہ بنادے۔ گو چند دفعات میں کچھ ذیلی دفعات بن جائیں گے مگر قرآن وحدیث کا یہ قانون سب کے مذہبوں اور سب کی تحقیقات کے مطابق ہوگا۔ کسی پر جبراً اقرار اس کے مذہب کے خلاف کا کوئی قانون اس کا کوئی جز بھی اس پر مسلط نہیں کیا جاسکے گا، ہر شخص کا دل، روح اور ایمان اس پر مطمئن ہوگا۔ آخر ہندو، مسلم، عیسائی، شیعہ، سنی کی ذیلی دفعات بھی تو ہمیشہ رہی ہیں۔ ہزار سال سے برابر بڑی بڑی اسلامی حکومتوں میں یہی حنفی قانون جاری رہا ہے، پاکستان و ہندوستان کی

قدیم اسلامی حکومت کا یہی قانون رہا ہے اور اب اس طرح قانون جاری ہو کر تمام اسلامی حکومتوں کے لئے درس عبرت ہوگا۔ پاکستان کو عجیب مقام حاصل ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ امید ہے کہ یورپی عینک اتار کر اس کو دیکھا اور غور کیا جائے گا اور مملکت کے صدر و حکام سے درخواست کی جائے گی۔ (مولانا مفتی) جمیل احمد تھانوی۔

### جواب سوالنامہ

یہ اصولی غلطی اور انفسوناک اقدام ہے کہ ایسے معاملات میں اہل الرائے کی رائے طلب کی جاتی ہے جن کا فیصلہ رایوں سے ہونا ہی خطرناک ہے۔

مرد کو عورت سے یا عورت کو مرد سے میاں بیوی کے تعلقات و معاملات رکھنے کا حق صرف خالص شرعی خاص صورت سے ہی حاصل ہوتا ہے جس کو نکاح کہا جاتا ہے اس معاملہ پر کسی کی رائے کو کوئی دخل نہیں جو نکاحی صورت شریعت کے احکام میں آچکی ہے صرف اور صرف وہی اس معاملہ کی تکمیل کی صورت ہے اور کوئی خود ساختہ یا رائے کردہ صورت ہرگز کسی کے نزدیک بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی اور اسی طرح اس کے تمام متعلقات جو خود اسی معاملہ و تعلق پر مبنی ہیں اپنی اصل کی طرح صرف اور صرف شرعی صورت سے ہی قابل پذیرائی ہو سکتے ہیں ان میں کسی کی رائے اور خود ساختہ کو دخل دینا مسلمانوں سے اور ایک اسلامی حکومت کے سربراہ اور وہاں سے بہت ہی بعید ہے یہ ایک شرمناک اقدام ہے، یہ سوال صرف علمائے دین سے اور صرف حکم دین کے لئے ہونا ضروری ہے اس کے لئے اہل الرائے کی رایوں پر قانون بنانا ناقابل برداشت حرکت کے مرادف ہے اور سخت مداخلت فی الدین۔

سوال نمبر 1: کیا نکاح خوانی کا کام صرف حکومت کے مقرر کردہ نکاح خوانوں کے ذریعے ہونا چاہیے؟

جواب: بالکل نہیں۔ ممکن ہے دن سے ناواقف لوگوں کو اس میں یہ خوبی نظر آتی ہو کہ اس طرح ناجائز نکاح نہیں ہو سکیں گے لیکن گہری نظر سے دیکھنے والے اس کے فسادات بھی دیکھ رہے ہیں، مثلاً (الف) رشوت کی گرم بازاری کہ معین نکاح خواں ہونے سے سب لوگ اس کے لئے مجبور ہوں گے۔ حکومت کی فیس پر بھی وہ معذرت کرے گا اور آخر معاملہ رشوت پر ختم ہوگا اور جس وجہ سے یہ قید لگانے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی اور زیادہ ہو جائے گی کیونکہ رشوت ناجائز ہونے کے باوجود زیادہ سے زیادہ مل سکے گی۔ (ب) غریبوں کے لئے انتہائی مشکلات کا سامنا ہوگا، نہ وہ

بغیر رشوت نکاح کا فریضہ انجام دے سکیں گے نہ رشوت کے لئے بینک کے چکر کاٹ سکیں گے۔ (ج) غریب بیوائیں جو اپنی عصمت کی حفاظت کے لئے صحیح راہ تلاش کریں گی وہ آخر اس سے محروم ہو جائیں گی۔ (د) نکاح خواں کے لئے جن شرعی مسائل سے واقف ہونا ضروری ہے آج کل کے ماحول میں نہ اس کی توقع ہے کہ حکومت ایسے واقفین کا انتخاب کرے گی نہ ایسے واقفین اس کثیر تعداد میں دستیاب ہو سکیں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ غلط سلسلہ نکاح ہوا کریں گے، عمر بھر کی حرام کاری کا سبب بنیں گے اور حکومت کی سرپرستی کی وجہ سے پھر اہل محلہ یا دوسرے مسلمان نہ کہو کہہ سکیں گے نہ کچھ کر سکیں گے۔

(ہ) جب شریعت نے کسی نکاح خواں کی تخصیص نہیں کی ہے تو حکومت کی تخصیص مداخلت یا تبدیلی احکام کا جرم ہوگی۔ (و) بعض اوقات کوئی باپ حالت مرض میں اپنی اولاد کو ٹھکانے لگانے کے لئے نکاح کرنا چاہے گا اور منٹ منٹ کی تاخیر اس کو ناگوار اور اندیشہ ناک معلوم ہوگی مگر حکومت کے معین نکاح خواں کی دستیابی دشوار ہونے سے اس کی تمام مصلحتیں خاک میں مل جائیں گی۔ (ز) اسی طرح بعض دفعہ اولاد کی حقیقی مصلحتوں کے تحت ایسے مواقع پیش آئیں گے کہ ایسے مواقع کا چند منٹوں میں نکل جانے کا خطرہ ہوگا مگر اس تخصیص و تعیین کی وجہ سے وہ تمام مصلحتیں فوت ہو جائیں گی۔ (ح) نکاح کے لئے شرعاً کوئی ضروری بات نہیں ہے کہ نکاح خواں کی خدمات ہی حاصل کی جائیں، اس پابندی سے بہت سے لوگ اس فریضہ سے مجبور ہو کر رہ جائیں گے اور بجائے خود تکمیل کرنے کے شریعت کے خلاف ایک غلط صورت پر مجبور ہوں گے۔ (ط) بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی وجہ سے نکاح قاسد ہو جاتا ہے یا میاں بیوی میں کسی ٹکرا پر بائن طلاق ہو جاتی ہے یا کوئی کفر یہ کلمہ زبان سے نکل جاتا ہے اس کے لئے تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی اور میاں بیوی اپنا راز افشا نہیں کرنا چاہیں گے صرف اپنے راز دار نکاح خواں اور راز دار گواہوں سے تجدید نکاح کرنا چاہیں گے مگر اس پابندی سے ان کو عار اور رکاوٹ محسوس ہو کر عمر بھر دیسے ہی رہنے کا خطرہ اور آخر حرام کا اندیشہ ہوگا۔ (ی) بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ وہ نکاح خواں کے لئے ملک بھر میں بزرگ ترین بابرکت ہستی کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں مگر وہ حکومت کا مقرر کردہ نہیں ہے تو وہ ان کی برکات سے محروم رہ جائیں گے۔ یہ صرف چند خرابیاں فی الحال ذکر کر دی گئی ہیں، زیادہ غور کرنے سے شاید اور بھی خرابیاں پیش نظر آجائیں۔ شریعت نے جس کی تجدید و تخصیص نہیں کی ہے اگر بالفرض کسی کے ذہن میں اس کی خرابیاں نہ بھی آئیں تو بھی بحیثیت

مسلمان ہونے کے اس کو یقین رکھنا چاہیے کہ شریعت کے خلاف ہر بات میں خرابیاں ہی خرابیاں ہیں، اپنی ناقص عقل کی عقل پرستی کو چھوڑ کر خدا پرستی ہی اختیار کرنا مسلمان کا کام ہے۔

**سوال نمبر 2:** کیا نکاحوں کا رجسٹری کرنا لازمی ہونا چاہیے؟ اگر ایسا ہو تو اس کے لئے کیا طریق کار ہونا چاہیے اور اس کی خلاف ورزی کے لئے کیا اور کسے سزا ہونی چاہیے؟

**جواب:** رجسٹری کے لازمی ہونے میں تو مذکورہ بالا خرابیاں کئی درجہ زائد ہو کر پائی جائیں گی اس لئے ایسا اقدام اس سے بھی زیادہ خطرناک ہوگا جو نمبر ایک میں تجویز کی گئی ہے۔

**سوال نمبر 3:** یہ معلوم کرنے کے لئے کڑو جین میں سے ہر ایک نے کسی دباؤ کے بغیر اپنی رضامندی سے اسباب و قبول کیا ہے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

**جواب:** سوالنامہ کے لفظوں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا دباؤ سے اگر رضامندی ہوگی تو وہ رضامندی ہی نہیں یعنی بیک وقت رضامندی ہے بھی اور نہیں بھی۔ رضامندی تو رضامندی ہی ہے خواہ وہ دباؤ سے ہو یا لحاظ سے یا کسی بزرگ کی خاطر داری سے ہو اس لئے اس کے خلاف کی تحقیق کی ضرورت ہی نہیں اور عام پیش آنے والے واقعات ایسے ہی ہیں۔ شاذ و نادر کوئی کوئی واقعہ جبر و تشدد کا ہوتا ہے تو جبر و تشدد کے مختلف مدارج ہیں، ضروری ہے کہ ان کا ایک معیار مقرر ہو، فقہائے امت نے جن کی نظر قرآن و حدیث پر سب سے زائد اور سب سے گہری ہے یہ معیار مقرر کیا ہے کہ جان کے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو اور وہ بھی کم از کم بظن غالب کہ دوسرے کو اس پر قدرت بھی ہو اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آئے گا تو اس کے لئے عدالت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اس کو نکاح کے قانون میں داخل کرنا بے کار ہے۔

**سوال نمبر 4:** کیا آپ کے نزدیک کم سنی کی شادیوں کو روکنے کے لئے یہ قانون بنانا ضروری ہے کہ شادی کے وقت مرد کی عمر ۱۸ سال سے کم اور عورت کی ۱۵ سال سے کم نہ ہو؟

**جواب:** ایسا قانون خود مداخلت فی الدین ہے کہ جب شریعت نے عمر کی کوئی تحدید نہیں کی ہے تو ایسی تحدیدیں کرنا تبدیلی دین و تحریف کے ہم معنی ہے، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر وقت نکاح چھ سات سال تھی اس لئے یہ تجویز سخت نفرت کی مستحق ہے اور اس میں بہت سی خرابیاں بھی ہیں۔ (الف) آیت کا انکار ہے ”و یستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیہن وما یسلی علیکم فی الکتاب فی یتامی النساء اللاتی لاتو تولہن ما کتب لہن و لمرغوبون ان تنکحوهن“ معلوم ہوا کہ عہدِ نبوی بھی نکاح کا مکمل ہے اور لڑکی یتیم اس وقت تک



ہے جب تک بالغ نہ ہو۔ ابو داؤد شریف کی حدیث ہے "لا یضم بعد الا احتلام" (ب) مشکوٰۃ میں حضرت ابویوسف اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کے بچہ پیدا ہو وہ اس کا اچھا نام رکھے، تہذیب سکھائے اور جب بالغ ہو جائے نکاح کر دے، اگر بچہ، بچی بالغ ہو گئے اور نکاح نہ کیا اور وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے تو گویا ایسا قانون بنا کر تمام مسلمانوں کو حدیث کے خلاف کرنے پر مجبور کرنا اور گناہگار ہونے کے اسباب پیدا کرنا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ ابتدا بلوغ پر جس قدر جوش طبع ہوتا ہے وہ بعد میں نہیں ہوتا اس لئے ابتدا بلوغ یعنی 15 سال عمر پر مرد کا بھی اور عورت کا بھی نکاح ہو جانا ہی ان کی عصمتوں کی حفاظت کا سبب ہے۔ (ج) بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بچی یا بچے کے لئے عمر بھر کی مصلحتوں کے موافق موقع مل جاتا ہے اور ایسا ملتا ہے کہ اگر دیر کی تو پھر دستیاب نہیں ہوتا ایسے میں جلدی نکاح کر دینا اس کی زندگی کے سنوارنے اور دیر لگانا زندگی تباہ کرنے کے قریب ہو جاتا ہے، 15-18 کی قید اس موقع کو نکال دینے کا سبب ہوگا۔ مشکوٰۃ شریف میں ترمذی کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو فرمایا ہے اے علی! تین چیزیں ہیں اُن میں دیر نہ لگانا۔ نماز جب وقت آجائے، جنازہ جب حاضر ہو جائے، بے نکاحی (بچہ، بچی) جب کفو حاصل ہو جائے۔ لیکن ایسا قانون مجبور کرے گا کہ مسلمان اس ارشاد عالی پر عمل نہ کر سکیں۔ (د) سفر طویل یا سفر آخرت کے وقت بچوں کے بے سرپرست رہنے کی صورت میں انسان جلدی نکاح کرنا ضروری سمجھتا ہے، قانون اسے رد کرے گا۔

**سوال نمبر 5:** کیا آپ کے نزدیک نکاح کے لئے عروہ کا یہ تعین از روئے قرآن کریم یا از روئے حدیث صحیح ممنوع ہے؟

**جواب:** بے شک قرآن وحدیث کے خلاف ہے، نمبر ۴ میں آیت واحادیث پیش کی گئی ہیں، سورہ نور کی آیت ہے "وانکحوا الایامیٰ منکم" یعنی "بے نکاحوں کا نکاح کرؤ" اس میں بالغ نابالغ، بیوہ، مطلقہ، مرد وعورت سب کے لئے نکاح کر دینے کا حکم ہے یا کر سکنے کا حکم ہے، یہ قانون حکم الہی پر پابندی عائد کرنے کی وجہ سے قطعاً قابل رد ہوگا۔

**سوال نمبر 6:** کیا آپ اس سے متفق ہیں کہ معاہدہ ازدواج میں ہر ایسی شرط درج ہو سکتی ہے جو اسلام اور اخلاق کے بنیادی اصولوں کے خلاف نہ ہو اور عدالت اس کے ایفاء پر مجبور کرے؟

**جواب:** اگر وہ شرطیں شرعاً جائز ہوں اور نکاح سے پہلے ہوں، محض وعدہ و اقرار کے درجہ میں

ہوں تو مضائقہ نہیں ہے، ورنہ نکاح کے لئے ایسی شرط کہ وہ پوری نہ ہو تو نکاح ہی نہ رہے گا خود شروع سے ہی نکاح کو قاعدہ کر دے گی وہ نکاح ہی نہ ہوگا۔ ایسا اقرار نامہ کوئی جبری صورت دے کر نافذ کرنا تو صریح ظلم ہے اور شرعاً ناجائز اور شریف خاندان اس کو ہرگز گوارا نہیں کریں گے لیکن اعتباری شکل میں اس کی اجازت دیدی جائے تو اقرار نامہ تحریر ہو جائے اور خلاف ورزی پر عدالتی چارہ جوئی کا حق ہو، عدالت پابندی کرائے اور ہر اہل حق کو اس کا حق دلانے اس کے لئے کا بین ناموں کے عمدہ سودے حیلہ تا جزیہ اردو کتاب کے شروع میں موجود ہے۔

**سوال نمبر 7:** کیا آپ اس سے متفق ہیں کہ از روئے قانون یہ صحیح تسلیم کیا جائے کہ معاہدہ ازدواج میں یہ شرط درج ہو سکتی ہے کہ عورت کو بھی اعلان طلاق کا وہی حق حاصل ہوگا جو مرد کو حاصل ہے؟

**جواب:** یہ بالکل لامدہیت کی بات ہے، کوئی مسلمان بلکہ کوئی صحیح عقل والا کسی طرح اس کو گوارا نہیں کر سکتا، معلوم نہیں سوال نامہ مرتب کرنے والوں کے ذہن میں یہ بات کس طرح آسکی ہے۔ (الف) عورت ضعیف القلب، ضعیف الدماغ اور رنج غیر تحمل مزاج فطرت رکھتی ہے، گویا ہم تفاوت ہوں مگر بحیثیت مجموعی مردوں کی حیثیت مجموعی سے یہ باتیں عورتوں میں فطرۃ زائد ملیں گی تو اس طرح ہر روز عورت کے ہاتھ میں طلاق کی تلوار ہوگی اور مرد کی گردن روز کی توڑ پھوڑ اور فتنہ و فساد ہوگا اور دونوں کی زندگیاں تلخ یا ختم۔ (ب) قرآن مجید نے جب صرف مردوں کو یہ فطری حق سونپا ہے تو اس خدائی حق کو تقسیم کر ڈالنے والا کیا ہوگا خود سمجھ لیا جائے۔ "اذا طلقتم النساء" اور "والمطلقات" آیات میں مردوں کو ہی حق دیا اور "الرجال قوا من علی النساء" اور "والرجال علیہن درجۃ او یعفو الذی بیدہ عقدۃ النکاح" وغیرہ آیات میں صاف ہے۔ تعجب ہے کہ اسلامی حکومت کے کارپرداز لوگ اسلام کے اس قدر خلاف چلنے کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات حل طلب رہ جاتی ہے کہ اگر مرد ظلم پر کمر باندھ لے تو عورت کیا صورت اختیار کر سکتی ہے کہ اس سے رہائی حاصل کرے، اس کا حل "عورت کے مطالبہ طلاق" عنوان میں انشاء اللہ پیش ہوگا۔

**سوال نمبر 8:** ہمارے معاشرے کے بعض طبقوں میں دختر فروشی کا مکروہ رواج پایا جاتا ہے، اس کے اسناد کے لئے آپ کے نزدیک کس قسم کا اقدام مناسب ہوگا تاکہ والدین یا ولی لڑکی کو نکاح میں دیتے ہوئے رقبیں وصول نہ کر سکیں؟

**جواب:** اس کو قانوناً جرم اور مستحق سزا قرار دیا جائے اگر ثبوت ہو جائے کیونکہ یہ قیمت ہے تو

حرام اور نکاح کی رشوت بھی حرام ہے۔

**سوال نمبر 9:** کیا آپ کے نزدیک یہ مناسب ہوگا کہ ایک معیاری نکاح نامہ مرتب کیا جائے اور نکاح کے تمام اندراجات اس کے مطابق ہوں؟

**جواب:** اگر جبری نہ ہو تو نہایت مناسب ہے مگر معیاری ہونے کا مفہوم متعین ہونا چاہیے۔ ضرورت ہے کہ ملک کے چوٹی کے علمائے دین سے اس کے مسودہ طلب کئے جائیں اور منتخب علمائے دین سے ہی ان میں سے کسی ایک کا انتخاب یا سب کو سامنے رکھ کر عمدہ سے عمدہ معیاری مرتب کرادیا جائے ورنہ ہر شخص کا عقلی معیار جدا ہوگا اور اس کا شرعی معیار پر ہونا ضروری ہے اور اس پابندی کے لئے کہ جبر بھی نہ ہو اور پابندی ہو جائے یہ لازم اور مشہور کر دیا جائے کہ عدالت اسی دعویٰ نکاح کو پورا کرے گی اور پوری توجہ اسی پر دے گی جو اس نکاح نامہ کی خاندانی کر کے کیا گیا ہوگا۔

**سوال نمبر 10:** اگر کوئی شوہر بیک وقت تین طلاقیں دے تو کیا آپ کے نزدیک اسے قطعی طلاق مغفلہ شمار کیا جائے یا تین طہروں میں تین طلاقیں دے کر اعلان کے بغیر جیسا کہ قرآن میں ہدایت کی گئی ہے یہ مغفلہ شمار نہ ہو؟

**جواب:** نام ہے سوالنامہ اور خود ایک جواب ہے جو بالکل غلط جواب ہے ”جیسا کہ قرآن میں ہدایت کی گئی ہے“ یہ بالکل غلط اور قطعاً غلطی ہے کہ قرآن مجید میں ہدایت کی گئی ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں کو مغفلہ نہ شمار کرو، یہ مضمون یا اس کے قریب قریب بھی کوئی مضمون نہیں ملتا، تمام امت کا اتفاق ہے، اجماع ہے، تمام احناف و شوافع و مالکیہ و حنابلہ کا یہی مذہب ہے کہ تین طلاقیں جس طرح بھی ہو جائیں گی مغفلہ ہوں گی، صرف ایک ابن تیمیہ کو اس میں انحراف ہوئی ہے اور ان کے پیروکاروں نے اس کو ہوا ویدی ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن شریف کے لفظوں کا مفہوم وہی قابل قبول ہے جس کو تمام امت نے لیا ہے۔ عربی اور اردو میں رسالے لکھے ہوئے ہیں اور ان کی غلطی کو علمائے امت نے واضح کیا ہے، عجیب بات ہے کہ ایک شخص کی غلطی کو دینی کا سادہ درجہ کیوں دے دیا جاتا ہے اور اس کے مقابل تمام امت کو غلطی پر کیسے باور کر لیا جاسکتا ہے؟ قرآن شریف کے لفظ یہ ہیں ”فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ“ اگر شوہر نے عورت کو دو کے بعد تیسری طلاق دیدی تو عورت اس کے لئے حلال نہیں تین طلاق کے بعد یہاں تک کہ دوسرے شوہر سے صحبت کر لے، لفظ ”تہنّد“ کا محذوف مضاف الیہ تین طلاقیں بالکل عام صورت سے ہے، چاہے ایک دم ہوں، ایک لفظ سے ہوں یا بیک وقت مگر تین لفظوں سے ہوں یا تین

تین میں تین لفظوں سے ہوں یا تین طہروں میں ہوں، یعنی شرح بخاری میں ہے کہ علمائے امت کا قول ہے کہ جو تین ہونے کے مخالفت کرتا ہے وہ شاذ (سب سے الگ) ہے، اہل السنۃ کا مخالف ہے، اس سے اسی نے استدلال کیا ہے جو اہل بدعت میں سے ہے اور اس نے کہ جماعۃ اسلام سے برطرف ہونے کی وجہ سے اس کی طرف توجہ بھی نہیں کی جاسکتی (حاشیہ ابوداؤد) فتح القدیر میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

معلوم نہیں کہ اکثریت و جمہوریت کے قائل لوگ تمام امت کے سمجھے ہوئے مفہوم قرآن و حدیث کے مقابلہ پر ایک شخص کا مفہوم کیسے تسلیم کر سکتے ہیں؟ پھر یہ بھی دیکھئے، سمجھئے اور غور کرنے کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں سب سے زیادہ تعداد میں صرف حنفی مسلمان ہیں اور باقی شافعی، مالکی، غنوی بھی ہیں اور ان سب کے مذہب میں تین طلاق بیک وقت مغفلہ ہوتی ہیں۔ ابن تیمیہ کے پیروکار محدودے چند لوگ ہوں گے، اب سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قدر ہوشندان پاکستان صرف محدودے چند کی خاطر داری میں کروڑوں مسلمانوں کو قربان کر ڈالنا کس طرح گوارا کر لیتے ہیں اور اس کے مذہب کے خلاف قانون بنا کر ان پر مسلط کرنے کے لئے کیسے تیار ہو جاتے ہیں۔ سوچئے تو کبھی بیک وقت تین اگر حرام کر دیتی ہے تو ایک بنانے میں حرام کو حلال کرنا ہوگا۔

**سوال نمبر 11:** کیا طلاق کا رجسٹری کرنا لازمی قرار دیا جائے؟

**جواب:** بالکل نہیں ورنہ پھر گھر گھر حرام کاری کے اڈے بن جائیں گے، طلاقیں ہوا کریں گی، رجسٹری کون کرانے اور کس کو فرض ہے کہ وقت بھی صرف کرے اور رقم بھی اور پھر اسی طرح رہ رہ کر حرام کاری میں مبتلا ہوا کریں گے اور اس کا وبال ایسا نہ ہو قانون بنانے والوں پر بھی رہے۔ اہل علم اور عام مسلمانوں کے طعن و تشنیع سے لوگ اس گناہ سے بچ سکتے بھی تھے، قانون بننے کے بعد یہ سلسلہ اور لوگوں کی زبانیں بالکل بند ہو جائیں گی۔ ہاں اختیاری درجہ میں رجسٹری ہو تو مضائقہ نہیں۔

**سوال نمبر 12:** اگر طلاق کی رجسٹری نہ ہو تو آپ کے نزدیک اس کی کیا سزا ہونی چاہیے؟

**جواب:** کوئی سزا نہیں ورنہ جبری رجسٹری سیکڑوں فسادات اور حرام کاریوں کا سبب ہو جائے گی۔

**سوال نمبر 13:** کیا مختلف علاقوں کے لئے مصالحتی مجالس مقرر کی جائیں اور کسی طلاق کو اس وقت تک صحیح تسلیم نہ کیا جائے جب تک کہ فریقین اُن مجالس کی طرف رجوع نہ کر چکے ہوں جن میں زوجین کے خاندانوں کی طرف سے بھی ایک ایک حکم شامل ہو؟

**جواب:** یہ بھی رجسٹری کی طرح فسادات اور حرام کاریوں کا سبب ہوں گی۔ طلاق کا لفظ شوہر کی

زبان سے نکلا اور طلاق واقع ہوئی خواہ عورت کو بھی خبر نہ ہو اور خواہ کوئی گواہ ہو یا نہ ہو یہ تو ایک پستول کی گولی کی طرح ہے قصد سے ہو یا بلا قصد بلکہ اس سے بھی زائد کہ نشانہ سامنے ہو نہ ہو قرآن مجید کے عام لفظوں میں یہ سب موجود ہے۔ قرآنی اطلاع کو رجسٹری کے محکمہ یا مجلسوں کی قیدوں میں جکڑ بند کرنے کو کوئی مسلمان کیسے گوارا کر سکتا ہے، احکام الہی پر پابندیاں لگانے کا حق کب کسی کو ہو سکتا ہے۔ پھر مصالحتی مجالس جو قوانین طلاق سے تابندہ ہوں گے باوجود طلاقوں اور شاید مغفلہ طلاقوں کے صلح کرا کر کے حرام کاریوں میں مبتلا کریں گے اور بہت ممکن ہے کہ رشوتوں کے سلسلے کھڑے ہوں جیسے کہ عام طور سے عدالتوں اور پچاسوں کا حال ہو رہا ہے۔

**سوال نمبر 14:** کیا "ازدواجی و عائلی عدالت" کو مطلقہ کے مطالبے پر یہ اختیار ہونا چاہیے کہ وہ مطلقہ کو تاحین حیات یا تا عقد ثانی نفقہ دلوائے؟

**جواب:** حیرت ہوتی ہے کہ سوالنامہ مرتب کرنے والے لوگ کس قدر غفلت سے کام لے رہے ہیں کہ جب عورت مطلقہ ہو چکی، شوہر کے نکاح سے باہر ہو چکی، عدت ختم کر چکی تو اب شوہر سے اس کا کیا تعلق ہے وہ شوہر کی کس خدمت میں ہے کہ شوہر پر یہ قلم روا رکھا جائے کہ وہ تاحیات یا تا نکاح نفقہ دے، عورت عدت ختم ہوتے ہی نکاح کر سکتی ہے اب دیر لگانے میں قصور ہے تو عورت کا اور جرم مانہ ہوتا ہے مرد پر، عجیب انصاف کا قانون ہوگا۔ عدت چونکہ نکاح کے متعلقات میں ہے اس کا نفقہ اور گھر مطلقہ کا حق ہے لیکن تمام عمر کے لئے مرد کو ٹھیکہ دار بنانا بلا وجہ زیر بار نہ کہاں کا انصاف ہے۔

**سوال نمبر 15:** کیا آپ ڈیولوپمنٹ آف میرج ایکٹ 1939ء (انفاسخ نکاح مسلمان 1939ء) کی تمام دفعات کو جامع اور تشفی بخش سمجھتے ہیں یا آپ کے نزدیک اس میں اضافہ و ترمیم ہونی چاہیے؟

**جواب:** بالکل مجمل بات ہے اس کی تمام دفعات کو سوالنامہ کا جزو بنانا چاہئے تھا ورنہ پھر سوالنامہ نامکمل ہے اور اس کا شبہ پیدا کرتا ہے کہ شاید یہ دفعات خطرناک امور پر مشتمل ہیں اور سوالنامہ والے حضرات اس پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ پوری بات تو ہر ہر دفعہ کے مطالعہ کے بعد کہی جاسکتی ہے مگر جو معاملات و مقدمات اور فیصلہ جات سننے میں آ رہے ہیں وہ شریعت کے بالکل خلاف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب دفعات نظر ثانی کی محتاج ہیں اور علماء دین کی نظر ثانی کی۔

**سوال نمبر 16:** کیا آپ کے نزدیک یہ مناسب ہوگا کہ خلع کے متعلق مجلس آئین ساز داغ اور غیر مبہم قانون وضع کرے؟

**جواب:** مناسب ہی نہیں ضروری ہے لیکن دستور سازوں میں سے صرف علمائے دین یہ کام کریں یا دوسرے علمائے دین بنوا کر منگالیں اور ان کے مشورہ سے اس پر غور و خوض کر کے طے کریں ایسا نہ ہو کہ دنیا میں قانون سازی آخرت میں قانونی سازش ثابت ہو جائے اور حرام کاری کا سبب بن کر بجائے رفاہ عام کے تباہ عام نہ ہو جائے۔ بلکہ صرف خلع کی ہی دفعات نہیں بلکہ مظلوم عورتوں کی تمام مشکلات کے حل کے لئے بھی دفعات بنائی جائیں، اس مرحلہ کے لئے حضرت مجدد الملتہ حکیم الامتہ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی کی مساعی سے مدد لینی ضروری ہے وہ سب اردو کتاب "حیلہ ناجزہ" میں درج ہیں جس پر علماء دین کے ممتاز حضرات کے دستخط ہیں، مستحکم اور پختہ دلائل سے راجح مسائل اور طریقہ ہائے کار میں خیار بلوغ۔ نامرد شوہر، مجنون، ظالم، غیر کفو، گم شدہ، غیر مذہب مرد یا عورت وغیرہ کی مشکلات کا حل وہاں ملے گا، اس کی مدد سے یہ دفعات آسانی سے ترتیب دی جاسکیں گی۔

**سوال نمبر 17:** قرآن کریم میں تعدد ازواج کی بابت ایک ہی آیت (۴:۳) ہے جو حقوق بیانی کی حفاظت کے ساتھ وابستہ ہے، کیا آپ کے نزدیک جہاں حقوق بیانی کا سوال نہ ہو وہاں تعدد ازواج کو ممنوع کیا جاسکتا ہے؟

**جواب:** انسوس پھر سوالنامہ کو جواب دینا بنانے کی غلط درغلطی کی گئی ہے، اول تو یہی غلط کہ قرآن شریف میں صرف یہی آیت ہے جس سے تعدد ازواج جائز ثابت ہوتا ہے، اسی سورت میں پارہ نمبر 5 کے شروع پر ہے "واحل لکم ما وراء ذلکم" یعنی جو جو حرم عورتیں ہیں ان کے سوا سب تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں "ما" لفظ عموم کے لیے ہے، آیت میں اگر دوسری آیت سے تحدید نہ ہوتی تو ایک ایک مرد کو سینکڑوں عورتوں کی اجازت نکلتی ہے لیکن جس آیت کی طرف سوالنامہ میں اشارہ ہے "فانکحوا ما طاب لکم من النساء منی ولث و رباع" اس میں چار تک کی اجازت دے کر باقی کا سلسلہ بند فرما دیا ہے اس لئے اس کے بعد حرام ہے۔ پھر اس آیت کو حقوق بیانی کے ساتھ وابستہ کہنے کا اگر یہ مطلب لیا جائے کہ صرف بیانی میں سے چار جائز ہیں دوسری میں نہیں تو گویہ غلط ہے مگر تعدد ازواج تو بہر حال ثابت ہے ہی، اس کو روکنے کا حق تو کسی کو نہ ہو سکے گا، بیش از بیش یہ کہا جاسکے گا کہ اگر یتیم ہوں، بے باپ کی ہوں تو چار جائز ہیں پھر یتیم بھیہما کہ حدیث مندرجہ نمبر ۳ نکاح اور لغت سے نا بالغ مراد ہوں

تو سوالنامہ کا نمبر ۳ نکاح مرد و دو ثابت ہو جاتا ہے اور اگر بالغ مراد ہوں گو وہ یتیم نہ شرعاً ہے نہ



افت سے ہے، مگر مجازی معنی سے کہ پہلے یتیم تھیں مراد ہوں گی تو اس دفعہ کے ہی خلاف دنیا بھر کی وہ عورتیں جن کے باپ زندہ نہ ہوں ان میں سوائے نامہ مرتب کرنے والے کے قول پر چار چار مثال ہوئی اور تعداد ازواج ثابت ہو جاتا ہے اور اس کی خلاف قانون بنانا ہوگا ان کے اپنے قول پر خدائی حکم کا انکار بن جاتا ہے جس سے قانون سازوں کے ایمان کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، اور اس جدید معنی کی تجویز یہ صرف باپ زندہ والی عورتیں گویا جائز نہیں لیکن اس سے پہلی آیت سے چونکہ غیر محدود عورتوں سے نکاح کا جواز ثابت ہوتا ہے مساواء دنکم سے اور یہ آیت اس کی تحدید کرتی تھی تو اب یہ حاصل ہوگا کہ بے باپ والی عورتوں میں تو چار کی حد بندی ضرور ہے مگر باپ والی عورتوں میں یہ حد نہیں ہے اور وہ آیت غیر محدود ہوں یا جائز ہی ہے لہذا اب اگر بے باپ والی ہوں تو چار تک اور باپ والی ہوں تو جس قدر جس کا جی چاہے نکاح کر سکتا ہے تو ان معنی سے تو تعداد ازواج اس سے بھی کہیں زیادہ ثابت ہوتا ہے جو تمام امت اسلامیہ کے نزدیک ثابت ہے مگر یہ سب ہے غلط ہے کہ یہ حکم صرف یتیم لڑکیوں کا ہی ہے، یہ آیت سورہ نساء کی تیسری آیت ہے، شاید پہلی آیت پر نظر نہیں پڑی جس کو یہ نکاح خواں خطبہ نکاح کے ساتھ پڑھ کر سنا دیتا ہے۔

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا لَا تُحْسِبُوهُمَا نِسَاءً“ کہ اس آیت میں یتیموں کا نہیں سب مردوں اور عورتوں کا ذکر ہے۔ اور پھر اس کے بعد ”مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ“ یتیم لڑکیاں نہیں باندیاں ہیں، اور اس سے آگے ”وَاتَّقُوا النِّسَاءَ صَدَقَاتِهِنَّ“ میں تمام بیویوں کو مہر دینے کا حکم ہے صرف یتیم بیویوں کے لئے نہیں، ان سب اگلی پچھلی آیتوں کے باوجود یہ کہنا کس قدر دیدہ دلیری ہے کہ یہ آیت حقوق بنامی کی حفاظت کے ساتھ وابستہ ہے۔ ہاں واضحی کا یہ مطلب ہو تو درست ہے کہ دو حکموں کو ایک دم بیان فرمایا ہے، آیت کا مطلب یہ ہے اور اگر تم خوف کرتے ہو کہ یتیموں کے باب میں انصاف نہ کر سکو گے تو نکاح ہی کرو ان عورتوں سے جو اچھی لگیں دو دو تین تین چار چار سے۔ یعنی زائد سے نکاح کر کر کے بے انصافی میں پڑنے سے بھی تو ڈرو اور جس طرح یتیموں کے ظلم سے ڈرتے رہو زیادہ بیویاں کر کے ان پر ظلم کرنے سے بھی ڈرو۔ پھر آگے ارشاد ہے پھر اگر تم خوف کرو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک سے نکاح کرو یا باندیاں رکھو یہ قریب ہے اس کے کہ تم ظلم نہ کرو اور عورتوں کو ان کے مہر و بطور عطیہ کے۔ پھر اگر وہ خوشدلی سے کچھ معاف کر دیں تو اس کو کھاؤ اچھا عمدہ قرار دے کر، اگر ”فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِمَّنْی وَثَلْتُ وَرَبَاع“ میں وہ یتیم بچیاں مراد

ہوئیں تو قرآن مجید میں لفظ ”نساء“ نہ ہوتا ضمیر ”منھن“ ہوتی کہ ان یتیموں میں سے جو اچھی لگی نکاح کر لو، اتنے قریب ذکر کے بعد بلاغت میں ضمیر ہی لانی ضروری تھی، قرآن شریف تو بلاغت میں بالکل بے مثال ہے، وہاں بجائے ضمیر کہ ”مِنَ النِّسَاءِ“ کیوں ہوتا؟ پھر دوسری بات یہ ہے کہ یتیم تو نابالغ ہی کہلاتا ہے شرعاً بھی اور لغت سے بھی اور نساء بالغ عورتیں ہیں، یہ لفظ ان پر صادق نہ ہوگا، تیسرے ”فَانْ خَفَعْنَ اَنْ لَا تَعْدِلُوا هُوَ وَاحِدَةٌ“ میں بھی انہی کا ذکر ہوگا جن کا پہلے تھا اگر پہلے یتیم بچیوں کا تھا تو یہاں کہ ”اگر تم خوف کرو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک سے نکاح کرو“ میں بھی یتیم ہی مراد ہو گیا اور یہ مطلب قرار دینا ضروری ہوگا کہ اگر انصاف نہ کر سکتے کا خوف ہو تو صرف ایک یتیم سے نکاح کر سکتے ہو اور باپ والی سے یا بالغہ سے نکاح ہی نہیں ہو سکتے گا اور انصاف کر سکتے کا خوف نہ ہو تو دو یا تین یا چار یتیم بچیوں سے نکاح کر سکتے ہو کسی بالغہ سے نکاح ہی نہ ہوگا اور جو تھے پھر اس سے آگے ”وَاتَّقُوا النِّسَاءَ صَدَقَاتِهِنَّ“ میں بھی یہی یتیم بچیاں مراد رہیں گی تو مہر بھی صرف یتیم بچیوں کو دینا پڑے گا، باپ والی اور بالغہ کو نہ دینا ہوگا، اور پانچویں اس کے بعد مہر کے معاف کرنے پر اس کے کھانے کی اجازت میں بھی یتیم بچیاں ہی ہوں گی، اگر بالغہ مہر معاف کرے گی تو شاید معاف ہی نہ ہوگا یا وہ اچھا اور عمدہ ہو کر نہ کھایا جاسکے اور پھر یہی سوچئے کہ یتیم نابالغ کی معافی کیسے معتبر قرار پائے گی۔

جبکہ نابالغ غیر مکلف ہے اس کی کسی بات کو ذمہ داری کی بات اور قابل اعتبار نہیں قرار دیا گیا۔ ذرا انصاف سے تو دیکھیے کہ ایک تخیل اپنے دماغ میں قائم کرنے کے بعد قرآن شریف کی آیت کو جو معنی پہنائے گئے ہیں اس سے کتنی خرابیاں پیدا ہو گئیں کیا اب بھی ان معنی کے صحیح ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے۔ پونے چودہ سو سالہ ساری امت نے اس آیت کا جو مفہوم سمجھا ہے یتیم ہوں یا غیر یتیم، بالغ ہوں یا نابالغ دو دو تین تین چار چار بیویاں جائز ہیں اس سے زائد حرام ہے دیکھیے صحیح مفہوم وہ ہے یا ان صاحب کا یہ بنا گھڑا ہوا مفہوم جس کی تردید خود قرآن شریف کے لفظ کر رہے ہیں اور ساری امت میں کسی کے قول سے بھی اس کی تائید نہیں ہو سکتی چہ جائے کہ کسی حدیث سے ہوتی۔ ذرا تاریخ اسلام کے اوراق میں اس کو بھی تو دیکھ لیا جائے کہ حضور کے عہد مبارک میں جن جن حضرات نے کئی کئی بیویاں کی ہیں ان میں سے کون یتیم تھی کہ اگر یہ تعداد ازواج فقط یتیم بچیوں کے ساتھ خاص تھا تو ساری امت اول سے آخر تک کیا کرتی چلی آرہی ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ایک شخص اپنے تخیل کے مطابق قرآنی جملوں کو ڈھالنا اور غلط سلط معنی پہناتا ہے اور

ایک جماعت کی جماعت اس کو سوانامہ کی صورت میں پیش کر دیتی ہے، ذرا عقلی طریقہ سے بھی اس پر ایک نظر ڈال لی جائے کہ تعدد ازدواج منفعیت بخش چیز ہے یا مضرت قوم ہے، اگر یہی ملک اقوام کے لئے مفید ہو تو پھر اس کو اختیار کرنے کی ترغیب دینی چاہیے اور اگر مضرت ہو تو شرعاً کوئی فرض و واجب نہیں ہے ایسا نہ کرنے کی ترغیب دی جائے بجز اس کے کہ کسی کو سخت ضرورت پیش آتی ہو لیکن ترغیب سے آگے بڑھنا، قانون سازی کرنا، قرآن سے بغاوت کرنا ہوگا۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ عورت میں کسی مرض کی وجہ سے بچہ ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی اور انسان بچوں سے جو ایک نعمت عظیم ہیں محروم رہ جاتا ہے گو اس کے پاس دولت اور راحت و آرام کے سامان ہوں مگر اولاد نہ ہو تو اس کی زندگی کی حلاوت ناقص رہ جاتی ہے، ایسے میں اگر وہ اولاد کی تمنا پوری کرنا چاہے تو اس عورت کو طلاق دے کر دوسری کرے یا اس کے ساتھ ہی دوسری کر لے۔ طلاق دینے میں تو اس عورت کی بقیہ زندگی بے جبر بادی ہوتی ہے مگر دوسری ہونے میں آسانی ہے۔

ہم لوگ مسلمان اس وقت پچاس کروڑ کے قریب کل دنیا میں ہوں گے جو کل آبادی کے اعتبار سے اقلیت ہے، تو ضرورت ہے کہ ہماری اکثریت ہو اس کی آسان ترکیب یہی ہے کہ جن جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے منجانبش دی ہے وہ کئی کئی نکاح کریں، بہت اولاد دیں ہوں اور ایک دن اکثریت میں نہ سکیں تو اس اقلیت سے کہیں اونچے نظر آنے لگیں گے۔

عورت کا حمل اور شیر دہی کا زمانہ بہت کا ایسا ہوتا ہے کہ اس کو مرد کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا، ایسے وقت مرد کے لطف میں کمی پیدا ہوتی ہے وہ دوسرے راستے اختیار کرنے لگتا ہے، اگر چند بیویاں ہوں گی تو عفت کی زندگی گزار سکتا ہے۔

بعض بعض مرد ایسے ہی ہیں کہ وہ ایک عورت پر کفایت نہیں کر سکتا اور آخروہ ادھر ادھر جانے لگتے ہیں جس سے بعض اوقات بیوی کی طرف سے طبیعت ہٹ جاتی ہے اور وہ ساری عمر ایک کونے میں پڑی روتی رہتی ہے اگر چند بیویاں ہوں گی اور عدل و انصاف ہوگا یا حکومت اس کا انتظام کرادے گی تو اس کی تمام عمر برباد ہونے سے بچ جائے گی۔

آپ نے بہت لوگوں کو سنایا دیکھا ہوگا کہ وہ باوجود شادی شدہ ہونے کے ادھر ادھر مارے مارے پھرتے ہیں اس کی وجہ حرص کے علاوہ کبھی افزائش مادہ ہی ہوتی ہے جو ان کے خیال میں ان کا ایک عذر بن جاتی ہے لیکن اگر کئی بیویاں ہوں گی تو اس افزائش کا صحیح مصرف موجود ہوگا، پھر یہ آوارگی بہت ہی کم نظر آنے لگے گی اور حرص بھی ختم ہو جائے گی۔

آوارگی کے اسباب سنیماء، ناول، فسانے، ڈرامے وغیرہ تو ہیں ہی مگر ان کے لئے یہ چیزیں معین و مددگار ہو جاتی ہیں کہ انسان کے بالغ ہونے کے بعد زمانہ جوش و خروش کا ہوتا ہے وہ اکثر بغیر شادی کے گزارا جاتا ہے اسی وقت انسان کو بُری عادتیں پڑ جاتی ہیں اور پھر وہ ساری عمر رگ لاتی ہیں اگر بالغ ہوتے ہی شادی کر دی جائے اور بجائے ایک کے دو دو تین تین حسب موقع کر دی جائیں تو ان تمام بد اخلاقیوں، بد کرداریوں سے ملک کو پاک کیا جاسکے گا۔

عورتوں میں جو ایک دوسرے سے جو رشک پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ سے چند بیویاں بعض دفعہ زندگی تلخ کرنے کا سبب بھی بن جاتی ہیں اور پھر ان کے اثرات اولاد میں آتے ہیں اور بھائی بھائی سے متفرق ہو جاتا ہے اس میں غور کر کے دیکھا جائے تو عورتوں کی کم فہمی اور نا عاقبت اندیشی کو دخل ہے وہ اس پر تو راضی ہیں کہ ان کا خاوند آمدنی کا بہت سا حصہ بازاروں کے کوشوں پر گزار کے آئے دونوں جہان کی روسیاهی مول لے لے مگر اتنی رواداری نہیں کر سکتیں کہ ایک اور کو اپنی زندگی میں شرکت کا موقع دیدیں، ذرا سا طبیعت پر جبر کرنا ہے اور وہ بھی چند روز پھر دونوں میں موافقت آگئی تو سیکڑوں مثالیں اس کی بھی مل سکتی ہیں کہ دونوں شیر و شکر ہو کر رہی ہیں۔ اس چپقلش کا سبب اور زیادہ سبب مردوں کی بے انصافی ہی ہوتی ہے، اگر انصاف سے معاملہ رکھا جائے تو شروع شروع کا طبیعتی قلق چند روز میں ختم ہو جاتا ہے اس کے انتظام کے لئے حکومت میں قانون بنانے کی ضرورت ہے، تعدد ازدواج میں اگر قائل اعتراض بات ہے تو صرف یہی ہے کہ عورتوں میں جنگ اور اولاد میں نفرت کے اثرات پیدا ہوتے ہیں لیکن ایسی مفید ملک و قوم صورت کو اس طرح روک کر دینا اور اس کے اسباب اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کرنا اچھا اقدام نہیں ہے اس خلفشار کا سبب زیادہ تر دو باتیں ہوتی ہیں، ایک جگہ رکھنا اور ایک طرف خرچ تحفہ تحائف یا ملنے جلنے میں کہیں زیادتی کرنا ہے اگر دونوں کا مکان الگ الگ ہو، ایک ایک دن ایک ایک کے یہاں رہتا ہو، خرچ الگ الگ، ہر ایک ہر ایک کو برابر دیدیا جائے اور جو چیز دی جائے یکساں برابر ہو تو کوئی اختلاف کی بات پیدا نہ ہوگی اور کوئی معمولی سی ہوگی تو اس کا رفع کرنا اس سے تو بہت آسان ہوگا جو ادھر ادھر کی عادتوں سے پیدا ہو جاتی ہیں اس لئے تعدد ازدواج تو ایک بڑی زبردست تمدنی، ملی و ملکی خدمت ہے اس سے اس طرح کنارہ کشی کرنا اچھی بات نہیں ہے۔

سوال نمبر 18: کیا آپ کے نزدیک یہ مناسب ہوگا کہ خلیج کے متعلق مجلس آئین ساز واضح اور غیر مبہم قانون وضع کرے؟

**جواب:** عدالت کو بہت سی ان باتوں کا علم ہی نہیں ہو سکتا جو تعداد از دواج کی اصل محرک ہوتی ہے جس کی منفعت اوپر کے نمبر میں عرض کی گئی ہے یہ تو انسان خود اپنے اندرونی اور بیرونی حالات کو دیکھ کر رائے قائم کر سکتا ہے۔

**سوال نمبر 19:** کیا آپ کے نزدیک یہ قانون ہونا چاہیے کہ عدالت یہ اجازت اس وقت تک نہیں دے سکتی جب تک اسے یہ اطمینان نہ ہو کہ درخواست دہندہ دونوں بیویوں اور ان کی اولاد کی اس معیار زندگی کے مطابق کفالت کر سکتا ہے جس کے وہ عادی ہیں؟

**جواب:** عدالت سے اس میں رجوع کرنے کی ضرورت ہی نہیں یہ تو انسان کے خود دیکھنے کی بات ہے اور عادی وغیرہ عادی ہونا تو ایک عارضی بات ہے، ہر انسان پر مختلف دور آتے ہیں اور انہی کے موافق اس کو عادات کو بدلنا پڑتا ہے، خرچ کی کمی بیشی سلیقہ و انتظام اور ضبط نفس پر ہے، زیادہ سے زیادہ خرچ بھی بغیر ضبط نفس کے اور ضبط نفس کے ساتھ کم سے کم بھی بہت ہو سکتا ہے۔

**سوال نمبر 20:** کیا یہ قانون ہونا چاہیے کہ دوسری شادی کرنے والے کی کم از کم نصف تنخواہ پہلی بیوی اور اس کی اولاد کو عدالت دلوائے؟

**جواب:** یہ قانون بالکل غلط اور ظلم کا قانون ہوگا۔ دونوں بیویوں کو برابر اور بقدر ان کے خرچ حسب حیثیت ہونے ضروری ہے اگر مرد نصف تنخواہ ایک کو دیدے گا اور نصف دوسری کو تو خود کیا بیک مانگے گا اور اس کی اولاد کے اخراجات جو خود اسی کے اور فقط اسی کے ذمہ ہیں چاہے وہ اول سے ہو یا دوسری سے وہ کہاں سے دے گا، اس لئے تنخواہ کے تناسب سے اولاد اور بیویوں کے تناسب سے اگر انسان خود نہیں انتظام کر سکتا ہے تو عورت کو دعویٰ دائر کر کے عدالت سے تناسب قائم کر کے مقرر کر لینے کا حق ہونا چاہیے۔

**سوال نمبر 21:** جو لوگ تنخواہ دار نہیں بلکہ دوسرے ذرائع آمدنی رکھتے ہیں ان سے عدالت ضمانت لے کہ وہ اپنی آمدنی کا کم از کم نصف پہلی بیوی اور اس کی اولاد کو دیتے رہیں گے؟

**جواب:** مثل بالا۔ لیکن عورت کو اس کا بھی حق ہوگا اگر خاوند شبہ باشی میں بے انصافی برت رہا ہے تو عورت عدالت سے چارہ جوئی کر سکے اور جب تک کسی معقول انتظام سے شوہر مطمئن نہ کر دے عدالت اس کو سزا کا مستحق گردانے۔

**سوال نمبر 22:** کیا آپ کے نزدیک یہ قانون بن جانا چاہیے کہ معاہدہ ازدواج میں جو مہر مقرر کیا گیا ہے، خواہ اس کی مقدار کتنی ہی کثیر کیوں نہ ہو شوہر کے لئے واجب الادا ہے؟

**جواب:** ضرور اور اگر کچھ مقرر نہ کیا گیا ہو یا بوقت نکاح اس کی تصریح کی گئی ہو کہ مہر کچھ نہیں ہوگا تو مہر مثل واجب گردانا جائے یعنی اس عورت کی داد حیالی اسی جیسی لڑکیوں کا جو مہر ہوتا ہے وہ مہر قانون سے اس کا قرار دیا جائے اور اس کی ادائیگی شوہر پر فرض قرار دی جائے کیونکہ نکاح بغیر مہر کے نہیں ہو سکتا۔

**سوال نمبر 23:** کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ مطالبہ مہر کے لئے از روئے قانون کسی مدت کی تحدید نہ ہو؟

**جواب:** از روئے قانون تحدید کرنے کی ضرورت ہے، اہل معاملہ خود کریں گے اگر اہل معاملہ نے کوئی حد مقرر کر لی ہے تو حکومت کو اس کے رد و بدل کا کوئی اختیار نہیں، اس کی پابندی کرانے میں مدد دینے کا قانون ہونا چاہیے۔

**سوال نمبر 24:** اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر نکاح نامے میں ادائے مہر کی صورت کا کوئی تعین نہ ہو تو نصف مہر مجمل (عند الطلب) اور نصف دیگر مؤقیل (بعد انقضاء نکاح یا وفات شوہر یا بصورت طلاق) شمار ہو؟

**جواب:** رائے نہیں مسئلہ بتانے کی ضرورت ہے کہ مہر دو قسم کا ہے اور اس کے مفہوم میں عام غلط فہمی ہو رہی ہے، ایک مجمل یعنی بیشکی جس میں عورت کو حق ہے کہ وہ بغیر وصول کئے خاوند کو اپنے پاس نہ آنے دے یا اس کے ساتھ سفر میں نہ جائے اور اس انکار کا اس کو برابر حق رہے گا چاہے وہ ایک بار یا کئی بار پاس جا چکی ہو یا سفر میں بھی جا چکی ہو دوسرا مؤقیل یعنی ادھار تو اس کی پھر دو صورتیں ہوں، معین الوقت کہ ایک سال یا دو سال یا اس قدر سال پر ادا کرنا ضروری ہے اگر اس وقت تک ادا نہ ہو تو عورت کو مہر مجمل کی طرح اس کے لئے بھی دعویٰ دائر کر کے وصول کرنے کا اختیار ہو یا بعد طلاق و وفات کسی ایک کے یا فتح کے تو اس کو اس وقت پر دینا ضروری ہوگا، دوسرا غیر معین الوقت تو اس کے متعلق عورت کو ہر وقت اختیار ہے کہ جس وقت چاہے مطالبہ کر لے۔ وقت نکاح اگر مجمل طے ہوا ہے تو بیشکی ہوگا، مؤجل طے ہوا ہے تو اس کی مدت اندرون تعلق یا بیرون تعلق طے ہونی چاہیے، اگر کچھ مدت طے نہیں ہوئی تو وہ عند الطلب ہونا ضروری ہے اس بارہ میں بہت غلط فہمی ہو رہی ہے۔

**سوال نمبر 25:** موجودہ قانون کی رو سے بچوں کی حضانت کا حق ماں کو خاص عمروں تک حاصل ہے، یعنی لڑکا ہو تو سات سال اور لڑکی ہو تو بلوغ تک۔ حضانت کے لئے عمروں کا یہ تعین نہ



قرآن میں ہے اور نہ کسی حدیث میں بلکہ یہ بعض فقہاء کا اجتہاد ہے، کیا آپ کے نزدیک اس میں کوئی ترمیم ہو سکتی ہے؟

**جواب:** ہاں یہ بھی وہی غلطی ہے کہ سوالنامہ کو جواب نامہ بنایا جا رہا ہے اور غلط بنایا جا رہا ہے یہ بالکل غلط ہے کہ یہ مدت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔

**سوال نمبر 26:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ کوئی شوہر کسی معقول وجہ کے بغیر بیوی کو گزارہ نہ دے تو بیوی کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ خاص "ازدواجی و عائلی عدالت" میں اس پر دعویٰ دائر کر سکے؟

**جواب:** بالکل درست ہے، دعویٰ کرنا چاہیے لیکن حاکم کو اول نکاح کا ثبوت پھر نفقہ نہ دینے کا ثبوت اور اس مدت کا ثبوت جب سے نہیں دیا گیا لیکر حکم لگانا چاہیے، آئندہ کے لئے نفقہ کا انتظام کرانا ہو جو قابل اطمینان طریقہ ہو اور اگر نہ کرے تو طلاق دینے کو کہا جائے اگر دونوں باتوں سے انکار کرے تو حاکم نوٹس دے کہ دونوں میں سے ایک بات کرو ورنہ ہم طلاق دیدیں گے، اگر وہ دونوں سے انکار کرے تو حاکم طلاق دیدے اور عدت کے بعد اگر درمیان میں مرد انتظام کے لئے آمادہ نہ ہوا تو عورت نکاح خانی میں خود مختار ہوگی اور درمیان میں انتظام کر دیا تو مرد طلاق سے رجوع کر لے بلکہ تجدید نکاح کر لے، مگر مقدمہ یک طرفہ نہ ہو، مدعا علیہ کو حاضر کر کے، نہ حاضر ہو تو وارنٹ سے حاضر کیا جائے یا دو آدمیوں کے ہاتھ حکم بھیج کر تحریری جواب لیا جائے۔

**سوال نمبر 27:** موجودہ کزنٹل پروسیجر کوڈ (ضابطہ فوجداری) کی دفعہ ۳۸۸ کے مطابق بیوی عدالت فوجداری میں نفعے کا دعویٰ کر سکتی ہے لیکن عدالت فوجداری زیادہ سے زیادہ سو روپے ماہانہ دلا سکتی ہے، کیا آپ اس مقدار کے اضافے کے حق میں ہیں؟

**جواب:** یہ تو مہر کی بے انصافی کا قانون ہے ایک شخص کی لاکھوں کی حیثیت ہے اور دوسرے کی پچاس روپیہ ماہوار کی حیثیت، اور اسی اعتبار سے عورت کی حیثیت یہ مقدار تو حاکم دونوں کی حیثیت کے موافق مقرر کرے۔

**سوال نمبر 28:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ ایک بیوی گزشتہ تین سال تک کے نفعے کا مطالبہ کر سکے؟

**جواب:** نفقہ خرچ کے لئے ہوتا ہے جو خرچ کسی طرح ہو چکا ہے اس کا مطالبہ بے کار ہے، ہاں اگر پہلے دعویٰ ہو کر ایک مقدار عدالت سے مقرر ہو چکی ہے پھر ادا نہیں کیا گیا تو اب چونکہ عدالت کا

مقرر کردہ ایک قرض ہوگا عورت اس کو وصول کرنے کی حقدار ہوگی چاہے کم دن کا ہو یا زیادہ برسوں کا۔

**سوال نمبر 29:** کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ اگر بیوی نے نکاح نامے میں میعاد نفقہ کے حلق خاص شرط لکھوائی ہو تو اسے محض مدت عدت تک ہی نہیں بلکہ مدت مشروط تک نفقہ ملے؟

**جواب:** یہ عجیب بات ہے کہ نفقہ تو تحت نکاح یا تحت تعلق نکاح تک ہی ہو سکتا ہے بعد عدت کس جرم میں۔ کیا شوہر پر جرم مانہ ہوگا۔

**سوال نمبر 30:** کیا آپ اس سے متفق ہیں کہ باپ کی عدم موجودگی میں عدالت ماں کو بچوں کی املاک کی متولیہ قرار دے بشرطیکہ عدالت کے نزدیک اس کا تقرر بچوں کی بہبود اور املاک کے تحفظ کے منافی نہ ہو؟

**جواب:** عورت بہر حال عورت ہے جب تک بچوں کی دادھیال کا کوئی مرد مل سکتا ہو پھر ان میں جو سب سے قریبی تعلق والا ہو وہ ولی قرار دیا جانا ضروری ہے پھر جو اس کے بعد قریب ہو، اگر دادھیال کا کوئی مرد نہ ہو تو ماں کو حق ہونا چاہیے۔

**سوال نمبر 31:** کیا آپ یہ قانون بنانے کے حق میں ہیں کہ نابالغوں کی املاک کے متولی کو یہ اختیار حاصل نہ ہو کہ وہ عدالت کی اجازت کے بغیر املاک کو فروخت یا رہن کر سکے؟

**جواب:** اگر رشوت کا راستہ نہ کھلے تو درست ہے ورنہ عدالت کے فیصلہ کے لئے یہ بھی شرط ہو کہ بچے کے دوسرے قریبی عزیزوں سے عدالت اس کی تصدیق لے کہ اس میں بچہ کا فائدہ ہے۔

**سوال نمبر 32:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ اگر پاکستان کے کسی حصے میں ابھی تک وراثت اور وصیت کے بارے میں شرعی قوانین پر عمل نہیں ہو رہا ہو تو بلا تاخیر ایسا قانون وضع کیا جائے کہ اس بارے میں شرعی قوانین ہوں جو تمام حصہ ملک پر عائد ہوں؟

**جواب:** نہایت ہی ضروری ہے۔

**سوال نمبر 33:** موجودہ قانونی ضابطے کی پیچیدگی کے پیش نظر عورتوں کی مجبوریوں کو رفع کرنے کے لئے کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ جب کبھی وراثت کے معاملے میں عورت مدعیہ ہو تو معمولی سول کورٹ اس کا مقدمہ جلدت انفصال کے لئے ازدواجی و عائلی عدالت میں منتقل کر دے؟

**جواب:** بہت بہتر ہے اگر ایسا ہو جائے بلکہ مردوں میں جو معذور یا ضعیف یا کسن بچے ہوں درخواست دینے پر ان کے لئے بھی ایسا ہو جائے۔

**سوال نمبر 34:** کیا قرآن کریم میں کوئی نص صریح موجود ہے یا کسی صحیح حدیث میں یہ تعلیم

ملتی ہے کہ یتیم پوتے، پوتی یا نواسے، نواسی کو بہر حال محروم الارث کر دیا جائے؟

**جواب:** بہر حال کی قید قلم ہے، ان کے الگ الگ حالات ہیں، بعض حالات میں یہ وارث ہیں اور بعض میں نہیں، اگر پوتے کا چچا زندہ ہے تو پوتا محروم ہے ورنہ پوتا ضرور وارث ہے اور اگر قرآنی مقررہ حصے والے ذوی الفروض اور غیر مقررہ حصہ والے عصبات میں کوئی بھی موجود ہے تو نواسے وارث نہیں ہیں اگر ان میں سے کوئی موجود نہیں ہے اور نواسوں سے زیادہ قریب کا بھی دھڑری اولاد میں کوئی نہیں ہے تو نواسہ بھی وارث ہے "یوصیکم اللہ فی اولادکم" میں ولد حقیقی بیٹا ہے، ولد مجازی پوتا، پڑپوتا ہے، اگر حقیقی موجود ہوگا مجازی محروم ہوگا، ورنہ جو قرآنی ہے محروم نہیں، اور آیت "وعلى المولود له رزقهن" میں "لہ" (جس کے لئے پچر جتا گیا) سے معلوم ہوا کہ پچر بات کی طرف منسوب ہوگا، لہذا پوتا تو ولد میں داخل ہوگا، نواسہ نہ ہوگا اب "واولوالا الارحام بعضهم اولى ببعض" میں داخل ہو کر نواسہ اس وقت وارث ہوگا جب مقرر حصے والے اور غیر مقررہ والے اولاد قریب میں کوئی نہ ہو اور اقربین کی وجہ سے اس سے قریب کا کوئی نہ ہو۔

**سوال نمبر 35:** کیا ایسا قانون بنانا جائز ہوگا کہ ایک مسلمان کسی جائیداد کو کسی کے نام اس شرط پر منتقل کر دے کہ جسے منتقل کی گئی ہے اس کی وفات کے بعد وہ جائیداد منتقل کرنے والے یا اس کے ورثہ کی طرف عود کر آئے گی؟

**جواب:** جی ہاں صحیح ہے، یہ بہر منافع کا ہوتا ہے۔

**سوال نمبر 36:** کیا آپ کی رائے میں وقف علی الاولاد ایک ۱۹۱۳ء میں بغرض اصلاح اس ترمیم کی ضرورت ہے کہ وقف شدہ جائیداد کے اضافہ قیمت یا دیگر مفاد کی خاطر باجواز عدالت اسے فروخت یا تبدیل کیا جائے یا کسی اور مفید طریق پر عمل ہو سکے؟

**جواب:** اگر واقف نے بعد کے متولی کے لئے ایسی تبدیل کی اجازت دی ہے تو تبدیل کرنے کا قانون بن سکتا ہے ورنہ کسی کی جائیداد میں دوسروں کو تصرف کرنے کا حق نہیں، جائیداد اولاد کی ملک نہیں ہے کہ وہ تصرف کر سکے۔

**سوال نمبر 37:** قانون انقراض نکاح کے سیکشن (۲) میں جو جوہ انقراض درج ہیں کیا آپ کے نزدیک ان میں اضافے یا کمی کی ضرورت ہے؟

**جواب:** جب تک ان کی تفصیل نہ ہو کچھ عرض نہیں کیا جاسکتا، یہ بھی سوال نامہ کے نقصان کی بات ہے۔

**سوال نمبر 38:** کیا ایسا قانون وضع ہونا چاہیے کہ اگر عورت انقراض نکاح کا مطالبہ کرے

اور عدالت کی رائے میں قصور وار شوہر ہو تو طلاق حاصل کرتے ہوئے عورت سے نہ مہر واپس دلوا دیا جائے اور نہ دوسری چیزیں جو خاوند سے دے چکا ہو؟

**جواب:** جن صورتوں میں عورت کو فسخ کے دعویٰ کا حق ہے صرف انہی صورتوں میں اس قانون کی ضرورت ہے وہ اردو کتاب "حلیہ ناجزہ" میں تفصیل سے بیان ہیں اور اس میں طریقے بھی درج ہیں، اس کی مدد سے قانون بنایا جائے، ضرور بنایا جائے۔

**سوال نمبر 39:** کیا زوجین کا ایسا اختلاف مزاج جس کی وجہ سے ازدواجی زندگی ناخوشگوار ہو جائے جائز طور پر فسخ نکاح ہو سکتا ہے؟

**جواب:** یہ ایک مجمل چیز ہے محض اختلاف مزاج کے سبب فسخ نہیں ہو سکتا، مزی گری پر انسان قابو پاسکتا ہے، فسخ کھیل نہیں ہے۔

**سوال نمبر 40:** قانون انقراض نکاح کے کلاز (۳) سیکشن (۲) میں سات سال کی قید کی بناء پر نکاح فسخ ہو سکتا ہے، کیا آپ کے خیال میں یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس مدت میں کمی کر کے چار سال کر دیا جائے؟

**جواب:** یہ دفعہ بالکل حذف کرنے کے قابل ہے، سزاؤں میں تخفیف بھی ہو جاتی ہے اور پھر اگر عورت کے خرچے کا کوئی انتظام ہو تو سات سال کیا دس بارہ سال بھی شرکت زندگی کی قطع کی وجہ نہ بنا جائیے، ہاں خرچے کی صورت نہ ہو جب تک ایک سال بھی زائد ہے۔

**سوال نمبر 41:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ ہر کمشنری میں ڈسٹرکٹ اور سیشن جج کے مرتبے کا جج ایسی عدالتوں میں مقرر کیا جائے جہاں ازدواجی و عائلی مقدمات دائر ہوں؟

**جواب:** بہتر صورت ہے بشرطیکہ یہ صورت دستور اسلامی کے نفاذ میں خارج نہ ہو۔

**سوال نمبر 42:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ ایسے مقدمات جواز ازدواجی و عائلی قوانین کے تحت آتے ہوں اور جہاں عورت مدعیہ ہو فقط ایسی مخصوص عدالتوں میں دائر ہو سکیں؟

**جواب:** بہتر ہے۔

**سوال نمبر 43:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ ایسی عدالتوں کے ضوابط موجودہ دیوانی اور فوجداری ضوابط سے الگ ہوں اور یہ قانون وضع کر دیا جائے کہ ایسی عدالت ہر مقدمے کا فیصلہ تین ماہ کے اندر اندر کر دے؟

**جواب:** جی ہاں الگ تو ہوں مگر بالکل شریعت کے مطابق متنازعہ علمائے دین سے مدون کر لی

جائیں ورنہ وہ بدکاریوں کا سبب بن کر کہیں اور باعث رحمت ہونے کی جگہ زحمت نہ بن جائیں بلکہ میرے خیال میں صرف ایک شخص تمام قوانین بنا کر دے سکتا ہے پھر ایک مجمع علماء و صلحاء اس کو غور سے دیکھ لیں تب وہ قانون ہو جائے۔

**سوال نمبر 44:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ ایسی عدالتوں میں کورٹ فیس یا دوسرے عدااتی اخراجات نہ ہوں؟

**جواب:** اگر حکومت خود تحمل کر سکے تو نہ ہوں تو اچھا ہے۔

**سوال نمبر 45:** کیا آپ اس کے حق میں ہیں کہ ایسی عدالتوں میں فریقین اپنے اپنے نمائندے یا اقارب کے ذریعے پیروی کر سکیں اور کسی باقاعدہ سند یافتہ وکیل کا ہونا لازمی نہ ہو؟

**جواب:** بلکہ یہ لازمی ہو کہ وکیل نہ ہو ورنہ وکیل اکثر جھوٹ کی تلقین کرتے ہیں اور نکاح و طلاق کا معاملہ ہمیشہ کے حرام و حلال کا معاملہ ہے اور میراث کا معاملہ حق العباد ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک بالشت زمین کسی کی کوئی قبضہ کرے گا تو ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کی گردن میں ڈالا جائے گا، اس لئے اصل لوگ ہوں یا عزیز و قریب کوئی نمائندہ ہو (شرعی وکیل ہو)

**سوال نمبر 46:** کیا آپ اس تجویز کے حق میں ہیں کہ کم از کم ایک مرد اور ایک عورت بطور مشیر جج کے ساتھ ہوں؟

**جواب:** نہیں بلکہ ایک عالم دین صاحب تقویٰ معتبر و مستند جس پر ملک کو اعتماد حاصل ہو وہ ہو جو ساتھ رہے۔

**سوال نمبر 47:** کیا آپ اس کے حق میں ہیں کہ ایسی عدالت مختلف اضلاع میں باری باری سے اپنا اجلاس کرے؟

**جواب:** اول اول جب کام کم ہو تو یہی مناسب ہے۔

**سوال نمبر 48:** کیا آپ اس کے حق میں ہیں کہ فریقین کو ایک سے زیادہ اپیل کی اجازت نہ ہو؟

**جواب:** بلکہ ایک کی بھی نہ ہو، اول ماہر کا فیصلہ ہی مکمل فیصلہ ہو۔

**سوال نمبر 49:** کیا آپ اس کے حق میں ہیں کہ اپیل براہ راست ہائی کورٹ میں ہوئی چاہئے اور اپیل کا فیصلہ بھی تین ماہ کے اندر ہو جانا چاہئے؟

**جواب:** اپیل ہی نہ ہو۔

**سوال نمبر 50:** ایسی عدالت کے فیصلے سے واجب الادا قومی وصولی اور دیگر احکام کی بجا

آوری کے لئے آپ کیا مناسب تجاویز پیش کرتے ہیں؟

**جواب:** حکومت کی امداد ورنہ درخواست کے ٹکٹ اور کورٹ فیس۔

**سوال نمبر 51:** ایسے مقدمات میں اخراجات متفرقہ کو پورا کرنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

**جواب:** ایسا

فیصلہ کیا۔ جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ ہند گنبد لاہور شب ۵/ربیع الاول ۱۴۲۵ھ (فروری ۱۹۵۶ء)

### فہرست تالیفات مولانا محمد صدیق ارکانی

نمبر	نام کتاب مع تعداد صفحات	سن طبع
۱	مقدمت صفحات: ۱۶۸	محرم ۱۳۶۶ھ / جون ۱۹۹۵ء
۲	جہاد میں خواتین کا کردار مع مصاصم الاسلام، صفحات: ۳۱۴	شوال ۱۳۶۸ھ / فروری ۱۹۹۸ء
۳	محققات دورہ حدیث، طبع اول، صفحات: ۲۶۰	شوال ۱۳۶۶ھ / فروری ۱۹۹۶ء
۴	تذکرہ ارکان مع مقدمہ تاریخ و التوقیم، صفحات: ۳۱۴	ربیع الاول ۱۳۶۸ھ / جولائی ۱۹۹۷ء
۵	مصاصم الاسلام طبع ثانی، صفحات: ۱۲۸	رجب ۱۳۶۸ھ / اکتوبر ۲۰۰۰ء
۶	اولیات مع مقدمہ داستان الفت، صفحات: ۱۱۴	محرم ۱۳۶۸ھ / مئی ۱۹۹۹ء
۷	تذکرہ ارکان بر ماہ صفحات: ۲۸۰	ربیع الاول ۱۳۶۸ھ / جون ۲۰۰۱ء
۸	شبک مسلمان ارکان بر ماہ صفحات: ۸۰	رمضان ۱۳۶۸ھ / جنوری ۲۰۰۰ء
۹	ارکان کی خونی داستان، صفحات: ۲۸	رمضان ۱۳۶۸ھ / جنوری ۲۰۰۰ء
۱۰	بری جمہوریت اپنے مظالم کے آئینے میں، صفحات: ۶۳	ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ / اپریل ۱۹۹۸ء
۱۱	اقتدار حقیقت، صفحات: ۵۶	ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ / اگست ۱۹۹۸ء
۱۲	احکام ہجرت، صفحات: ۵۶	محرم ۱۳۶۸ھ / اپریل ۲۰۰۰ء
۱۳	تاریخ العرب والقدس، صفحات: ۱۹۴	محرم ۱۳۶۵ھ / مارچ ۲۰۰۴ء
۱۴	جریڈہ عالم، صفحات: ۳۴۰	شوال ۱۳۶۳ھ / جنوری ۲۰۰۳ء
۱۵	مشاہیر ارکان بر ماہ صفحات: ۳۸۴	بنیادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ / جولائی ۲۰۰۴ء
۱۶	مقدمت علوم دینیہ، صفحات: ۳۷۵	شوال ۱۳۶۲ھ / جنوری ۲۰۰۲ء
۱۷	محققات دورہ حدیث، اضافہ شدہ، صفحات: ۳۶۳	رجب ۱۳۶۵ھ / اگست ۲۰۰۴ء
۱۸	الترجیح شرح التوضیح والتوضیح، صفحات: ۳۳۳	محرم ۱۳۶۵ھ / جنوری ۲۰۰۴ء
۱۹	منظر عالم، صفحات: ۲۸۰	رمضان ۱۳۶۵ھ / اکتوبر ۲۰۰۴ء
۲۰	ہولہ بان ارکان اور مظلوم بری مسلمان، صفحات: ۹۰	محرم الحرام ۱۳۶۶ھ / فروری ۲۰۰۵ء
۲۱	منار احتشام الحق، صفحات: ۷۰۰	بنیادی الثانی ۱۳۶۶ھ / اگست ۲۰۰۵ء
۲۲	نیرنگ عالم، صفحات: ۲۵۶	رمضان ۱۳۶۶ھ / اکتوبر ۲۰۰۵ء
۲۳	اکابرین ارکان بر ماہ صفحات: ۲۸۰	بنیادی الثانی ۱۳۶۷ھ / جولائی ۲۰۰۶ء
۲۴	عالمی قوانین اور اختلافی نوٹ، صفحات: 368	شعبان المعظم 1428ھ / اکتوبر 2007ء



## مسلم فیملی لاز آرڈیننس پر علماء کا تبصرہ

واجب الاحرام قارئین کرام و غلامان سید الانام! آپ کتاب ”عالمی قوانین اور اختلافی نوٹ“ کی تہذیب میں عالمی کمیشن کی تفصیل مطالعہ کر چکے ہوں گے اور پھر عالمی کمیشن کے گندے قوانین اور ان پر اختلافی نوٹ بھی ملاحظہ فرما چکے ہوں گے۔ بہر حال جنرل محمد ایوب خان (صدر پاکستان) نے 2 مارچ 1961ء میں عالمی کمیشن کے فرسودہ سفارشات و تجاویز کو ایک آرڈیننس کے ذریعے قانونی شکل ویدی، البتہ اس کے نفاذ کو وقتی طور پر مؤخر کر دیا گیا، اس آرڈیننس کے اعلان پر ملک و بیرون ملک کے علماء کرام، مقتدیان عظام اور قد آور شخصیات و مشائخ نے بھرپور احتجاج کیا اور اسے خلاف قرآن و سنت قرار دے کر واپس لینے کی سفارش کی۔ پھر مغربی و مشرقی پاکستان کے ہر مکتبہ فکر کے بڑے علماء و مقتدائے قوانین عالمی کمیشن کی خامیوں اور نقائص و تضادات پر مشتمل ایک جامع اور پر مغز مقالہ تیار کیا جس کے آخر میں 48 علماء و مشائخ کے نام اور دستخط ثبت ہیں۔

یہ گرانقدر علمی مقالہ مجھے ”غزائے احتشام“ میں انتہائی ناگفتہ بہ حالت میں ملا اور میں اسے قابل استفادہ و انتفاع بنا کر اہل علم کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، اب اصل مقالہ ملاحظہ فرمائیے۔ (از: مرتب)

2 مارچ 1961ء کو مرکزی حکومت نے ”مسلم فیملی لاز آرڈیننس 1961ء“ کے نام سے جو قانونی حکم صادر کیا ہے اور اس کو پیش کرتے ہوئے وزیر قانون جناب محمد ابراہیم صاحب نے جو توضیحی بیان دیا ہے اس کو ہم نے بغور دیکھا، ہم اس بات پر افسوس کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ پچھلے پانچ سال کے دوران میں عالمی کمیشن کی رپورٹ پر اہل علم (یعنی علم دین کے جاننے والوں) کی طرف سے جو مدلل تبصرے کئے گئے تھے اور اس کی کمزوریوں کی جو صاف صاف نشاندہی خود کمیشن کے ایک عالم دین رکن (مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب) اور دوسرے لوگوں کی طرف سے کی گئی تھی ان سب کو مرکزی حکومت نے بے تکلف نظر انداز کر دیا اور اس کمیشن کے بیشتر سفارشات کو قانون کا جامہ پہنا دیا۔ مزید افسوس اس بات کا ہے کہ وزیر قانون نے اس نئی قانون سازی کو صین مطابق قرآن قرار دینے کی کوشش کی ہے، تاہم یہ امر موجب اطمینان ہے کہ

## مسلم فیملی لاز آرڈیننس

پر

## کبار علماء کا تبصرہ

زیر نگرانی: حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی صاحب

مرتبہ: شعبہ تصنیف جامعہ احتشامیہ کراچی

ناشر: مکتبہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی

و حق حصر اربع المذاهب ☆ فکل منه معمول الرجال  
فان اخترت مذهب ابی حنیفہ ☆ فلا تعرض الی الباقي بحال

اس آرڈیننس کو فوری طور پر نافذ العمل قرار نہیں دیا گیا ہے اور اس کے نفاذ کو آئندہ کے کسی اعلان تک مؤخر رکھا گیا ہے۔ ہم اس موقع سے فائدہ اٹھا کر پورے دلائل کے ساتھ اس آرڈیننس کی کمزوریوں اور اس کے نقصانات کو واضح کرنا چاہتے ہیں تاکہ حکومت پھر ایک مرتبہ غور کر لے اور اس غلطی کی تلافی کرے۔ اب تک موجودہ حکومت کی یہ ایک قابل قدر روایت رہی ہے کہ اس کے کسی فیصلہ کی غلطی اگر اس پر واضح کر دی گئی ہے تو اس نے اس فیصلے پر نظر ثانی کرنے میں تاہل نہیں کیا ہے۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ اس آرڈیننس کے معاملے میں بھی ایسا ہی کیا جائے گا۔

ذیل میں آرڈیننس کی قابل اعتراض دفعات پر سلسلہ وار تبصرہ اسی تعمیری غرض کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔

**دفعہ نمبر 4:** اس دفعہ کی رو سے دادا اور نانا کے ان پوتوں اور پوتیوں اور نواسوں اور نواسیوں کو دادا اور نانا کا وارث قرار دیا گیا ہے جن کے باپ یا ماں مورث کی زندگی ہی میں وفات پا گئے ہوں۔ محترم وزیر قانون کے خیال میں یہ قرآنی قانون کی پیروی ہے، لیکن اس کے اندر قرآن کے چار صریح قاعدوں کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔

(1) قرآن ایک مورث کے ترکے میں صرف ان رشتہ داروں کے حصے مقرر کرتا ہے جو مورث کی وفات کے وقت زندہ موجود ہوں، لیکن آرڈیننس کی یہ دفعہ بعض ان رشتہ داروں کو حصہ دلواتی ہے جو مورث کی زندگی میں وفات پا چکے ہوں۔ اس دفعہ کی رو سے پہلے یہ فرض کیا جائے گا کہ وہ وفات یافتہ رشتہ دار مورث کی وفات کے وقت زندہ ہیں اور اس مفروضے کی بنا پر وفات یافتہ کو زندہ فرض کر کے زندہ رشتہ داروں کے ساتھ ان کا حصہ نکالا جائے گا۔ پھر ان کا حصہ نکالنے ہی انہیں مردہ تسلیم کر لیا جائے گا اور آگے ان کے وارثوں میں وہ حصہ تقسیم کیا جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ قرآن کی کس آیت سے یہ قانونی مفروضات اور قانونی حیلے اخذ کئے گئے ہیں۔

(2) قرآن کریم میں جن رشتہ داروں کے حصے مقرر کئے گئے ہیں ان میں بیٹوں اور بیٹیوں کے علاوہ ماں، باپ، بیوی، شوہر اور مورث کا کالہ ہونے کی صورت میں بھائی اور بہن بھی شامل ہیں، لیکن آرڈیننس کی یہ دفعہ ان میں سے صرف بیٹوں اور بیٹیوں کو اس امتیاز کے لئے منتخب کرتی ہے کہ مورث کی زندگی میں مرجانے کے باوجود وہ حصہ وصول کرنے کے لئے مورث کی موت کے وقت زندہ فرض کئے جائیں اور پھر آگے حصہ تقسیم کرنے کے لئے مردہ تسلیم کر لئے جائیں، یہ امتیاز قرآن کی کس نص یا اس کے کس اقتضا یا دلالت یا اشارے سے ماخوذ ہے۔

(3) قرآن کی رو سے ایک مورث کے ترکے میں اس کے تمام بیٹوں اور بیٹیوں کا حق ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ صاحب اولاد ہوں یا نہ ہوں، شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں، بالغ ہوں یا نہ ہوں، لیکن اس آرڈیننس میں مزید امتیاز یہ برتا گیا ہے کہ جو بیٹے اور بیٹیاں مورث کی زندگی میں لا ولد ہو گئے ہوں ان کو حصہ وصول کرنے کے لئے زندہ فرض نہیں کیا جائے گا، البتہ جو اولاد چھوڑ گئے ہوں صرف ان کا حصہ وصول کیا جائے گا، اس امتیاز کے لئے قرآن میں کیا دلیل ہے؟

(4) یہ آرڈیننس مزید امتیاز یہ بتاتا ہے کہ فوت شدہ صاحب اولاد بیٹوں اور بیٹیوں کی بھی صرف اولاد کو حصہ پہنچاتا ہے، حالانکہ قرآن کی رو سے اگر مورث کے مال میں ان کا کوئی حق ہے تو وہ پھر ان کی ماں یا ان کے باپ اور ان کی بیوی یا ان کے شوہر کو بھی پہنچنا چاہیے، مثلاً اگر ایک متوفیہ بیٹی کا حصہ نکالا جائے تو اس کا شوہر بھی حقدار ہے، اگر وہ زندہ ہو اور اس کی ماں بھی حقدار ہے اگر وہ متوفی باپ سے حصہ پارہی ہو اور اس کا باپ بھی حقدار ہے اگر وہ متوفیہ ماں سے حصہ پارہی ہو، نانا سے صرف نواسوں اور نواسیوں کو حصہ دلوانا اور دوسرے وارثوں کو چھوڑ دینا قرآن کے کس حکم پر مبنی ہے۔

ان سوالات کے جوابات میں زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ تمام نئے مفروضات اور قاعدے صرف قرآن کے اس منشا کو پورا کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں کہ بانی کی مدد کی جائے اگرچہ بجائے خود یہ قاعدے اور مفروضے قرآن سے ماخوذ نہیں ہیں۔ لیکن یہ طرز و رویہ جو ہے بالکل غلط ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا قانون میراث سرے سے اس اصول پر مبنی نہیں ہے کہ کسی پر تم کھا کر اس کی مدد کی جائے ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ قرآن ایک مالدار رشتہ دار کو میراث کا حق پہنچاتا محض اس بناء پر کہ وہ قاعدے کے مطابق حق دار رشتوں کے دائرے میں آتا ہے اور ایک انتہائی مفلس اور قابل رحم رشتہ دار کو محروم رکھتا صرف اس بناء پر کہ وہ قاعدے کے مطابق حق دار رشتوں کے دائرے میں شامل نہیں ہے۔ ایک اپانج مفلس بھائی کو محروم کرنا اور ایک دولت مند بیٹے کو دولت مند باپ کی جائیداد کا وارث بنانا بالکل غلط ہو جاتا ہے۔ اگر قانون میراث بنانے سے قرآن کا منشا یہ ہوتا کہ حاجت مندوں کی مدد کی جائے۔ دوسری وجہ جس کی بناء پر یہ طرز و رویہ غلط ہو گا یہ ہے کہ اگر فی الواقع قرآن کا ایسا کوئی منشا ہوتا کہ یتیم پوتوں اور نواسوں کی مدد و دادا اور نانا کی میراث میں ان کو حصہ دار بنا کر کی جانی چاہئے تو آخر کیا امر اس میں مانع تھا کہ قرآن اپنے اس غامض منشا کو ایک صاف حکم کے ذریعہ سے کھول دیتا ہے اور اگر قرآن نے نہ کھولا تھا تو یہ منشا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو مخفی نہیں رہنا چاہئے تھا۔ انہوں نے ایسا حکم کیوں نہیں دیا ہے، اگر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہیں کھولا تھا تو آخر کیا معقول وجہ ہے کہ قرآن کا یہ مضمون تمام عقائد سے تمام صحابہ سے تمام ائمہ اور اہل بیت سے تمام مجتہدین سے اور پچھلی تیرہ صدیوں میں اسلام کے سارے فقہاء سے مخفی رہ گیا اور اس کو پایا تو اس زمانہ میں چند ان لوگوں نے جنہوں نے چاہے جس علم کی بھی تعلیم وتر بیت پائی ہو، قرآن و سنت کے علم کی تعلیم وتر بیت نہیں پائی۔ باپ کی زندگی میں فوت ہو جانے والے بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد کو جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کو رفع کرنے کا صحیح طریقہ بارہا علماء کی طرف سے پیش کیا جا چکا ہے مگر افسوس ہے کہ اس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ البتہ اس معاملے میں شریعت کے خلاف طریقوں کو رد و خور اختیار سمجھا جاتا ہے اور انہیں رواج دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

**دفعہ نمبر 5:** اس دفعہ کی رو سے یہ لازم کیا گیا ہے کہ تمام نکاح جو کسی علاقے میں ہوں وہ اس علاقے کی یونین کونسل کے مقرر کردہ نکاح رجسٹرار کے پاس درج کئے جائیں، اور اگر نکاح رجسٹرار کے سوا کسی اور نکاح خواں نے نکاح پڑھایا ہو تو اس کی اطلاع نکاح رجسٹرار کو کی جائے، اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو تین مہینے قید یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ تک کی سزا دی جائے گی یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

جہاں تک کہ نکاح کی رجسٹر کی تعلق ہے اس کی ضرورت اور اس کے فائدے سے انکار نہیں، اگر اس رجسٹری کے لئے ملک میں جگہ، جگہ مناسب انتظامات موجود ہوں اور لوگوں کے علم میں اس کے فائدے لائے جائیں تو ایسا ہے کہ لوگ خود اپنے مفاد کی حفاظت کے لئے رجسٹریشن کی ان سہولتوں سے فائدہ اٹھائیں گے، لیکن اس کو قانوناً لازم کرنا اور اس کی خلاف ورزی کو ایک جرم مستلزم سزا قرار دینا متحدہ وجہ سے غلط ہے۔

(الف) پہلی بات یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں نکاح خواں کا سرے سے کوئی باقاعدہ منصب ہی نہیں ہے، ایک نکاح شرعاً بالکل صحیح طور پر منعقد ہو جاتا ہے اگر عورت اور مرد نے دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کر لیا ہے۔ نکاح کا خطبہ پڑھا جانا کوئی ضروری امر نہیں ہے، کسی قاضی یا عالم کا موجود ہونا اور اس کا خطبہ پڑھنے کے بعد ایجاب و قبول کرنا زائد از ضرورت مستجاب میں سے ہے۔ نکاح اس کے بغیر منعقد ہو جاتا ہے، لیکن یہ رجسٹریشن کا حکم نکاح خواں کا ایک باقاعدہ منصب قائم کرتا ہے۔

(ب) دوسری بات وضاحت طلب یہ ہے کہ جس نکاح کی رجسٹری نہ ہوئی ہو اور شریعت

کے مطابق دو شہادتیں اس پر قائم ہو جائیں آیا اس کو آپ کی عدالت تسلیم کرے گی یا نہیں، اس نکاح کی بنا پر عورت اور مرد کو ایک دوسرے کا جائز وارث تسلیم کیا جائے گا یا نہیں، ان سے پیدا شدہ اولاد کو جائز اولاد مانا جائے گا یا نہیں، وہ اولاد اپنے باپ سے میراث پائے گی یا نہیں، اگر ان سوالات کا جواب نفی میں ہے تو یہ شریعت اسلامیہ سے کھلا تصادم ہے، کیونکہ شریعت کی رو سے ایک نکاح جائز ہوگا اور آپ کے قانون کی رو سے ناجائز ہوگا۔ شریعت کی رو سے کچھ حقوق ثابت ہوں گے اور آپ کے قانون کی رو سے وہ باطل ہو جائیں گے اور اگر ان سوالات کا جواب اثبات میں ہے تو پھر آپ کا از روئے قانون رجسٹریشن کو لازم کرنا اور رجسٹری نہ کرانے والوں کو سزائیں دینا ملال ہے معنی ہو جاتا ہے۔

(ج) تیسری بات قابل غور یہ ہے کہ آیا واقعی یہ رجسٹریشن جائز نکاحوں کے ثبوت کا کوئی یقینی ذریعہ ہے، اور آج تک مسلمانوں میں جو نکاح رجسٹری کے بغیر ہوتے رہے ہیں ان پر اس طریقہ کو کوئی واضح فوقیت حاصل ہے، ہمارے خیال میں تو رجسٹریشن کو اس حد تک اہمیت دینا صحیح نہیں ہے۔ ملک کی موجودہ بگڑی ہوئی حالت میں اس بات کا بہت کافی امکان ہے کہ ایک با اثر غنڈہ رشوت اور سازش کے ذریعہ سے کسی شریف عورت کے ساتھ اپنے نکاح کا بالکل فرضی اندراج کرا دے اور اس پر اپنے ساتھی فنڈوں کی گواہیاں ثبت کرا دے اس طرح کے اندراجات سے وہ ساری قباحتیں پیدا ہو سکتی ہیں جو مرد پر طریقہ نکاح کی صورت میں فرض کی جاسکتی ہیں۔

ان وجوہ سے ہم پھر اپنی اس رائے پر اصرار کریں گے کہ رجسٹریشن کی سہولتوں کو صرف مہیا کر دینے سے انتفا کیا جائے اور بتدریج لوگوں کو اس بات کا عادی بنایا جائے کہ وہ رضا کارانہ طریقے پر ان سے فائدہ اٹھائیں۔ معاشرے کے ہر مسئلہ کو جبر و تعزیر کے زور سے حل کرنے کی کوشش نہ کی جائے اور نہ اس کے اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

**دفعہ نمبر 6:** یہ دفعہ تعداد ازدواج پر پابندیاں عائد کرنے کے لئے وضع کی گئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس دفعہ کا تجزیہ کر کے اس پر بحث کریں ہم یہ واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ تعداد ازدواج کو اصلاً ایک برائی سمجھنا اور صرف ناگزیر ضرورت کی حالت میں اس کو جائز قرار دینا ایک غیر اسلامی تخیل ہے۔ اسلام اس تخیل سے قطعاً نا آشنا ہے۔ یہ مغرب سے درآ مد ہوا ہے اور اس کے جواز کو ناگزیر ضرورت کے ساتھ مقید کرنے کی کوشش مغرب کے سامنے ایک معذرت کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ قرآن جن انبیاء کو خدا کے مقرر کردہ امام اور پیشوا اور مقتدا قرار



دیتا ہے ان میں سے بیشتر تعدد ازدواج پر عامل تھے۔ خود سرور انبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد بیویاں تھیں۔ کوئی منکر حدیث بھی اس امر واقعہ سے انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ قرآن میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج کا ذکر ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں خلفاء، بیشتر صحابہ اکثر ائمہ اہل بیت اور اسلامی تاریخ کے بیشتر اکابر جن پر مسلمانوں کو فخر ہے بیک وقت متعدد بیویاں رکھنے والے تھے۔ ان میں سے کس کس کے متعلق آخر آپ ثابت کریں گے کہ ان کو ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی سخت ضرورت تھی، اس چیز کو اصلاً ایک برائی تسلیم کر لینے کے بعد تو لازماً ایک زوجی کے قائل اہل مغرب بہت سی ناجائز داشتائیں اور آشنائیں رکھنے کے باوجود صالح قرار پاتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی نے کسی ضرورت کی بنا پر بھی ایک سے زائد قانونی بیویاں نہیں رکھیں اور مسلمانوں کے بیشتر اکابر کم از کم نیم صالح تو قرار پاتے ہی ہیں کیونکہ وہ ”ضرورتاً اس برائی“ پر عمل کرتے رہے۔

مزید برآں یہ بات قابل غور ہے کہ تعدد ازدواج کے معاملے میں تو ہمارے وزیر قانون صاحب اور ہمارے دوسرے لیڈروں اور حکمرانوں کو قرآن کا کوئی مخفی منشا تلاش کر کے اس پر پابندی عائد کرنے کی اس قدر سخت ضرورت محسوس ہوئی لیکن قرآن نے جن برائیوں سے صریح الفاظ میں منع کیا ہے ان میں سے کسی کو قانون کے ذریعہ سے روکنے کی انہوں نے کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اگر ایک شخص ایک بیوی کے موجود ہوتے ہوئے طوائفوں کے ہاں جائے یا کوئی داشتہ رکھے یا آزادانہ شہوت رانی کرتا پھرے تو فرمائیے کہ آپ کے قانون میں اس کے لئے کیا رکاوٹ ہے۔ کیا سزا اس کے لئے تجویز کی گئی ہے، کیا جگمات نے اس کے خلاف کبھی احتجاج کیا ہے اور اس کو بروئے قانون روکنے کا کبھی مطالبہ کیا ہے، کب آپ نے کوئی کمیشن بنایا کہ اس کے سدباب میں تدبیر تجویز کی جائے، اس صریح برائی کو تو آپ رواداری سمجھتے ہیں، حالانکہ قرآن اسے انتہائی سخت جرم قرار دیتا ہے اور اس کے لئے سخت سزا تجویز کرتا ہے مگر تعدد ازدواج پر آپ پابندیاں عائد کرنے کی فکر کرتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم قرآن کی منشا پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ طرز عمل کبھی صحیح ذہنیت کی غمازی نہیں کرتا، کیوں صاف صاف یہ اعتراف نہیں کیا جاتا کہ قرآن کا منشا پورا کرنا پیش نظر نہیں ہے بلکہ ان اہل مغرب کے سامنے معذرت پیش کرنا مقصود ہے جو مسلمانوں سے سابقہ پیش آتے ہیں، سب سے پہلے تعدد ازدواج پر برسا شروع کر دیتے ہیں اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ غیر قانونی تعدد ازدواج ان کے ہاں جس بڑے

پانے پر رائج ہے اتنا مشکل ہی سے دنیا کے کسی سوسائٹی میں آج تک رائج رہا ہوگا۔ حتیٰ کہ ان کے بعض ملکوں میں آج خود ان کی ایک رپورٹ کے مطابق ناجائز اولادوں کا اوسط 60 فیصدی تک پہنچ گیا ہے۔

اب ہم اس دفعہ کے مشتملات پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔ اس میں ایک شخص کو جو ایک بیوی یا زائد بیویوں کی موجودگی میں مزید نکاح کرنا چاہتا ہو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ اولاد اپنی موجودہ بیوی یا بیویوں کی رضامندی حاصل کرے۔ ثانیاً اپنے علاقہ کی یونین کونسل کے چیئرمین سے اجازت حاصل کرنے کی درخواست کرے۔ چنانچہ ایک پنچایت کو جو اس شخص کے نمائندے اور اس کی بیوی یا بیویوں کے نمائندے اور یونین کونسل کے چیئرمین پہ مشتمل ہوگی اس بات پر مطمئن کرے کہ اس کا مزید ایک بیوی کرنا ضروری اور حق بجانب ہے۔ ان شرائط کی تکمیل کے بعد پنچایت سے رضامندی حاصل کرے کہ وہ نکاح کا مجاز ہوگا۔ لیکن پنچایت کے اس فیصلے کے خلاف مغربی پاکستان میں گلگتھر کے پاس اور مشرقی پاکستان میں سب ڈویژنل آفس کے پاس نگرانی کی جا سکے گی اور اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا جس کے خلاف کہیں کوئی اپیل نہ ہو سکے گی۔ قطع نظر اس کے کہ وہ نکاح کی اجازت کے حق میں ہو یا اجازت منسوخ کرنے کے حق میں۔ مزید برآں اس دفعہ میں یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ جو شخص مذکورہ بالا پابندی کے خلاف نکاح کر لے۔

- (1) اس کی بیوی یا بیویوں کو فوراً پورا مہر دلوا دیا جائے گا چاہے مہر غیر موصول ہو یا موصول۔
- (2) اس کو ایک سال قید یا پانچ ہزار روپے جرمانے تک کی سزا دی جائے گی یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔
- (3) اس کا نکاح علاقہ کے رجسٹرار کے پاس درج نہیں کیا جائے گا۔ جس کے معنی غالباً یہ ہیں کہ وہ سرے سے قانوناً مسلم ہی نہیں ہوگا۔
- (4) اس کی بیوی یا بچوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اس شکایت کی بناء پر عدالت میں خلع کا مطالبہ کریں۔

وزیر قانون صاحب ہم کو یہ یقین دلانے کی کوشش فرماتے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے قرآن کے منشا کو پورا کرنے کے لئے کیا ہے، لیکن قرآن کے جس منشاء کی وہ نشان دہی فرماتے ہیں وہ خود ان کے الفاظ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک سے زائد بیویوں کے ساتھ نکاح اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ شوہر سب بیویوں کے درمیان عدل کرے۔ وزیر قانون صاحب کا ارشاد ہے کہ وہ تعدد ازدواج پر پابندیاں اس لئے عائد فرما رہے ہیں کہ لوگ اس اجازت سے غلط فائدہ اٹھا کر ایک سے زائد بیویاں کر لیتے ہیں اور عدل کی شرط پوری نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں

ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ عدل کا سوال آیا نکاح سے پہلے پیدا ہوتا ہے یا نکاح کے بعد۔ ظاہر بات ہے کہ یہ سوال ایک سے زائد نکاح کر لینے کے بعد ہی پیدا ہوتا ہے کہ آیا شوہر نے عدل کیا ہے یا نہیں۔ وجہ شکایت قرآن کی رو سے جائز طور پر صرف اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ شوہر نے عدل نہ کیا ہو۔ اور اس وقت ایک بیوی کو جس کے ساتھ عدل نہ ہو رہا ہو یہ مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے کہ یا تو اس کے ساتھ عدل کیا جائے یا شوہر صرف ایک بیوی رکھے۔ قرآن کا نام لے کر اس کے اس غلط فہمی کو پورا کرنے کی یہ شکل قرآن کے کس لفظ یا اشارے یا فحوی سے اخذ کی گئی ہے کہ نکاح سے پہلے شوہر اپنی موجود بیوی یا بیویوں کی رضامندی حاصل کرے اور ایک پنچایت کو اپنی ضرورت کا اطمینان دلائے، پھر قرآن کے کس لفظ یا اشارے سے یہ حکم اخذ کیا گیا ہے کہ جو نکاح موجود بیوی یا بیویوں سے اجازت لئے بغیر اور ایک پنچایت سے لائنس حاصل کئے بغیر کیا گیا ہو وہ قانوناً تسلیم ہی نہ کیا جائے اور اس شخص کو جیل بھی بھیجا جائے اور قبل اس کے کہ اس کی بیوی یا بیویوں کو عدل نہ کئے جانے کی شکایت پیدا ہو، بتایا جائے کہ یہ سب کچھ قرآن کے کس مقام سے اخذ کیا گیا ہے۔ اور اگر قرآن سے اخذ نہ کیا گیا ہو تو کیا کہیں کوئی شہادت اس امر کی موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیوی کے بعد جتنی شادیاں کیں ان سے پہلے حضورؐ نے صحابہ کرام کو جمع کر کے انہیں اس بات پر مطمئن کیا ہو کہ مجھے مزید بیویوں کی ضرورت ہے، یا صحابہ کرام میں سے کسی کو دوسری شادی کرنے سے پہلے اس بات پر مجبور کیا گیا ہو کہ وہ کسی پنچایت کے سامنے اپنی ضرورت ثابت کریں، یا تاریخ اسلام میں کبھی کسی بیوی کو صرف اس بناء پر خلع کے مطالبے کا حق دیا گیا ہو کہ اس کے شوہر نے دوسری شادی کر لی ہے، یا کسی شخص کو اس جرم میں پکڑا گیا ہو کہ اس نے کچھ بیویوں سے اجازت لئے بغیر اور پنچایت سے لائنس لئے بغیر مزید ایک نکاح کر ڈالا ہے۔

اگر پیش نظر قرآن کا نام لے کر مغربی تجلیات کو اسلامی قانون میں داخل کرنا ہو تب تو بات دوسری ہے ورنہ قرآن کے نشانی کو پورا کرنا فی الواقع پیش نظر ہو تو یہ پوری دفعہ منسوخ کر دینے کے قابل ہے کیونکہ قرآن اور سنت اور فقہ اسلامی اس کے بنیادی تجلیات اور اس کے اصول و قواعد سے بالکل نا آشنا ہیں۔ اس کے بجائے صرف ایک چیز اس دفعہ میں ہونی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی صورت میں ان کے درمیان عدل نہ کرے اس کے خلاف اس بیوی کو عدالت میں شکایت لے جانے کا حق ہوگا۔ جس کے ساتھ عدل نہ کیا جا رہا ہو اور

عدالت شوہر کو اس کے ساتھ انصاف کرنے پر مجبور کرے گی۔

**دفعہ نمبر 7:** اس دفعہ میں طلاق کے جو احکام وضع کئے گئے ہیں وہ تقریباً پورے کے پورے قرآن کے احکام کے خلاف ہیں۔ اور ان احکام کو نافذ کرنے کے نتائج مسلم معاشرے کے حق میں اس قدر فتنہ انگیز ہوں گے کہ شاید ابھی ان کا پورا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اس کی پہلی شق میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو کسی صورت میں طلاق دے (غالطاً "کسی صورت سے" مراد یہ ہے کہ خواہ وہ طلاق رجعی ہو یا بائن یا مغلط) وہ یونین کونسل کے چیئرمین کو اپنے اس فعل کی اطلاع دے گا۔ دوسری شق میں یہ طے کیا گیا ہے کہ جو شخص اطلاع نہ دے اس کو ایک سال قید یا پانچ ہزار روپے جرمانہ تک کی سزایا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔ تیسری اور پانچویں شق میں طے کیا گیا ہے کہ:

(الف) (طلاق کی عدت طلاق دینے کے وقت سے نہیں شروع ہوگی بلکہ یونین کونسل کے چیئرمین کو نوٹس ملنے کے بعد سے شروع ہوگی۔

(ب) اور یہ عدت عورت کے غیر حاملہ ہونے کی صورت میں 90 دن کی ہوگی اور حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل تک یا 90 دن تک (ان میں سے جو مدت بھی طویل تر ہو) متدد ہوگی یعنی اس مدت کے اندر رجوع کا حق ہوگا۔

(ج) یونین کونسل کے چیئرمین نوٹس ملنے کے بعد 30 دن کے اندر ایک پنچایت مقرر کرے گا جو زوجین کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے گی اور اس کے ناکام ہونے کی صورت میں طلاق نافذ ہوگی۔

یہ تمام شقیں قرآن کے صریح احکام سے ٹکراتی ہیں، وزیر قانون صاحب اپنے بیان میں فرماتے ہیں کہ "اسلامی قانون طلاق کے اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب کبھی میاں اور بیوی میں اختلافات رونما ہوں تو قریبی رشتہ دار اور دوسرے لوگ ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کریں۔ تاکہ فوری تفریق نہ ہونے پائے، لیکن دراصل انہوں نے قرآن کے دو احکام کو بالکل غلط طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے اور قرآن کے دیئے ہوئے حق طلاق کو ایک پنچایت کے ساتھ معلق کر کے رکھ دیا ہے۔ قرآن مجید میں طلاق کے احکام بالکل الگ بیان کئے گئے ہیں اور میاں اور بیوی کے اختلافات کو رفع کرنے کی صورت الگ بیان کی گئی ہے۔ سورہ بقرہ میں آیت 227 سے لے کر 242 تک اور سورہ احزاب کی آیت 49 میں اور سورہ طلاق کی پہلی

سات آیتوں میں طلاق کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ کوئی قانونی فہم رکھنے والا شخص ان احکام کو پڑھتے ہوئے قطعاً یہ محسوس نہیں کر سکتا کہ یہاں شوہر کے حق طلاق کو کس پنچایت یا عدالت کے سامنے پیش کرنے اور اس کا فیصلہ حاصل کرنے سے مقید کیا گیا ہے۔ ان تمام احکام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شوہر جب چاہے طلاق دینے کا مختار ہے۔ ایک آیت کے اندر تو صاف الفاظ میں ”بیدہ عقدہ النکاح“ کا فقرہ ارشاد فرمایا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ نکاح کو برقرار رکھنا یا توڑ دینا شوہر کے اختیار میں ہے اور اپنے اس اختیار کو استعمال کرنے کے لئے وہ کسی دوسرے کی طرف رجوع کرنے کا پابند نہیں ہے۔ دوسری طرف سورہ نساء کی آیت 34 اور 35 میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ نیک بیویاں شوہروں کی اطاعت گزار ہوتی ہیں۔ اگر بیوی نشو و نما رو بہ اختیار کرے تو شوہر کو اسے مطابق بنانے کیلئے مختلف تدابیر اختیار کرنے کا حق ہے اور اگر زوجین کے درمیان کوئی جھگڑا ہو تو ایک حکم شوہر کے خاندان سے اور ایک حکم بیوی کے خاندان سے مقرر کیا جائے تاکہ وہ دونوں مل کر ان کے جھگڑے کو رفع کرانے کی کوشش کریں۔ اس آیت میں سرے سے طلاق کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے اور کہیں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اس سنی مصالحت کے بغیر شوہر طلاق کا اختیار استعمال کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ ان دو الگ قوانین کو ایک دوسرے کے ساتھ گڈ بڈ کر کے ایک قانون کا نشاد دوسرے قانون کے ذریعہ سے فوت کرنے کی کوشش کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

در اصل اس دفعہ کا پورا تخیل مغرب کے انتہائی ناقص قوانین نکاح و طلاق کے اصولوں پر مبنی ہے۔ مغرب ایک مدت دراز تک طلاق کو ایک برائی اور ایک ناجائز کارروائی سمجھتا رہا اور اسلام پر اعتراض کرتا رہا کہ اس میں یہ چیز جائز ہے۔ پھر اپنے اس غلط تخیل کے بدترین نتائج دیکھ لینے کے بعد جب اس نے طلاق کے جواز کی ضرورت محسوس کر لی تو اپنے سابق طرز فکر کو برقرار رکھتے ہوئے اس نے طلاق کی ضرورت پوری کرنے کے لئے یہ شکل اختیار کی کہ عورت اور مرد دونوں کو علیحدگی چاہنے کی صورت میں عدالتی فیصلہ کا پابند کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندانوں کے گندے کپڑے کھلم کھلا عدالتوں میں دھوئے جانے لگے۔ طلاق چاہنے والے چونکہ مجبور تھے کہ ایک عدالت کو اس بات پر مطمئن کریں کہ ان کے لئے جدائی ناگزیر ہو چکی ہے، اس لئے انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف جھوٹے الزامات اور زیادہ تر بد اخلاقی کے اتہامات مجبوراً لگائے کیونکہ اصل وجہ طلاق لازماً وہی نہیں ہو سکتے جو کسی عدالت کو مطمئن کر دیں۔ اس طرح ان غلط قوانین طلاق کی بدولت مغربی معاشرہ طلاق کے انتہائی فتنہ انگیز مقدمات سے لبریز ہو گیا۔ اب ہمارے

نے قانون سازان اہل مغرب کی اندھی تقلید میں ہمارے معاشرے کو اس فتنہ سے دوچار کرنے کے درپے ہیں۔

آرڈیننس کی اس دفعہ کی مذکورہ بالا شکلوں میں حسب ذیل امور صریح طور پر قرآن کے خلاف ہیں:

(الف) اس میں عورت کی عدت یونین کونسل کے چیئرمین کو نوٹس دینے کے بعد سے شروع ہوتی ہے خواہ طلاق دینے کے مہینہ دو مہینہ بعد ہی یہ نوٹس دیا گیا ہو۔ حالانکہ قرآن کی رو سے طلاق زبان سے نکالنے ہی عدت کی مدت شروع ہو جاتی ہے۔

(ب) اس میں عدت کی مدت غیر حاملہ عورت کے لئے 90 دن قرار دی گئی ہے حالانکہ قرآن کی رو سے تین حیض اس کی مدت ہے۔

(ج) اس میں حاملہ عورت کی عدت کی مدت وضع حمل یا 90 دن (ان میں سے جو مدت بھی طویل تر ہو) قرار دی گئی ہے۔ حالانکہ قرآن کی رو سے حاملہ کی عدت وضع حمل پر ختم ہو جاتی ہے اور صرف غیر حاملہ عورت کی مدت عدت نوے دن نہیں بلکہ تین مہینے رکھی گئی ہے۔

(د) اس میں طلاق کے نفاذ کو یونین کونسل کے چیئرمین تک اطلاع پہنچنے اور اس کی سنی مصالحت کرنے پر موقوف کر دیا گیا ہے، حالانکہ یہ قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں۔

(ه) اس میں شوہر کے خاندان اور بیوی کے خاندان کے ایک ایک حکم کے ساتھ یونین کونسل کے چیئرمین کا مزید اضافہ کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن صرف دونوں خاندانوں کے ایک ایک حکم کے سامنے اختلافات پیش کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یونین کونسل کا چیئرمین لازماً اپنے علاقے کے تمام خاندانوں کا کوئی معتمد علیہ سرپرست نہیں ہو سکتا۔ بلکہ آپ کے کسی قانون کی رو سے اس کا مسلمان ہونا تک ضروری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں خاندان یا ان میں سے کوئی ایک اس بیرونی آدمی کے سامنے اپنے گھریلو جھگڑے رکھنے پسند نہ کریں۔ کسی بیرونی شخص کے سامنے میاں اور بیوی کے بعض ایسے معاملات بھی آسکتے ہیں کہ اگر ازلوئے قانون ان کا لانا لازم کر دیا جائے تو شاید وہی خواتین جو آج اس طرح کے قانون کا بڑے جوش و خروش سے خیر مقدم فرما رہی ہیں اس وقت چیخ آئیں گی جب یہ جھگڑے پنچائیتوں میں آنے شروع ہوں گے اور بعید نہیں کہ جب طلاق کا نفاذ ایک پنچائیت کے اہمیان پر موقوف ہو جائے تو ہمارے ہاں بھی شوہر اپنی بیویوں پر جھوٹے اخلاقی الزامات لگانا شروع کر



دیں گے، تاکہ بچائیت کو طلاق کے نامزد ہونے کا قائل کر سکیں۔

اس دفعہ کی شق نمبر 6 ایک اور فقہانگیز صورت پیدا کرتی ہے۔ اس میں یہ طے کیا گیا ہے کہ ہر وہ نکاح جو کسی موثر طلاق کے ذریعے ختم ہو چکا ہو اس کے فریقین دوبارہ باہم نکاح کر سکیں گے۔ بغیر اس کے کہ بیک وقت دی ہوئی طلاقیں خواہ تین ہی کیوں نہ ہوں مغلط نہیں ہوں گی اور عملاً ان کی تائید ایک ہی طلاق کی ہوگی۔ بلاشبہ یہ چیز بعض فقہی مذاہب کے نزدیک درست ہے لیکن حنفی مذہب کے خلاف ہے۔ حنفی مذہب میں اگر تین طلاق بیک وقت دیئے گئے ہوں تو اس سے طلاق مغلط واقع ہو جاتی ہے اور مطلقہ عورت سے اس کا سابق شوہر نہ تو مدت عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور نہ مدت گزر جانے کے بعد اس کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے جب تک کہ اس کی تحلیل نہ ہو جائے۔ اس ملک کے باشندوں کی عظیم اکثریت حنفی ہے۔ ان حنفی حضرات کا جو اعتماد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور مذہب حنفی کے ائمہ و فقہاء کے علم و تقویٰ پر ہے وہ اعتماد آج کل کے قانون سازوں پر نہیں ہے اور نہیں ہو سکتا۔ اس قانون سازی کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے عقیدے اور قانون رائج الوقت کے درمیان اختلاف واقع ہو جائے گا اور اس سے ان کی معاشرتی زندگی میں بڑی پیچیدگیاں رونما ہوں گی۔ مثال کے طور پر ایک شوہر اگر اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دینے کے بعد اس سے رجوع کر لے تو اس کی حنفی بیوی اور اس کا خاندان اس رجوع کو جائز تسلیم نہیں کریں گے۔ بیوی نہ شوہر سے آزاد ہو کر دوسرا نکاح کر سکے گی کیونکہ قانون اس میں مانع ہوگا اور نہ اپنے آپ کو اس شوہر کے حوالے کر سکے گی کیونکہ اس کے عقیدہ کی رو سے یہ زنا کا ارتکاب ہوگا۔ کیا اس پیچیدگی کو آپ کا کوئی قانون رفع کر سکتا ہے، کیا آپ کے قوانین یہ طاقت رکھتے ہیں کہ لوگوں کے عقائد تبدیل کر سکیں۔

**دفعہ نمبر 12:** اس دفعہ میں لڑکیوں کے لئے عمر نکاح کی مدت 14 سال سے بڑھا کر 16 سال کر دی گئی ہے۔ یعنی 16 سال سے کم عمر کی لڑکی کا نکاح اب از روئے قانون نہ ہو سکے گا۔ عمر نکاح مقرر کرنے کا قانون پہلی مرتبہ جب انگریزی دور میں بنایا گیا تھا اس وقت بھی علماء نے اس پر احتجاج کیا تھا اور اب اس موقع پر ہم پھر اس پر اعتراض کرنے کے لئے مجبور ہیں کیونکہ یہ قرآن مجید کے صریح حکم کے خلاف اور ان کے مصالح سے متصادم ہے۔ جنہیں اسلامی شریعت نے اہمیت دی ہے۔ قرآن مجید میں بالفاظ صریح ایسی لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے جس کو ابھی حیض نہ آیا ہو۔ سورہ طلاق کی آیت نمبر 4 میں بتایا گیا ہے کہ جن عورتوں کا حیض آنا بند ہو چکا ہو یا جن عورتوں کو ابھی حیض آنا نہ شروع ہوا ہو ان کے معاملے میں عدت طلاق تین

مہینے ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ عدت طلاق کا سوال پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے جب کہ پہلے نکاح ہو چکا ہے۔ اس طرح قرآن مجید صریح طور پر اس لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیتا ہے۔ جس کو حیض آنا نہ شروع ہوا ہو۔ ہمارے ملک میں بالعموم لڑکیوں کو 13 برس کے لگ بھگ عمر میں حیض آنا شروع ہو جاتا ہے۔ لہذا قرآن کی رو سے اس سے کم عمر کی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز ہے لیکن اس آرڈیننس کی رو سے 16 برس سے کم عمر کی لڑکی سے نکاح ناجائز ہے۔

قرآن کے ساتھ اس تصادم کے علاوہ یہ سوال قابل غور ہے کہ اس ملک میں کیا کوئی ایسا قانون ہے جس کی رو سے 16 برس سے کم عمر کی لڑکی کے ساتھ زنا کی روک تھام ہو سکے، محض یہ بات کہ 16 برس سے کم عمر کی لڑکی نا بالغہ ہو اور اس کے ساتھ مباشرت زنا بالجبر قرار پائے۔ اس خرابی کی روک تھام کے لئے موثر ذریعہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایسی لڑکی اگر اپنی مرضی سے زنا کرے تو اس جرم کا قانون کے علم میں آئے گا اور اس کے مرتکبین سزا پائیں گے۔ اب یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ وہ لازماً قانون کے علم میں آئے گا اور اس کے مرتکبین سزا پائیں گے۔ اب یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ ایک لڑکی کے زانیہ ہو جانے کا تو سد باب نہ ہو مگر اس کے نکاح کا سد باب کر دیا جائے۔ اور اگر ایک باپ اپنی 14، 15 برس کی عمر کی لڑکی کو بگڑتے ہوئے دیکھ کر اس کا نکاح کر دینا چاہے تو نہ کر سکے اور اس کے بگڑنے کے خطرے کو مجبوراً برداشت کرنا پڑے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ صغیر سنی کی شادی بالعموم ہمت افزائی کی مستحق نہیں ہے اور جن علاقوں میں اس کا رواج قبائلی پیدا کر رہا ہے وہاں اس کی اصلاح کی ضرورت ہے لیکن معاشرے کی ہر خرابی کا علاج لازماً جبری نہیں ہے۔ عوام میں تعلیم و تلقین کے ذریعہ اس رجحان کو روکا جاسکتا ہے۔ بغیر اس کے کہ قانون نکاح کی عمر مقرر کر کے اس سے کم عمر کے نکاح کو سرے ہی سے حرام کر دیا جائے۔

یہ ایک حق نصیحت ہے جو ہم اس ملک کی بھلائی کے لئے اس آرڈیننس کے نفاذ سے پہلے ادا کر رہے ہیں۔ اس کو ادا کر دینے کے بعد ہمارا فرض ختم ہو جاتا ہے۔ اب یہ حکومت کا کام ہے کہ جن غلطیوں کی نشاندہی دلائل کے ساتھ کر دی گئی ہے ان کی اصلاح کرے۔ منجانب

(1) مولانا مفتی محمد حسن، مجتہم جامعہ اشرفیہ لاہور۔

(2) مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری، ناظم مرکزی حزب الاحناف پاکستان لاہور۔

(3) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لاہور۔

(4) مولانا محمد ادریس کاندھلوی، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور۔

(5) مولانا مفتی جعفر حسین، مجتہد، سابق ممبر بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ دستور ساز اسمبلی پاکستان۔

(6) مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، صدر جماعت اہلحدیث لاہور۔

(7) مولانا سید احمد رضوی، نائب ناظم مرکزی انجمن حزب الاحناف پاکستان لاہور۔

(8) مولانا ابن الحسنات سید ظلیل احمد قادری، خطیب مسجد وزیر خان لاہور۔

(9) مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی، خطیب جامعہ مقدس اہل حدیث لاہور۔

(10) مولانا حافظ محمود احمد روپڑی، ناظم جامعہ مقدس اہل حدیث لاہور۔

(11) مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی لاہور۔

(12) مولانا عبدالستار خان نیازی، لاہور۔

”مجھے اصل دفعات سے وہی اختلاف ہے جو اس مضمون میں ظاہر کیا گیا ہے لیکن ان دفعات کی وضاحت میں جو امور تحریر فرمائے گئے ہیں ان کے بعض اجزاء سے اتفاق نہیں ہے۔“

(13) مولانا حافظ کفایت حسین، مجتہد ادارہ مالیہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان لاہور۔

”مضمون بالا کی بعض جزئیات اگرچہ تفصیل طلب یا غور طلب ہیں مگر اصل مقصد کے لحاظ سے میں اس پرورے مضمون سے متفق ہوں۔“

(14) مولانا حافظ محمد عبداللہ روپڑی، متولی، جامعہ قدس اہل حدیث، لاہور۔

### علماء کرام مشرقی پاکستان

(1) مولانا اطہر علی، شیخ المدرس امداد العلوم کشور گنج

(2) مولانا شمس الحق فرید پوری، مہتمم جامع قرآنیہ ڈھاکہ

(3) مولانا اکرم خان، آزاد پبلیکیشنز لمیٹڈ، ڈھاکہ

(4) مولانا ابو جعفر محمد صالح، پیر صاحب سرسینہ شریف

(5) مولانا نور محمد اعظمی، نواکھالی۔

(6) مولانا محمد عبدالحق، ناظم جمعیت المدرسین، مشرقی پاکستان

(7) مولانا نظیر احمد مدرسہ اسلامیہ، جیری نواکھالی۔

(8) مولانا محمد اسماعیل مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم چانگام

(9) مولانا صدیق احمد چکرا لوی، دارالتحقیق مدرسہ خمیرہ پٹیہ چانگام۔

(10) مولانا احمد حسین، مہتمم مدرسہ جیری چانگام۔

(11) مولانا محمد احمد، ہیڈ مولانا مدرسہ جیریہ قاسم العلوم چانگام۔

(12) مولانا عبید الرحمن، مہتمم مدرسہ کھارانہ پٹیہ چانگام۔

(13) مولانا عبدالوہاب، مدرسہ ہاٹ ہزاری مدرسہ چانگام۔

(14) مولانا طیل الرحمن، مدرسہ فریدیپ نواکھالی۔

(15) مولانا فیض اللہ مفتی اعظم، ہاٹ ہزاری چانگام۔

(16) مولانا محمد اسماعیل مہتمم مدرسہ ناصر العلوم السلام، فتح پور۔

(17) مولانا احمد الحق دارالافتاء، مدرسہ ہاٹ ہزاری چانگام۔

(18) مولانا تاج الاسلام، صدر مدرس، مدرسہ یونفیک۔

(19) مولانا محمد یونس، امام جامع مسجد عباد اللہ باریال۔

(20) مولانا محمد عبداللطیف، سیکریٹری آرمی، اسلامیہ سینٹر مدرسہ کھلتا۔

(21) مولانا محمد اسحاق، مفتی مدرسہ عالیہ کھلتا۔

(22) مولانا امجد حسین مدرس اسلامیہ مدرسہ سائینس روڈ جیسور۔

(23) مولانا حکیم عبدالعلی، مفسر قرآن فرید پور۔

(24) مولانا محمد منظور الحق، مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم نتر اکوتا۔

(25) مولانا دین محمد خان، مفتی مفسر القرآن ڈھاکہ۔

(26) مولانا محمد عبدالرحیم، مصنف کتب اسلامیہ ڈھاکہ۔

(27) مولانا عبدالوہاب، مہتمم مدرسہ اشرف العلوم چوک بازار ڈھاکہ۔

(28) پروفیسر نظام اعظم مکہ بازار ڈھاکہ۔

(29) مولانا ممتاز الدین، شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ عربیہ ڈھاکہ۔

(30) حافظ محمد سلیمان، امام و خطیب جامع مسجد چوک بازار ڈھاکہ۔

(31) مولانا صدیق احمد، مفتی دارالافتاء مدرسہ اسلامیہ عربیہ ڈھاکہ۔

(32) مولانا عزیز الرحمن، جعفری مجددی، امام و خطیب مسجد پٹوالی ڈھاکہ۔

فیملی لا آرڈیننس 1961ء پر علماء کرام کی تنقید کے دفعہ نمبر 7 سے متعلق ذیلی دفعہ 6 کے

علاقہ باقی تمام کی ہم اصولی طور پر حمایت کرتے ہیں۔

(1) مولانا ابو عبیدہ، شیخ محمد عبداللہ ندوی، صدر مدرس مدرسہ الحدیث ڈھاکہ۔

(2) مولانا منظر احمد رحمانی، خطیب مسجد نظیر بازار ڈھاکہ۔

(3) مولانا محمد عارف، ایم اے ڈھاکہ۔

(4) مولانا ابوالقاسم رحمانی، مدرسہ مدرسہ الحدیث، ڈھاکہ۔

# شادی کمیشن کی رپورٹ

## تنقیدی جائزہ

منجانب: شہزادی عابدہ سلطان صاحبہ  
 زیر نگرانی: حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی صاحب  
 مرتبہ: شعبہ تصنیف جامعہ احتشامیہ کراچی  
 ناشر: مکتبہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی

یہ موجودہ طریقے راہی ملک عدم ہوں گے  
 نئی تہذیب ہوگی اور نئے سامان بہم ہوں گے  
 نہ خاتونوں میں رہ جائے گی پردے کی یہ پابندی  
 نہ گھونگٹ اس طرح سے حاجب روئے صنم ہوں گے

# شادی کمیشن کی رپورٹ کا تنقیدی جائزہ

قوانین عالمی کمیشن، اداون میرج کمیشن اور اختلافی نوٹ کی تفصیل ماقبل (تہذیب) میں آچکی ہے۔ حکومت پاکستان (جنرل محمد ایوب خان) نے مئی 1956ء میں قوانین عالمی کمیشن کو (خلاف قرآن و سنت ہونے کے باوجود) اخبارات میں شائع کر دیا، اور ملک بھر میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ اس میں خواتین کے تحفظ کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے اور ملک بھر کے لوگ اس سے متفق ہیں، البتہ چند قدیم اور بنیاد پرست علماء (جو دنیا کی نشیب و فراز سے ناواقف ہیں) بلا دلیل اس کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں، ایسی حالت میں محترمہ شہزادی عابدہ سلطان کی مگر جدار آواز بلند ہوئی اور قلم حرکت میں آیا، محترمہ نے عالمی کمیشن کے پورے مسودے کو من و عن مطالعہ کیا پھر ایک جامعہ اور پر مغز مضمون بعنوان ”شادی کمیشن کی رپورٹ کا تنقیدی جائزہ“ لکھا جو روزنامہ مارٹک نیوز نمبر 24 اور 27 جولائی 1956ء میں طبع ہوا۔

اس وقت میرے سامنے مذکورہ اصل اخبار نہیں ہے، البتہ اس اخبار سے نقل شدہ مضمون بصورت رف مسودہ موجود ہے، مجھے نہیں معلوم محترمہ شہزادی عابدہ سلطان کون جبری خاتون ہیں، کہاں رہتی ہیں اور اب تک زندہ بھی ہیں یا نہیں؟ البتہ اس ایک منصف نازک خاتون نے جس دلائل انداز میں قرآن و حدیث کا دفاع کیا اور اصل حقائق عوام کے سامنے رکھے وہ قابل تعریف ہے، میرے سامنے اس وقت محترمہ کا پورا مضمون بھی نہیں ہے تاہم ”خزائے احتشام“ سے ٹوٹا پھوٹا مضمون کا جتنا حصہ بصورت رف ملا اسے قابل مطالعہ بنا کر عوام کے سامنے پیش کر رہا ہوں، یہ سب کچھ ”خزائے احتشام“ کے توسط سے ممکن ہو سکا، اللہ تعالیٰ خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کی قبر کو نور سے بھر دے۔ (از: مرتب)

(1) ”ریاست معاشرتی عدل کی محافظ ہے“ (شادی کمیشن رپورٹ)

تنقید:- ہاں، مگر اس نصب العین کو قربان کر کے نہیں جو خود ریاست کی آزادی کے قیام کا باعث ہوا یہ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اور ممالک سے مختلف طور پر پاکستان کا علیحدہ وجود تمام تر اسلام کا مہیون مفت ہے، اس لئے اس ریاست کا فرض اولین ہے کہ اور سب باتوں سے بڑھ کر اس امتیازی نصب العین کی حفاظت اور حمایت کرے جس کی بدولت پاکستان قائم ہوا۔



(2) "اسلام کے قرونِ اولیٰ سے اب تک معاشرتی و اقتصادی زندگی کا نقشہ بہت کچھ بدل چکا ہے۔" (شادی کییشن رپورٹ)

**تفسیر:** لہذا ہمارے پیغمبر کی (نعموہ اللہ) "پاریہ" سنت اور "فرسودہ" تشریحات کی جگہ نئی تعبیرات حق بجانب ہوئیں۔ تاہم یہ نئی تعبیرات قابلِ اعتناء ہوتیں اگر یہ ملکی قوانین کے صرف انہی اجزاء تک محدود رہیں جو ہمارے شرعی حقوق کی پوری حفاظت نہیں کرتے اور اگر ان میں خود قرآن و سنت کے مفہومات کو مسخ کرنے اور ان میں مداخلت کی کوشش نہ ہوتی۔ مگر ہمارے "مصلحت پسین" ہمیں یہ باور کرانا چاہئے ہیں کہ مرد و زمانہ کسی بھی شخص کو یہ حق دیتا ہے اور اس قابل بناتا ہے کہ وہ پیغمبر کی قاسمی کرنے لگے۔ قرآن پاک حمیہ کرتا ہے اور ایسے لوگوں کا بیان ان الفاظ میں کرتا ہے۔ (آیات: 75-78 سورہ بقرہ) اس بات کو بآسانی فراموش کر دیا گیا ہے کہ اسلام زبردستی کی اجازت نہیں دیتا۔

ہم نہ ملکی آئین و قوانین کے باعث مسلمان ہیں اور نہ پاکستان کے بدولت بلکہ اس کے برعکس پاکستان کا وجود ہماری بدولت ہے۔ جب ہم نے ملکی قوانین کے ذریعے اسلام قبول نہیں کیا تو ہمیں بعد کی ترمیمات پر بھی منکک کی قانون سازی مجبور نہیں کر سکتی۔

ہمارے دین کا حسن ہی اسی آزادی میں ہے جو خداوند تعالیٰ نے ہمیں اسلام قبول کرنے یا کسی اور مذہب کی پیروی کرنے کے لئے عطا فرمائی ہے۔ جہاں وہ خود انتخاب کرتا ہے۔ (آیت: 19، سورہ آل عمران) اس کی آخری اور مکمل دستور حیات کی حیثیت سے اس کو ترجیح دیتا ہے اور اس کی سفارش کرتا ہے۔ (آیت: 3، سورہ مائدہ) پھر بھی وہ اپنے کمال رحم سے ہمیں اختیار کی آزادی برقرار رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ "لا اکسراہ فی الدین" یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں (آیت: 256، سورہ بقرہ) "لکم دینکم ولی الدین" یعنی تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین (آیت: 6، سورہ الکافرون) پھر کون ہے جو وحی الہی کے منافی قوانین کی پابندی پر ہم کو مجبور کرنے کے لئے خود خدا سے بڑھ کر اختیار کا دعویٰ کرے اور اسے اسلام قرار دے؟

پاکستان کی آزادی کے لئے جدوجہد اور رضا کارانہ قربانیوں میں ہمیں اسلام کی محض عبادت گاہوں اور عبادت کی ظاہری صورتوں کے تحفظ کی فکر نہ تھی کیونکہ یہ تو دنیا بھر کی غیر مسلم حکومتوں میں بھی خاصی حد تک محفوظ ہیں۔ ہم نے مصیبتیں اس مقصد کے لئے اٹھائیں کہ اسلام کے پورے معاشرتی، اقتصادی اور اخلاقی نظام کو محفوظ رکھ سکیں اور اس پر عمل کر سکیں۔ صرف یہی

بقصد ہے جو قیام پاکستان کی وجہ جواز بن سکتا ہے۔

نہ ہم جدوجہد سوبرس کے قائم شدہ تصورات کو اس نئی "ازم" کے عوض ترک کرنا چاہتے تھے جو ایک ایسے طبقے کی طرف سے پیش کی گئی جن کا علم، اسلام اور رسول پاک کا احترام ان کے بیانات سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔

### ہمیں حقوق العباد سے محروم نہ کیا جائے

یہ کییشن ہمیں اُن بہت سے مذہبی حقوق سے محروم کر دینا چاہتا ہے جو حقوق العباد کہلاتے ہیں اور جو ہمیں بحیثیت مسلمان عطا کئے گئے ہیں۔

پہلا حق یہ ہے: مذہب میں کوئی زبردستی نہیں، دوسرا یہ کہ دونوں صنفوں کے مراتب اور حقوق امتیازی ہیں۔ اس کے بجائے عورت کو برائے نام "مساوات" دینے کی تجویز ہے خواہ وہ ان کے حق میں ذلت آمیز اور تباہ کن کیوں نہ ہو۔ تیسرا حق طلاق ہے: چوتھا تعدد ازدواج۔ "الرجال لوامون علی النساء....." (آیت 34، سورہ النساء) "مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھ کر ہے۔" مرد کی حیثیت کو واضح اور بلند کر دیتا ہے اس بنا پر کہ مرد پر عورتوں اور بچوں کی پرورش کی مقدس ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔

سب سے بڑی غلامی، سب سے بڑی قید، سب سے زیادہ تذلیل اور ناجائز فائدہ اٹھانے کی جو صورت دونوں صنفوں کے لئے قدیم اور جدید تمدن میں موجود ہے وہ اقتصادی انحصار ہے۔ عقل انسانی اس عدل و احسان کے ساتھ عورت کو بچانے اور بلند کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکتی تھی جیسا کہ اسلام نے کیا ہے۔ اقتصادی آزادی دے کر اس کا درجہ مرد سے اونچا کر دیا گیا ہے اور وحی الہی نے مرد کو ایسی ذمہ داریاں قبول کرنے پر مجبور کر دیا ہے جو وہ اور کسی حالت میں قبول نہ کرتا۔

### عورت کو یہ حقوق حاصل ہیں

(الف) اپنے کنبے سے میراث، (ب) اپنے شوہر سے میراث، (ج) مہر، (د) نان و نفقہ، (و) اپنے، اپنے والدین، شوہر یا بچوں یا گھر کے اخراجات کی ذمہ داری نہ ہونا، (و) وہ شوہر کے ضمن حیات میں اس کی جائیداد پر دسترس رکھتی ہے لیکن جب تک وہ زندہ ہے، شوہر اس کی جائیداد کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، (ز) اس کی ازدواجی آزادی اس طرح محفوظ ہے کہ اس کو نکاح کے لئے رضا پسینہ یا نہ پسینے کا اختیار ہے، (ح) حق خلع، (ط) دونوں صنفوں کا یہ حق کہ وہ معاہدہ نکاح میں کسی

ایسی شرط کا اضافہ کر سکتے ہیں جو انکی ذاتی ضروریات کے لئے مخصوص ہوں۔

اسلام کو کوئی کیونکر اور کہاں پہنچ دینے یا اس کی اصلاح کرنے کی جرات کر سکتا ہے؟ اسی معاشرتی اور اقتصادی منطق کے عمل سے جس کی بنا پر طلاق اور کثرت ازدواج پر حملہ کیا جاتا ہے۔ مرد بھی ایسے قانون کا مطالبہ کر سکتا ہے اور کرے گا جس سے وہ مذہبی حقوق ختم ہو جائیں جو عورت اور مہر اور نان و نفقہ اور اپنے شوہر اور والدین دونوں کی میراث کا حق پہنچتا ہے۔ مساوات کی بنا پر عورتوں سے بھی خاگی اخراجات میں نصف نصف حصہ لینے کا مطالبہ کیا جائے گا۔

یہ شرارت ازدواجی اور معاشرتی قوانین تک ہی محدود نہ رہے گی بلکہ ایک مسلمان حکومت کے زیر سایہ کم نظر مذہبی اور سیاسی عطاویں کے اسلام کے مسخ کرنے اور غلط رنگ میں پیش کرنے کی افسوسناک مثال سے یہ اسلام کے ہر گوشے اور تصور میں رخنہ اندازی کرے گی۔

ایک سال ہوا، میں نے مسلمانوں سے بالعموم اور عورتوں سے بالخصوص مخلصانہ اپیل کی تھی کہ جس دین کا وہ اقرار کرتے ہیں اپنے جذبات سے اس کے ساتھ غداری نہ کریں، اور مغرب زدہ آزادی نسواں کے علمبرداروں کی جذباتی غوغا آرائی سے بے نیاز رہنے سے جو دنیا کا خطرناک ٹکس گے اُن کا اندازہ کریں، جنہوں نے نہایت شرارت سے سابق وزیر اعظم مسٹر محمد علی کو اپنی تحریک پر نشانہ بنالیا تھا۔

لیکن لوگوں کو اس کی پریشانی پر اس قدر لطف آتا تھا اور وہ اس کو معزول کرنے کے لئے اس بڑے طریقے کو استعمال کرنے کے نتائج سے اس قدر چشم پوشی کرتے رہے کہ انہیں اپنے مذہب کے حق میں خطرے کا یا تو کم اندازہ ہوا یا اسے نظر انداز کر دیا گیا۔ آج ہم اس کم نظرانہ بے نیازی کا نتیجہ بھگت رہے ہیں، اور اگر اسی طرح کی کاہلانہ نیم دلی جاری رہی تو کل معاملہ بعد از وقت ہو جائے گا۔

(3) ”انسانی تعلقات کے بنیادی اصول جو کتاب مقدس میں بیان کئے گئے ہیں ہمیشہ کے لئے صحیح ہیں“ لیکن ان کی تعبیرات کا بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ تبدیل ہونا لازمی ہے۔“ (شادی کمیشن رپورٹ)

**تسلیط:** یہ بیان ہم اور متغادر رہے گا تا وقتیکہ مجوزہ تبدیلیوں کی تفصیلات کا تجزیہ نہ کیا جائے۔

(4) ”شادی، طلاق، نابالغوں کی ذات اور جائیداد کی تولیت اور وراثت کے قانون اور طرز عمل کو بدلنے کی ضرورت ہے تاکہ عالمی تعلقات میں مزید تحفظ اور استقامت پیدا کی جائے اور بے یار و مددگار کی مدد ہو سکے۔“ (شادی کمیشن رپورٹ)

**تسلیط:** اس بات کے ابہام کو ملاحظہ کیجئے: ”اب اگر احکام اور قوانین سے مراد احکام قرآنی

اور سنت نبوی ہے تو یہ صریحاً اور کھلا ہوا کفر ہے، اور جن لوگوں نے یہ بیان دیا ہے اسلام اور پاکستان کو اب ان کے اس بیان کے بعد کوئی واسطہ نہیں رہ جاتا، اس حقیقت سے بچنے کی اب ان کے لئے ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ وہ اسلام اور قرآن پاک پر حرف گیری کے شائبہ تک سے اپنی بریت کا اظہار کریں۔

فاضل فقہاء کے فتوؤں کا جدید دور کی ضروریات اور بڑھتے ہوئے انسانی علم اور نئے تجربات کی روشنی میں قرآن پاک کی رہنمائی کی مدد سے جائزہ لینا چاہئے۔ یہ امر وہ ہے جس کی نہ صرف یہ کہ اجازت ہے بلکہ یہ ایک فرض ہے جو مسلمانوں کو اس غرض کے ماتحت ادا کرنا ہے کہ اسلامی معاشرہ دور جدید کے تقاضوں کو اپنا سکے، اس کی مومنوں میں فرق نہ آئے اور وہ برابر ترقی کرتا رہے۔

کمیشن کی رپورٹ نے اپنے دائرہ کو مفتیوں کے ان فتوؤں تک ہی محدود نہیں رکھا اور اس کے ثبوت میں قرآن و سنت کے احکام پیش نہیں کئے گئے، کمیشن نے اپنے دائرہ کو ان چند جدید قوانین میں ترمیم و تنسیخ تک بھی محدود نہ رکھا جو ہمارے مقدس حقوق کی پوری طرح نگہداشت نہیں کرتے اس کے بجائے کمیشن نے اپنی رپورٹ میں قرآن و سنت کو براہ راست غلط رنگ میں پیش کیا۔

مختصر طور پر کہا جاسکتا ہے کہ جو اصول 1375 سال سے مسلمانوں کی رہنمائی کر رہے ہیں اور جو قرآن و سنت کی رو سے ہمیں اختیار کرنا ہیں وہ یہ ہیں قرآن پاک اور سنت نبوی میں ایک دوسرے کی تصدیق ملتی ہے یہ ناممکن ہے کہ ان میں آپس میں کہیں بھی تعارض ہو۔

اصول قرآن پاک میں بیان کر دیئے گئے ہیں اور ان پر عمل کرنے کے اسلوب اور ان کی تفسیر سنت رسول میں ملتی ہے۔ رسول کریمؐ نے احکام اسلام کو جس انداز سے نافذ کیا ہے قرآن پاک نے اس کی تصدیق کی ہے۔ صرف قرآن پاک اور سنت رسول ہی الہامی اور سماوی حیثیت رکھتے ہیں اور کوئی فاضل یا غیر فاضل مفتی یا اور کوئی دوسرا مسلمان ان دونوں میں سے کسی کے احکام کو نہیں پشت ڈال کر اپنی من مانی نہیں کر سکتا۔ لہذا سنت نبوی میں احکام اسلام کی جو تفسیر ملتی ہے اس کو کوئی مرد یا عورت بدلنا چاہے تو اس کی اپنی رائے کے جواز میں کوئی سماوی اور الہامی ثبوت پیش کرنا پڑے گا۔ وہ فقہائے کرام جن کی حیثیت مسلم ہے ان کا اسلوب صاف اور واضح ہے ان کی رائے کی ضرورت صرف اس وقت پڑتی ہے جب کہ قرآن و سنت رسول سے متعین اور واضح حکم کی رہنمائی نہیں ملتی۔ کبھی کسی مفتی یا فقیہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس کی رائے وحی کی حیثیت رکھتی ہے نہ وہ یہ اصرار کرتا ہے کہ خواہی نہ خواہی ہر مسلمان کو اس کی رائے لازماً ماننا ہی چاہئے۔ کسی فقیہ کو اللہ

تعالیٰ کی طرف سے کوئی درجہ عطا نہیں ہوا، انہیں کوئی پروانہ خداوندی نہیں ملا ہے۔ آج تک کسی نے یہ بات کہنے کی جرأت نہیں کی کہ وقت گزر جانے کی وجہ سے فقہاء کو احکام اسلام اور سنت رسول میں تغیر و تبدل کا حق رکھتا ہے۔

ہر مسلمان اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ اسلام کی اہمیت کو ثابت کرنے والی حقیقت اس کا ایک دین کامل ہوتا ہے۔ قرآن پاک کے آخری کلام منزل من اللہ ہونے کا ثبوت اسی سے ملتا ہے کہ وہ ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تمام انبیاء و مرسلین میں برتری و ترین نبی ہیں اس کا ثبوت بھی اس حقیقت سے ملتا ہے کہ وہ ایک مکمل انسان کا نمونہ تھے۔ یہ دونوں صفتیں مکمل اور آخری ہونا کسی اصلاح کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتیں باوجود اس کے شادی کمیشن کی رپورٹ کی سفارشات ہم پر نافذ کی جائیں گی۔

پتہ چلتا ہے کہ اسلام کو پس پشت ڈال کر عیسائیت کا نمونہ نظر کے سامنے رکھا گیا ہے۔ یہ عیسائیت ہی کا شیوہ ہے کہ عیسائی پوپ اور دوسرے رہنما اپنی مرضی سے مذہبی احکام میں وقت کے لحاظ سے تغیر و تبدل کرتے رہتے ہیں۔

پوپ کے اختیارات مذہبی کو اپنانے والے ہمارے ان جدید مصلحوں کا علم انگریزی ادب تک محدود ہے۔ اسلام کے متعلق انگریزی میں اب تک جو معلومات منتقل ہوئی ہیں وہ ظاہر ہے عیسائیت کی عینک لگا کر ترجمہ کی گئی ہیں، اب تو ہمیں یہ شہر ہوتا ہے کہ یہ ہمارے جدید مصلح ہمیں عیسائی مسلمان بنانے کی فکر میں ہیں۔

ایسی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ ان جیسوں نے رہا کو حلال قرار دیا اور زکوٰۃ کو غیر ضروری بتایا، زکوٰۃ کے متعلق یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اب حکومت تو ٹیکس وصول کیا ہی کرتی ہے اس لئے زکوٰۃ ساقط ہوگئی، روزہ کے متعلق حال ہی میں ایک مصری صاحب بہادر نے فرمایا کہ اختیاری ہے، نماز کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قرآن میں کہیں پڑھنے کی ترکیب نہیں بتائی گئی۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ وہ جسمانی ورزش جو پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم 14 سو سال پہلے کیا کرتے تھے اب وہ زمانہ ان کے لئے دقیانوسی ہو چکی ہے اور یہ کہ اب نماز پڑھنے کا ثواب اس طرح بھی حاصل کیا جاسکتا ہے جو چاہے کسی فیکٹری میں مشین چلاتے ہوئے یا کسی آسمان و آفتاب موسیقی کی تیار کی ہوئی جاز کی دھن کے سر میں سر ملاتے ہوئے نماز کا ثواب حاصل کرنے کے لئے محض دل میں نماز کی نیت کر لے۔

بدبختی کی بات نہیں ہے کہ جب معمولی مسائل درپیش ہوتے ہیں تو رئیس اور عوام آواز ملا کر اسلام اسلام کے نعرے لگاتے ہیں لیکن جب خود اسلام کو خطرہ پیش آتا ہے تو لوگ اطمینان سے غیر متاثر ہو کے بیٹھے رہتے ہیں۔

ہمارے علماء کو شرم کرنی چاہیے کہ وہ علم فقہ و حدیث کے نکتہ واں ہونے کے باوجود ان معاملات میں خاموشی اختیار کئے رہتے ہیں۔ مسلمان قوم کو بھی شرم کرنی چاہیے کہ اپنے عقیدہ پر نہ فخر محسوس کرتی ہے نہ اس کے اظہار کی جرأت کر سکتی ہے اور مخالف مذہب آوازوں کے مقابلہ کی طاقت بھی نہیں رکھتی بلکہ دین میں اگر مداخلت شروع ہو جائے تو یہ قوم بھیڑوں کے گلے کی طرح بددلائل انداز میں غیر جانب داری اختیار کر لیتی ہے۔

مردوں کو بھی شرم آنی چاہیے جن میں یہ صلاحیت نہیں کہ ان کو خدا کی طرف سے جو حقوق عطا ہوئے ہیں ان کی خوبیوں کو سمجھ سکیں بلکہ اس کے برعکس وہ اس کوشش میں ہیں کہ قرآن و سنت کے احکام کے بارے میں اصلاحات نافذ کریں۔ اسلامی تاریخ ان کو اسلام کو مسخ کرنے والی اور دشمن اسلام جماعت کے نام سے یاد کرے گی۔

(5) ”بڑھتے ہوئے انسانی علم اور وسعت پذیر تجربے کی روشنی میں واجب الاحترام فقہوں کی تشریحات کا مطالعہ از سر نو کرنا ہوگا۔ قرآن کی روشنی میں ان کی تفہیم جدید کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ مسلمانوں پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ مسلم معاشرے کو حالات کے مطابق متحرک اور ترقی پذیر بنائیں۔“ (شادی کمیشن رپورٹ)

**تسلیت:** لیکن فقہاء کی ایسی ذاتی تشریحات تک محدود رہنے کی بجائے جن کی قرآن و سنت سے تصدیق نہ ہوتی ہو حکومت کے ایسے موجودہ قوانین کو تبدیل کرنے یا ترمیم کرنے جو ہمارے مذہبی حقوق کا پورا پورا تحفظ نہیں کرتے شادی کمیشن نے قرآن اور سنت کو غلط انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ اصول جس نے 1376 برس رہنمائی کی ہے اور قرآن و حدیث نے بھی جس کی سفارش کی ہے مختصر یہ ہے: ”قرآن مجید اور رسول اکرم ایک دوسرے کے مصدق ہیں وہ الگ نہیں کئے جاسکتے اور جدا نہیں سمجھے جاسکتے۔“

اصول قرآن مقرر کرتا ہے اور انکی عملی تعبیر یا نفاذ پیغمبر مجہم پہنچاتے ہیں، دوسرے الفاظ میں پیغمبر کی تعبیرات کی تصدیق قرآن سے ہوتی ہے، اسلام میں صرف یہی دونوں سندیں ایسی ہیں جن کو آسمانی اجازت حاصل ہے۔ ان کے خلاف کسی محترم یا غیر محترم فقہ کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں



ہے۔ لہذا جو کوئی بھی حضرت محمد کی تعبیرات کو تبدیل یا ترمیم کرنے کی کوشش کرتا ہے اُسے پہلے ایسی مداخلت کے لئے خداوندی منظوری ثابت کرنی چاہئے۔

(6) مخصوص بیماریوں کے علاج کے لئے مخصوص علاج درکار ہوتا ہے۔ (رپورٹ)

**تفہیم:** غلط معیار ہے، لیکن جس معیار سے مخصوص بیماریوں کے متعلق فیصلہ کیا جا رہا ہے وہ معیار سراسر مغربی ہے اور اسلام کے عائد کردہ اخلاقی قدروں سے اسے کوئی تعلق نہیں، مثال کے طور پر اسلام زنا اور دوسرے جنسی جرائم کو اتنا سخت گناہ قرار دیتا ہے کہ اس کے لئے سزائے موت مقرر کی گئی ہے لیکن کین ثربری کے لاٹ پادری ڈاکٹر جافر کے فی شرک بیان پریس نے اس طرح شائع کیا ہے ”زنا کے جرم کو معاف کر دینا طلاق دینے سے بہتر ہے“ کیا اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مغربی معاشرت جس جرم کو قابل معافی قرار دیتی ہے اسلام اس کی سزا موت مقرر کرتا ہے۔ بتائیے مخصوص بیماری میں اسلام مبتلا ہے یا عیسائیت؟

(7) اسلام میں جن باتوں کی اجازت ہے اس کا سبب یہ ہے کہ انسانی معاشرہ ابھی تک ابتدائی دور میں ہے۔ (شادی رپورٹ)

**تفہیم:** حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جو خدا کے سب سے پہلے نبی تھے، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جو آخری نبی ہیں، بہت سی تہذیبیں عروج پر پہنچ کر فنا ہو گئیں، اس عرصہ میں کئی انبیاء مبعوث ہوئے جنہوں نے آکر انسان کے حالات کو بہتر بنانے کا فرض انجام دیا لیکن ان سب کے باوجود ہر انسانی معاشرہ اپنے ابتدائی دور میں رہا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان کے وجود میں آنے کی تاریخ سے اب تک جتنا عرصہ گزرا ہے اس میں انسانی معاشرہ اتنا آگے نکل گیا ہے کہ اس کے سامنے سنت رسول اللہ ایک فرسودہ نظام معلوم ہوتا ہے۔

معمولی حساب سے کام لے کر ہر شخص کو یہ توقع کرنا چاہیے کہ اسلام جو ہزار ہا سال کی انسانی زندگی گزارنے کے بعد ایک مکمل نظام حیات کی حیثیت رکھتا ہے دنیا کی انتہا تک ہے، ایک ہی طرح قائم و نافذ العمل رہے گا۔ یہ توقع ایک اسلامی عقیدہ کی حیثیت رکھتی ہے لیکن شادی کمیشن کی رپورٹ کا حکم دوسرا ہے۔

(8) اسلام کی طرف سے اگر کوئی رخصت دی گئی ہے اور وہ فرض نہیں ہے اور اب اس رخصت سے لوگ غلط فائدہ اٹھا رہے ہیں تو اس رخصت کو ختم کر دیا جائے۔ (کمیشن رپورٹ)

**تفہیم:** مطلق نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ ایک عام اور مسلمہ قانون اور اصول ہے کہ ایک اجازت

اور رخصت کو ختم وہی ذات کر سکتی ہے جس نے پہلے وہ رخصت دی تھی، جن لوگوں کو رخصت دی گئی تھی ان کو رخصت ختم کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کوئی شخص چاہے تو اپنے ذاتی اختیارات سے کنارہ کش ہو جائے لیکن اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسروں کو بھی مجبور کرے کہ وہ بھی اپنے اختیارات سے کنارہ کش ہو جائیں۔

مرد اگر چاہیں تو انفرادی طور پر بخوشی اپنے اس حق قعدہ ازدواج کو چھوڑنے کا بھی ذکر کر دیں یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بعض عورتیں اپنی رضا و رغبت سے مہر کے مطالبہ سے دستبردار ہو جاتی ہیں لیکن کسی حکومت کو قرآن و سنت کو بالائے طاق رکھ کر اپنی من مانی کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، کسی بھی حکومت کو یہ حق نہیں کہ مسلمانوں سے وہ حق چھینے جو انہیں خدا کی طرف سے عطا ہوئے ہیں، خود بخیر اسلام تک نے اس طرح کے کسی حق کو چھیننے کی ہمت نہیں کی۔ جو بھی اس کام کی ہمت کرے گا وہ خدا کے عذاب سے نہیں بچ سکتا۔ یہ مملکت جمہوری نظام رکھتی ہے اور ہر شہری پر برابر کی ذمہ داری ہے۔

### حضرت عمرؓ اور ایک بڑھیا عورت

تاریخ اسلام کا ایک واقعہ مندرجہ بالا مسئلہ کی مزید وضاحت کرتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دور میں عرب مردوں نے عورتوں کی طرف سے اپنے اس حق کے غلط استعمال کے خلاف احتجاج کیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس حق کو ہی سلب کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ایک بار جمعہ کے روز نماز کے بعد حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو خطاب کیا جس میں عورتوں کو ان کے اس حق کے غلط استعمال پر سرزنش کی اور ارادہ کیا کہ ازدواج مطہرات کے برابر مہر قبول کر لیتا ہر عورت پر فرض کر دیا جائے۔ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ ازدواج مطہرات تمام دوسری عورتوں سے ممتاز ہیں اس لئے اب کسی دوسری عورت کو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ ان کے مہر سے بڑھ کر مہر مانگے۔

جب حضرت عمرؓ نے اپنا خطاب ختم کیا تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ اگر کسی کے پاس کوئی تجویز ہو تو پیش کرے، خاموشی بدستور طاری رہی، ایک دم ایک بوڑھی عورت کی حیر اور کرخت آواز بلند ہوئی ”عمر! ہمارے رسول نے رخصت ہونے سے پہلے ہمارے حقوق کی آخری حدیں نہیں مقرر کی تھیں، کیا تم اس کوشش میں ہو کہ یہ ثابت کرو کہ تم خدا اور رسول سے زیادہ سمجھ اور حاکمیت

رکھتے ہو، اور ہمارے حق میں کاٹ چھانٹ کرنے آگئے ہو۔

حضرت عمرؓ نے کہا ”عمر کا برا ہو، عمر غلیظہ المسلمین ہے اور آج ثابت ہوا کہ اس کی سمجھ بوجھ ایک بوزی عورت کی سمجھ سے فروتر ہے۔“

(9) شادی کی رجسٹری کی سفارش کی جائے (رپورٹ)

**تنبیہ:-** شادی کمیشن کی رپورٹ میں رجسٹری کی جو سفارش کی گئی ہے وہ ایک جزوی تفصیل کی حیثیت رکھتی ہے اور بظاہر یہ کسی اصول سے نگرانی بھی نہیں، اس لئے اس پر بحث کرنا بھی فضول ہے۔ اتنا ذکر کر دینا یہاں ضروری ہے کہ ان پڑھ لوگوں سے جموٹی باتوں پر دستخط حاصل کر لینا ان کی زبانی رضامندی اور شہادت حاصل کرنے کے لئے بہت زیادہ آسان ہے، ایک ان پڑھ کے لئے یہ بھی آسان ہے کہ اس کے اپنے دستخط شدہ کاغذ کی تحریر سے تاواقیت کا اظہار کر دے۔

پاکستان میں پڑھے لکھوں کا تناسب 16% فیصدی ہے، اس لئے یہاں اس سفارش پر زور دینا ذرا قبل از وقت معلوم ہوتا ہے، البتہ زبانی اور تحریری شہادتوں کو ایک ساتھ حاصل کر لینا بہتر ہے۔ طلاق کے معاملے میں کمیشن کی یہ سفارش ناممکن العمل ہو جائے گی۔ طلاق مرد کا وہ حق ہے جس کا اسے کامل اختیار ہے، کمیشن کی اس سفارش کی منظوری سے یہ ممکن ہے کہ مرد اپنی بیوی کو روزانہ زبانی سوطلاقیں دے کر اس کی توہین کرتا رہے لیکن طلاق کی باضابطہ رجسٹری کے معاملہ کو غیر معینہ مدت کے لئے اٹھا رکھے۔

(10) تعدد ازدواج پر پابندی لگائی جائے۔ (کمیشن رپورٹ)

**تنبیہ:-** تعدد ازدواج کے زیر عنوان کمیشن نے پورے دو کالموں میں اپنی مندرجہ ذیل سفارشوں کا ذکر کیا ہے۔

(الف) نکاح طلاق کے لئے جداگانہ عدالتوں کا قیام۔ (ب) تعدد ازدواج پر پابندی۔ (ج) طلاق پر پابندی۔ (د) تعدد ازدواج کے بارے میں کمیشن کی رپورٹ میں تحریر ہے۔ ”قرآن پاک کی طرف سے دی ہوئی رخصت دراصل مشروط تھی جس کا مقصد چند ہنگامی معاشرتی ضروریات کو پورا کرنا تھا۔

قرآن پاک کی دی ہوئی رخصت زمانہ ماضی کا افسانہ نہیں یہ اب بھی بدستور قائم ہے۔ کمیشن نے اگر اس خیال کے ثبوت میں کوئی حدیث یا آیت بھی پیش کر دی ہوتی تو بدواً احسان کیا ہوتا کہ

تعدد ازدواج کی اجازت ہنگامی معاشرتی ضروریات کے لئے دی گئی تھی یا یہ کہ اس رخصت سے اس وقت فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جب کہ پہلی بیوی میں کوئی عیب پیدا ہو جائے۔ اس عیب کو پہلے عدالت میں ثابت کرنا پڑے گا، جب چاہے کسی تیسری پارٹی کی طرف سے یہ رخصت ملے گی۔

گزشتہ سال میں نے جب تعدد ازدواج کا ذکر کیا تو اخباروں نے لیگ رائٹ آف ویمن کی طرف سے میرے بیان کی سخت مذمت چھاپی اور ساتھ ہی دو آیتیں بھی پیش کیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مقدس احکام کے معاملہ میں کسی بیان کو کسی کی ذاتیات تک پہنچانا اور اس کی مذمت کرنے سے مسلمہ حقیقتوں کا بطلان نہیں ہو سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ سورۃ النساء کی دوسری آیت جو لیگ نے پیش کی ہے وہ اس معاملہ سے غیر متعلق ہے۔ اس میں صرف یتیموں کے حق کا ذکر ہے اور بحث یتیموں کے بارے میں نہیں ہو رہی تھی۔ تیسری آیت البتہ تعدد ازدواج سے متعلق ہے لیکن میرے بیان سے اس کا تعلق کیا ہے، یہ بات واضح نہیں ہے۔ میرے اخباری بیان سے اس بات کی تصدیق کی جاسکتی ہے کہ نہ میں نے اس بات کی جرأت کی نہ آئندہ کروں گی کہ قرآن کے احکام پر پردہ ڈالنے کی کوشش کروں۔

میں اپنے پچھلے بیان سے یہ اقتباس یہاں درج کرتی ہوں ”جس بات پر زور دیا گیا ہے وہ بیویوں کے ساتھ عدل اور مساویانہ سلوک کرنا ہے، لیگ کی پیش کی ہوئی تیسری آیت اور میرے حقیر بیانات میں کوئی تضاد نہیں اس لئے مجھے اس بات سے کافی لطف آیا کہ لیگ نے بلاوجہ اس آیت کو شہادت میں پیش کر کے یہ سمجھ لیا کہ اس طرح میرے بیان کی تردید ہوگئی۔“

آج میں پھر زیادہ شد و مد سے پھر وہی بات دہراتی ہوں اور اس پر اضافہ کر کے کہتی ہوں:- کسی انسان میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ اس بات کا اندازہ کر لے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے والے شوہر کا ارادہ بیویوں سے عدل و برابری کا سلوک کرنے کا ہے یا نہیں تاوقتیکہ اس کی شادی کے بعد کی زندگی شروع نہ ہو جائے اور یہ بات ثابت نہ ہو جائے کہ وہ عدل اور برابری کا سلوک نہیں کر رہا، کچھ لوگ مساوات پر کوئی توجہ نہیں دیتے، کچھ اور لوگ عدل و برابری کو بہت اہم سمجھتے ہیں، بہت سی عورتیں خود اس بات کو پسند کرتی ہیں کہ آرام کی زندگی گزاریں اور اپنے شوہروں کی اخلاقی، معاشرتی اور مالی حفاظت سے مستفیع ہوتی رہیں۔ اس بات کا ثبوت خود قرآن سے ملتا ہے، اس کا مین ثبوت یہ ہے کہ حضرت سوداؓ نے اپنے جنسی حقوق سے حضرت عائشہؓ کے حق میں دستبردار ہوگئی تھیں تاکہ بغیر اسلام کی بیوی رہنے کا شرف انہیں حاصل رہے، بجائے اس کے

15 جولائی 1957ء کو مسلمان عورتوں کے حقوق گنتاے ہوئے میں نے کہا تھا: "عورت اور مرد دونوں کو حق ہے کہ ان میں سے جو چاہے معاہدہ نکاح میں اپنی مخصوص انفرادی ضرورت کے پیش نظر جو شرط چاہے شامل معاہدہ نکاح کرے۔"

مجھے امید ہے کہ قارئین کرام اور خود۔ پ۔ ن (لیگ) کی جس محترمہ نے تنقید کی تھی اس کی طرف اشارہ ہے) اس بیان سے مطمئن ہوں گے کہ میں نے کہیں بھی اس بات سے انکار نہیں کیا کہ اسلام میں شادی ایک معاہدہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں نے جس بات کی مذمت کی وہ یہ ہے کہ قرآن اور سنت کو دیدہ و دانستہ طور پر مسخ کیا جا رہا ہے۔ میں نے اس مسلم حکومت کی مذمت کی جو ظاہری طور پر قرآن و سنت کو مسخ کرنے کی ہمت افزائی اس طرح کر رہی ہے کہ اس نے چند اشخاص اس کام کے لئے مقرر کر دیئے ہیں اور یہ وہ اشخاص ہیں جن کی اسلام کے بارے میں معلومات کا قرآن وحدیث سے دور کا بھی تعلق نہیں، ان کے ذہنوں نے اسلام کو چند تحفظات کے ساتھ قبول کیا ہے۔ یہ لوگ یہ بات کہتے ہوئے نہیں ہچکچاتے کہ جو بات دینی عقیدہ کی حیثیت رکھتی ہے اسے ان کے چند مخصوص مقاصد کی خاطر بدل دیا جائے وہ اپنے انسانی قوانین کو قوانین خداوندی کے تحت نہیں لانا پسند کرتے۔

میں نے ان لوگوں کے تسامح کی مذمت کی تھی جو کل اس درجہ جوش میں آ گئے تھے کہ اسلام کی خاطر پاکستان کی ایک جداگانہ مملکت قائم کرنے کے سلسلہ میں اپنی جان و مال قربان کرنے پر آمادہ تھے اور اب جب کہ حدیث و قرآن کو اس طرح مسخ کیا جا رہا ہے تو اسے بیٹھے دیکھ رہے ہیں اس معاملہ سے کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کر رہے اور اب جب کہ اتنا عرصہ گزر گیا ہے۔ میں مولانا احتشام الحق کے رویہ کی بھی مذمت کرتی ہوں جنہوں نے اطلاع کے مطابق 63 صفحہ پر مشتمل ایک کمیشن کی رپورٹ پر ایک اختلافی نوٹ لکھا ہے لیکن آج تک انہوں نے عام مسلمانوں کو اس معاملہ میں اپنی رائے سے آگاہ کر کے کوئی مشورہ نہیں دیا۔

شادی کمیشن کی رپورٹ کی تو بہت اشاعت کی گئی ہے لیکن حیرت ہے کہ رپورٹ کے اس حصہ (خطیب پاکستان کا اختلافی نوٹ) کو کیوں پردہ خفا میں رکھا گیا۔ اس کی اشاعت میں تاخیر کا کیا سبب ہو سکتا ہے۔ م۔ پ۔ صاحب کو اگر میں یہ بتاؤں کہ مولانا احتشام الحق کی طرح ایک دوسری مسلم شخصیت نے میرے بیان کی تائید کی ہے تو کیا یہ بات ان کو مطمئن کر سکتی ہے۔

"صاف ذہن" کا مجھ سے مطالبہ ہے کہ میں یہ بتا دوں کہ میں بحیثیت ایک عورت کے لکھ

رہی ہوں یا مرد کے حقوق کی مدافعت کر رہی ہوں، میں بحیثیت مسلمان کے لکھ رہی ہوں اور جو بات کہہ رہی ہوں جس کے بارے میں مجھے علم ہے اور یقین ہے کہ وہ حق ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ بیگم صاحبہ اس عقیدہ کی نہ ہوں گی کہ حق بات کہنا صرف مرد کے مخصوص اختیارات میں شامل ہے۔ اس مسئلہ میں اپنے علم کے بارے میں یہ عرض کروں گی کہ حقوق نسواں کے متعلق میری دادی مرحومہ نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ والی بھوپال کی تمام تر تحقیقات سے میں نے استفادہ کیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ مجھے بذات خود ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے علما کے لیکچروں کو بذات خود سننے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا پورا پورا موقع ملا۔ میری دادی مرحومہ ان علما کو بھوپال اسی غرض سے مدعو کیا کرتی تھیں۔ حقوق نسواں کے بارے میں جو تلاش و تحقیق میری پردادی مرحومہ نواب شاہ جہاں بیگم کے عہد میں ہوئی اس سے بھی مجھے استفادہ کا موقع ملا، اسی کے ساتھ ساتھ میری پردادی کی والدہ محترمہ نواب سکندر بیگم اور خود ان کی دادی نواب قدسیہ بیگم کے عہد میں جو اس سلسلہ میں تلاش و تحقیق ہوئی وہ سب میرے علم میں آئی اور میں نے ان تمام مسائل پر اچھی طرح عبور حاصل کیا، اس کے علاوہ میرا اپنا حقیر مطالعہ ہے جو باعث اسلامی کے بارے میں آج سے تیس سال پہلے سے شروع ہوا اور الحمد للہ آج تک جاری ہے۔

اوپر جن شخصیتوں کا ذکر ہوا وہ صرف عورتیں ہی نہ تھیں بلکہ عورتیں ہوتے ہوئے حکمران بھی تھیں جس کی وہ حقدار تھیں اور انہیں پورا اختیار حاصل تھا کہ اپنی مرضی سے جیسا چاہتیں اپنی قلمرو میں قانون توڑتی یا بناتیں۔

ان حکمران خاتونوں نے شرع اسلام کو نہیں بدلا تو میں اس کی کیسے ہمت کر سکتی ہوں "صاف ذہن" مجھ سے پوچھتی ہیں کہ مرد کیوں 25، 25 سال تک ایک بیوی کے ساتھ زندگی بسر کر کے دوسری شادی کیوں کر لیتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کا دل چاہتا ہے۔ اس لئے کہ مرد کو بآسانی ایسی دوسری عورت مل جاتی ہے جو اسے باوجود اس کی پہلی بیوی اور عمر رسیدگی کے قبول کرنے پر آمادہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ خدا نے اسے دوسری شادی کی اجازت دی ہے اور صرف شرط یہ لگائی ہے کہ اپنی بیویوں میں عدل سے کام لے۔ آپ ایک مرد کو احکام خداوندی کی سرتاپی پر سزا دے سکتی ہیں لیکن آپ اس سے وہ اجازت وہ رخصت نہیں جہین سکتیں جو اسے خدا نے دی ہے۔ آپ مرد سے درخواست کر سکتی ہیں کہ وہ اپنے حق تعداد ازواج سے دستبردار ہو جائے لیکن فیصلہ آپ دوسروں پر توپ نہیں سکتیں، دوسروں کو اس بات کے ماننے پر آپ مجبور نہیں کر سکتیں۔



ان گورے مردوں کو زندگی کے مسائل سے نہ کوئی سروکار ہوتا ہے نہ ان میں ان کا حصہ ہوتا ہے اس کے برعکس یہ عورتیں معاشرہ میں ذلت و رسوائی کے عنصر کو بڑھا جاتی ہیں اور چند تاجرانہ دے جاتی ہیں۔ قوم کو ان تاجرانہ بچوں کے مصارف کا بار مجموعی طور پر اٹھانا پڑتا ہے اور والدین ان سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں، اسی انداز زندگی کا نام رکھا گیا ہے طاقتور اور وسعت پذیر معاشرتی اقتصادیات! خوش قسمتی سے اسلام نے قوم پر مجموعی طور پر افراد کی بدکرداریوں کا بار نہیں ڈالا ہے، اگر میں قانون وراثت اور جائز و ناجائز پر از روئے اسلام بحث کروں تو اس کے لئے پوری ایک کتاب درکار ہوگی۔

جب کہ ہم مسلمان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے نبی وہ آخری انسان تھے جن پر وحی اتاری جن کا فرض یہ تھا کہ وہ قرآن پاک کی تعلیمات کو عام کریں تو ہم پر یہ بھی واجب ہے کہ ہم ان کی ذات گرامی کو اسلام کا بہتر مفسر اور ترجمان تسلیم کریں۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے لئے اس صورت سے اپنے احترام اور اعزاز کا ثبوت دیں کہ ہم ان کے فیصلوں کو آخری فیصلوں کا درجہ دیں خواہ ہمارے معاشرہ میں چند ایسے افراد موجود ہی کیوں نہ ہوں جو اپنی چند نامعلوم اغراض کی وجہ سے ان کے فرمانوں کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہ کر سکیں۔ اسی وجہ سے پیغمبر کی تعداد ازدواج کی مثال، جس کے بعد انہوں نے اپنے متبعین پر بھی اس سلسلہ میں یہ پابندی نہیں لگائی کہ ان کی تقلید نہ کی جائے، یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس بارے میں قرآن کی طرف سے دی ہوئی رخصت اس لئے نہیں تھی کہ بعد میں منسوخ کر دی جائے، یہ بات اس قرآنی آیت سے ثابت ہوتی ہے۔

ذرا آزادی کے معیار کو ملاحظہ کیجئے کہ کہیں سخت ہنگامی معاشرتی ضروریات کا ذکر نہیں نہ پہلی بیویوں کے عیب گنائے گئے ہیں جو محض اپنے دل کی اختراع ہیں اور کچھ نہیں، اگر پہلی بیویوں کے عیب عدالتوں میں ثابت کئے جائیں گے، تو تعداد ازدواج کو لازمی طور پر دو تک محدود کرنا پڑے گا۔ لیکن پھر چار بیویوں کی اجازت کیوں ہے؟

(11) ”یہ انتہائی نامعقول حرکت ہے کہ افراد کو کھلی اجازت دے دی جائے کہ وہ جب چاہیں دوسری شادی کر لیں اور بعد میں شادی کے بعد..... علاج سوچنے بیٹھیں۔“ (کمیشن رپورٹ)

**تنبہ:** یہاں پھر ظاہر ہوتا ہے کہ کمیشن کے ذہن میں یہ بات ہے کہ تعداد ازدواج کو چار سے گھٹائیں، دو تک محدود کر دیا جائے حالانکہ یہ بات صاف طور پر کہنے سے کمیشن والے اپنی جان بچائے ہیں۔

اس صورت سے یہ کہنا بھی غالباً بجا ہوگا کہ چونکہ جرم اور بد معاملگی کی طرف عام طور پر پاکستان میں رجحان پایا جاتا ہے اس لئے کیوں نہ پاکستان کی 8 کروڑ آبادی کو پہلے ہی سے جیل بھیج دیا جائے اور اس بات کا انتظار نہ کیا جائے کہ پہلے اس آبادی کو مزید جرم کرنے کا موقع ملتا ہے یا نہیں، اس حرکت سے ایک بڑے معاشرتی فساد کا سراٹھانے سے پہلے خاتمہ ہو جائے گا، اس لئے کہ تعداد ازدواج پر پاکستان کی 2 فی صد آبادی عمل کرتی ہوگی لیکن دوسرے جرائم کافی حد تک سب پاکستان میں کمبل زیادہ اور عام ہیں۔

طلاق کی رپورٹ سے کمیشن کا یہ عندیہ معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کی اجازت بغیر عدالت کے فیصلے کے نہ دی جائے، قرآن میں ایسی آیات ہیں کہ جن میں سفارش کی گئی ہے کہ میاں بیوی کے درمیان ثالثی کرنا بہتر ہے تاکہ صلح ہو جائے اور طلاق کی نوبت نہ آئے، لیکن یہ معاملہ عدالت کے سپرد نہیں کیا جاسکتا، عدالت کس بنیاد پر اپنا فیصلہ دے گی جب کہ قرآن پاک میں طلاق کی غیر شرط کھلی آزادی دی گئی ہے جواز ازدواجی زندگی شروع ہونے سے پہلے بھی دی جاسکتی ہے، جب کہ بیوی کے ایسے برے ہونے کے متعلق میاں کو کوئی اندازہ بھی نہیں ہو سکتا۔ سورۃ النساء کی آیت سے بھی طلاق کی کھلی آزادی کی تصدیق ہوتی ہے اس میں کہیں ذکر نہیں کہ پہلے پہل بیوی کو بدلنے کے لئے کوئی جواز پیدا ہو جائے تب دوسری کی اجازت ہو سکتی ہے۔ یہ سارے خیالات مغرب سے درآمد کئے گئے ہیں، اگر کسی کو یہ خیالات بہت زیادہ پسند ہیں تو اسے اسلام کو تو کم سے کم نشانہ تم نہ بنانا چاہئے، اس سے بہتر یہ ہے کہ وہ شخص خود وہ عقیدہ یا مذہب ہی کیوں نہ اختیار کر لے جو دل پسند مواقع بہم پہنچاتا ہے۔

کیا ہر مسلمان عورت اور مرد کا یہ مقدس فرض نہیں کہ وہ اس عقیدہ کی حفاظت ہر ممکن طرح سے کرے، جس پر اس کا ایمان ہے، اس لئے کیا میں یہاں پر زور طریقہ پر ان لوگوں سے متحد ہو جانے کی اپیل کر سکتی ہوں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے دین اور عقائد کو نسخ کیا جا رہا ہے۔ انہیں اپنے کو منظم کر کے اپنے دینی عقائد کی حفاظت کرنا چاہئے اور ان کو مداخلت سے بچانا چاہئے۔ میری حقیر کوشش ان لوگوں کے لئے وقف رہیں گی جو ان کے حق کے راستہ میں کام لینا چاہیں۔ از شہزادی ماہدہ سلطان (بحوالہ مارننگ نیوز، 24 جولائی 1956ء)

# اسلام میں عورت کا عالمی مقام

مخائب: صاحب اعلیٰ السنن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب  
زیر نگرائی: حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی صاحب  
مرتبہ: شعبہ تصنیف جامعہ احتشامیہ کراچی  
ناشر: مکتبہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی

چون حرف بر آید درست از قلم  
مرا از ہمہ حرف گیراں چه غم

ہم ایسی سب کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں  
کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خطبی سمجھتے ہیں

## پس منظر کتاب ہذا

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ اما بعد

زیر نظر کتاب کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ حکومت پاکستان (جنرل محمد ایوب خان) نے بعض تجدید پسند اور لادین افراد کے مطالبے پر 14 اگست 1955ء کو چند افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی تاکہ وہ ازدواجی مسائل و عالمی قوانین کے متعلق سفارشات اور تجاویز مرتب کرے، اس کمیٹی نے ایک ہجرت 51 سوالات پر مشتمل ایک سوالنامہ مرتب کیا اور بغرض جوابات وہ سوالنامہ مختلف النوع اشخاص و علماء کے پاس بھیجا، پھر کمیٹی نے اپنی خواہش کے مطابق عالمی قوانین کے متعلق اپنی تجاویز اور سفارشات کا مسودہ تیار کیا اور بغرض منظوری حکومت پاکستان کی خدمت میں بھیج دیا، حکومت پاکستان (جنرل محمد ایوب خان) نے 2 مارچ 1961ء میں ان فرسودہ، غیر شرعی و غیر اخلاقی سفارشات کو ایک آرڈیننس کے ذریعے قانونی شکل دیدی۔ جس پر علماء و عوام نے خوب احتجاج کیا اور مذمتی مضامین لکھے۔

مذکورہ کمیٹی کے افراد یہ تھے۔ خلیفہ شجاع الدین، میاں عبدالرشید، ڈاکٹر خلیفہ عبدالکیم، ولایت الرحمن، بیگم شاہنواز، بیگم انور جی احمد، بیگم شمس النہار محمود اور خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی۔ چونکہ مذکورہ مسودہ غیر شرعی ہونے کے ساتھ غیر اخلاقی بھی تھا اس لئے حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے اس پر مفصل و مدلل طویل اخلاقی نوٹ لکھا جو متعدد بار ایک کتابی شکل میں بھی شائع ہوا اور ماہنامہ حق نوائے احتشام سمیت مختلف جریڈوں میں بھی طبع ہوا۔ فی الحال یہ اخلاقی نوٹ کتاب ”قوانین عالمی کیشن اور اخلاقی نوٹ“ کا ایک حصہ ہے۔ اس کتاب کی تہذیب عالمی کیشن، اخلاقی نوٹ اور احتجاج علما کی پوری تفصیل ہے جس کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔

مذکورہ فرسودہ عالمی قوانین، غیر اخلاقی ازدواجی مسائل و سفارشات اور خطیب پاکستان کے اخلاقی نوٹ کی طاعت و اشاعت کے بعد ایک کتاب بنام ”اسلام میں عورت کا عالمی مقام“ منظر عام پر آئی، کتاب کے سرورق پر مصنف کا نام ”ممتاز جہاں بیگم صدیقی“ مکتوب ہے، پیش لفظ سید وحید قیس ندوی کا لکھا ہوا ہے، ناشر ”خاتون اکیڈمی کراچی“ ہے، سن اشاعت 1381ھ/ 1961ء ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کسی مسلم خاتون کی لکھی ہوئی کتاب نہیں

ہے بلکہ کسی عیار مستشرق، شاطر وٹمن دین اور عدو شرع متین نے اپنے خیالات فاسدہ و نظریات باطلہ کو شریعت و سنت کی آڑ میں عوام کی سامنے لانے اور بطور قانون نافذ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ یہ غیر شرعی کتاب مکمل طور پر حکومت پاکستان کے نافذ کردہ غیر شرعی عالمی قوانین کی حمایت و موافقت اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے اختلافی نوٹ و دیگر علماء حق کے علمی مقالات (جو عالمی قوانین کی مخالفت میں لکھے گئے تھے) کی مخالفت میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں جبکہ جگہ فقہ اسلامی، فقہائے امت اور ائمہ و علماء پر حد سے زیادہ تنقید کی گئی، آیات و روایات میں تحریف کی گئی، تابعین و ائمہ مجتہدین کے اقوال و اجتہادات کو پس پشت ڈال کر اپنے غلط اجتہادات و باطل قیاسات سے مدعا کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔

جب یہ کتاب منظر عام پر آئی تو علماء دین و بندگان کے ایک عظیم محدث کبیر، شیخ لطیف احمد عثمانی کے فرزند ارجمند، مظاہر علوم سہارنپور کے قائل فخر فاضل، حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے حقیقی بھانجے، حدیث کی مشہور و معروف کتاب ”اعلاء السنن“ کے مصنف، دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار حیدر آباد پاکستان کے سابق شیخ الحدیث، آزاد پاکستان کے جھنڈے لہرانے والے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مولود 13 رجب الاول 1310ھ / ستمبر 1892ء، متوفی 23 ذوالقعدہ 1394ھ / 8 دسمبر 1974ء نے ائمہ مجتہدین، علماء شرع متین اور قرآن و حدیث کے صحیح ترجمان بنتے ہوئے مذکورہ کتاب (اسلام میں عورت کا عالمی مقام) کا رد لکھا اور خوب لکھا۔

یہ صرف رد ہی نہیں بلکہ علوم و فنون کا اصول سرمایہ، اسلامی احکامات کا گمشدہ خزانہ، علماء و فقہاء کا قیمتی اثاثہ اور متلاشیان حق کے لئے مشکل راہ بھی ہے، اگر تاریکیوں میں بھٹکنے والا شخص اسے پڑھ لے تو اسے راہ حق پآسانی مل سکتی ہے۔ حضرت مولانا ظفر عثمانیؒ نے یہ رف مسودہ (بصورت کتاب و مقالہ) 20 رجب الثانی 1381ھ / یکم اکتوبر 1961ء کو تحریر فرمایا، جو مجھے خزانہ احتشام میں انتہائی بوسیدہ اور خستہ حالت میں ملا، اب میں اسے درج ذیل مراحل سے گزرا کر قارئین کرام و علماء عظام کی خدمت میں علمی سرمایہ سمجھ کر پیش کر رہا ہوں: (الف) مسودے میں مکتوب آیات و روایات کی صحت و درستی کے لئے کتب حدیث کی طرف مراجعت کی گئی۔ (ب) مسودہ عنوانات سے خالی تھا اس لئے جبکہ مناسب ذیلی عنوانات درج کر دیئے گئے۔ (ج) کپیڑنگ اور پروف خوانی میں حدود درجہ محنت کی گئی، تاکہ اصل عبارت سامنے آئے۔

(د) اوراق بوسیدہ، صفحات و یک خوردہ، روشنائی و لکھی اور تحریر بصورت رف اجنبی ہونے کی وجہ سے جن مقامات سے استفادہ و انتفاع حدود درجہ مشکل ہو گیا، ان مقامات کے حل کے لئے حدود ممتاز علماء کی طرف رجوع کیا گیا۔ پھر کتب تفاسیر و احادیث کی طرف مراجعت کے بعد ہی وہ مقامات شامل اشاعت کئے گئے۔ پھر ایک رف مسودے کو باقاعدہ کتابی شکل دینے میں جو محنتیں و طعینیں ہوتی ہیں ان کا اعزاز ان حضرات کو ہو گا جو اس کام سے وابستہ ہیں۔ چونکہ اصل رف غیر مطبوع مسودہ خزانہ احتشام میں محفوظ ہے اس لئے یہ مقالہ کسی اور کے پاس ہو نہیں سکتا۔ اگر خزانہ احتشام کی صورت میں علمی اثاثہ میرے سامنے نہ ہوتا اور خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی صاحب خطیب مرکزی جامع مسجد تھانوی و اہل بیتہم جامعہ احتشامیہ جبکہ لائن کراچی کی سرپرستی، نگرانی اور بروقت مدد نہ ہوتی تو آپ اور ہم اس قیمتی علمی سرمایہ سے یقیناً محروم رہتے۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کو اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرمائے، اور یہ کتاب سب کے لئے سبب نجات بنادے۔ ومنہ المستعان و علیہ التکلیل (از مرتب)

### احوال واقعی

بعد الحمد والصلوة خاتون اکیڈمی نے ممتاز جہان بیگم صدیقی کے نام سے ایک کتاب ”عورت کا عالمی مقام“ شائع کی ہے جس کا تعارف سید وحید قیصر ندوی کے قلم سے ہے۔ موصوف نے لکھا ہے کہ ”اس موضوع پر جتنی کتابیں اب تک میری نظر سے گزری ہیں ان میں یہ سب سے بہترین کتاب ہے“۔

اس اندیشے کے پیش نظر کہ جن لوگوں نے کتاب و سنت و فقہ کو باقاعدہ پڑھا، پاپڑھایا نہیں ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے مغالطہ میں نہ پڑ جائیں، آئندہ صفحات میں اس کا تفصیلی جائزہ لے کر حقائق کو بے نقاب کیا گیا ہے۔

قیصر صاحب نے ممتاز جہان بیگم صدیقی کا تعارف ایسا واضح کیا ہے جس سے میرٹھ اور بن کے رہنے والوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ یہ کتاب کسی خاتون کے قلم کا شاہکار نہیں بلکہ کسی شاطر کی فکر کا ثمر ہے۔ اس کتاب کے دیکھنے سے یہ حقیقت بھی سامنے آ جاتی ہے کہ ایک عورت جس کی بیوی ایک رئیس کی نواسی تھی جس کی صلیبی اولاد ذندہ نہ تھی صرف بھائی بیٹے حیات تھے جن کے سامنے شرعاً نواسیوں کو میراث نہیں مل سکتی تھی، عالمی کمیشن رپورٹ کی حمایت پر کمر بستہ ہو گیا، جس میں پوتے، پوتیوں، نواسے، نواسیوں کو صلیبی اولاد اور عصبات کی موجودگی میں



وارث مان لیا گیا ہے، اگرچہ اس کو اس حمایت کی ضرورت باقی نہ رہی تھی کیونکہ رئیس نانائے خیر خواہوں کے مشورہ سے نواسیوں کے نام پر اپنی جائیداد وقف کر دی تھی۔

اور اس طرح نواسیوں کو اس سے کہیں زیادہ مل گیا جو عائلی کمیشن رپورٹ کی بنا پر ملتا مگر شاید اس کو اپنے آئندہ ہونے والے نواسے، نواسیوں کا فکر دامن گیر ہوا ہوگا جس نے اس نام نہاد رپورٹ کی حمایت پر آمادہ کر دیا، لیکن اگر اس کے دل میں خدا کا خوف اور اصول شریعت کا احترام ہوتا تو بجائے اس کی حمایت کے وہ بھی اپنے نواسے، نواسیوں کے لئے وہی کرویتا جو بیوی کے نام پر کیا تھا کہ اپنی کل جائیداد اور مکانات بیٹی اور اس کی اولاد اور اولاد کے نام پر وقف کر دیتا تو بھائی بھتیجے وارث نہ ہوتے، مگر آج کل روٹا تو اسی کا ہے کہ دلوں سے خوف خدا جاتا رہا، قانون شریعت کا احترام بھی قلوب میں نہ رہا، ہر شخص عقلی و حکوسلوں سے دین پر قلم چلانے کو تیار ہے چاہے قرآن مجید طور سے پڑھنا بھی نہ آتا ہو سمجھنا تو درکنار۔

اس تمہید کے بعد ان مقدمات کا بطور اصول موضوعہ کے بیان کر دینا ضروری ہے جن کو اس کتاب میں بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے اور جو شخص اصول ہی کو ٹھکرا دے اس سے فروعات میں الجھتا بے کار ہے، ان اصول کی روشنی میں اس پورے کتابچہ کا لغو ہونا نظرین پر واضح ہو جائے گا۔  
بندہ ظفر احمد مٹانی عفا اللہ عنہ از دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار، 20 ربیع الثانی 1381ھ (ستمبر 1961ء)

## مقدمات اصول موضوعہ

### مقدمہ مساوی

دلائل شرعیہ جن سے احکام معلوم کئے جاتے ہیں چار ہیں۔ (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ (۳) اجماع (۴) قیاس۔ کتاب اللہ سے مراد قرآن کریم ہے جو نقل متواتر سے مصاحف میں اور سینوں میں محفوظ چلا آ رہا ہے۔ سنت رسول سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احوال و افعال مراد ہیں، جو سند صحیح یا حسن ائمہ حدیث کی کتابوں میں مدون و محفوظ ہیں، جن کی صحت یا حسن کے بارے میں حضرات مجتہدین اور محدثین ہی کا فیصلہ مانا جائے گا۔ اجماع سے مراد مجتہدین کا اجماع ہے۔ سب سے زیادہ قوی صحابہ کائنات کے بعد تابعین و تبع تابعین و غیر ہم کا اجماع ہے۔ اور جب کسی مسئلہ میں سلف سے چند اقوال منقول ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ سلف کا اس پر

اجماع ہے کہ ان اقوال سے باہر جانا باطل ہے، پس ان کے اقوال کے علاوہ نئی بات پیدا کرنا جائز نہیں اس کو اجماع مرکب کہا جاتا ہے۔

## مجتہدین کون ہیں اور کون سا قیاس معتبر ہے؟

**تنبیہ** بعض معتزلہ وغیرہ نے دعویٰ کیا ہے کہ اجماع کا ثبوت دشوار ہے، کیونکہ ایک لاکھ صحابہ سے کسی مسئلہ کا منقول ہونا آسان نہیں، انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ سارے صحابہ مجتہد تھے حتیٰ کہ ماعز اہلبی اور غامدیہ کو بھی مجتہدین میں شمار کر لیا جو حد زنا میں رجم کئے گئے تھے اور جس صحابی سے بھی ایک دو حدیث یا ایک دو مسئلہ منقول ہو گیا اسے بھی مجتہد مان لیا گیا اور اس کا لغو ہونا ظاہر ہے۔ علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور علامہ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں تصریح کی ہے کہ مجتہدین اور فقہاء صحابہ کا عدد بیس سے زیادہ نہیں تھا، جن میں خلفاء اربعہ اور عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، زید بن ثابت، معاذ بن جبل، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم زیادہ مشہور ہیں، چند ان کے سوا اور بھی ہیں، باقی صحابہ مجتہد و فقیہ نہ تھے، وہ ان حضرات ہی کی طرف رجوع کرتے اور ان سے ہی فتویٰ لیتے تھے۔

تابعین میں بھی مجتہدین کی مقدار زیادہ نہیں تھی اسی طرح تبع تابعین میں اور ان کے بعد تو مجتہد بہت کم ہوئے اور بجز ائمہ اربعہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے بقیہ مجتہدین کے مذاہب نہ پوری طرح مدون ہوئے نہ محفوظ رہے، اس لئے امت کا اجماع ہو گیا ہے کہ حق ان مذاہب میں منحصر ہے، ان سے باہر جانا جائز نہیں۔ قیاس سے مراد یہ ہے کہ قرآن و سنت میں جس چیز کے متعلق ایک حکم کسی علت کی بناء پر دیا گیا ہے وہی علت دوسری چیز میں پائی جائے تو اس پر بھی وہی حکم لگا دیا جائے جو اصل کا حکم تھا، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی، سونا، گہیہوں، جوا، بھجور، نمک کے بارے میں فرمایا کہ ان میں سے کسی کو اس کی جنس کے عوض بیع کرو تو ہاتھ ہاتھ برابر سرابریج کرو زیادتی رہا (سود) ہے۔ اگر جنس بدل جائے مثلاً چاندی کو سونے سے، گہیہوں کو جوا سے بدل تو زیادتی کی جائز ہے البتہ ہاتھ ہاتھ ہونا ضروری ہے اس پر چاول کو قیاس کیا گیا کہ چاول کو چاول کے عوض بدل جائے تو یہاں بھی برابری کی شرط اور ہاتھ ہاتھ ہونا ضروری ہے کیونکہ حدیث میں جن چھ (۶) اشیاء کا نام لیا گیا ہے ان میں علت رہا اتحاد جنس و قدر ہے اور یہ علت چاول کو چاول سے بدلنے میں بھی موجود ہے۔ قیاس ہر کس و نا کس کا معتبر نہیں، صرف مجتہد ہی کا معتبر ہے جو علوم قرآن و علوم حدیث و اقوال فقہاء سابقین سے پوری طرح

واقف اور قواعد و محاورات عربیت و اسالیب کلام اور معرفت علل احکام و طرق استنباط میں ماہر ہو۔  
محض عقلی قیاس جس کی بنیاد کتاب و سنت پر نہ ہو شریعت میں کوئی چیز نہیں۔ جن آیات و احادیث  
میں ظن و قیاس کی مذمت وارد ہے اس سے وہی قیاس و ظن مراد ہے جس کی بنیاد صرف اپنی ذاتی  
رائے پر ہو کتاب و سنت پر نہ ہو۔

**مقدمہ ثانیہ۔** جو لوگ اجماع و قیاس کو نہیں مانتے ان کا حکم

جو لوگ حدیث کو حجت شرعیہ نہیں مانتے اسی طرح جو فرقے اجماع و قیاس شرعی کو نہیں  
مانتے وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں، چنانچہ خوارج، معتزلہ اور ظاہریہ کے خلاف کو  
قادر اجماع نہیں مانا گیا۔

**مقدمہ ثالثہ۔** اجماع کی مخالفت کرنا کیسا ہے؟

جس مسئلہ پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہو اس کی مخالفت کفر ہے، جس مسئلہ پر تابعین و تبع تابعین  
وغیرہ کا اجماع ہو چکا ہو اس کی مخالفت فسق ہے، اس میں کچھ تفصیل بھی ہے جو کتب اصول سے  
معلوم ہو سکتی ہے، اجماع بلا دلیل نہیں ہوتا، اہل اجماع کے پاس کوئی نہ کوئی نص ضرور ہوتی ہے جو  
اجماع کے بعد ثبوت یا دلالت قطعی ہو جاتی ہے۔

**مقدمہ رابعہ**

**کس صحابی کی تفسیر حدیث مرفوعہ کے حکم میں ہے؟**

جس صحابی کا نزول وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہونا معلوم ہے اس کی  
تفسیر حدیث مرفوعہ کے حکم میں ہے یعنی اس کو تفسیر رسول شائع کیا جائے گا جبکہ اس کا تعلق آیت کے  
شان نزول سے ہو یا ایسی بات سے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے معلوم ہو سکتی ہے، رائے  
اور قیاس کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ (تدریب الراوی، ص ۳۰ و مقدمۃ الاعلام)

**مقدمہ خامسہ۔** کوئی حدیث بحکم متواتر ہے؟

جس حدیث کو قرن صحابہ و تابعین و تبع تابعین میں سب علماء اور فقہاء نے قبول کیا ہو وہ بحکم  
متواتر ہے (احکام القرآن للبخاری) اس کا انکار بعض دفعہ موجب کفر ہے اور فسق سے کسی حال  
میں خالی نہیں۔

**مقدمہ سادسہ۔** صحابی مجتہد کا قول کب حجت ہے؟

جس مسئلہ میں نص موجود نہ ہو اس میں صحابی مجتہد کا قول حجت ہے اس کی وجہ سے قیاس کو  
ترک کر دیا جائے گا اور اگر یہ قول صحابہ میں مشہور ہو گیا ہو اور اس سب نے تسلیم کر کے سکوت کیا ہو تو  
جہور فقہاء کے نزدیک یہ اجماع ہے جس کا ماننا واجب ہے، البتہ اگر صحابہ میں اتفاق نہ ہو بلکہ  
اختلاف ہو تو بعد والے مجتہدین کو اختیار ہے کہ جس قول کو چاہیں لے لیں، لیکن صحابہ کے اقوال  
سے باہر جانا اور نئی شق نکالنا جائز نہیں، کیونکہ وہ اس سے اجماع مرکب سے باطل ہو چکی ہے۔  
(الفتاویٰ مع التلویح، ص ۱۷، ج ۲۔ اعلام الموقعین، ص ۲۸، ج ۱)

**مقدمہ سابعہ۔** حدیث قرآن کی اور فقہ قرآن و حدیث دونوں کی شرح ہے

حدیث قرآن کی شرح ہے اور فقہ حدیث و قرآن دونوں کی شرح ہے۔ قیاس مجتہد کتاب  
و سنت کی مراد کو ظاہر کرتا ہے، ہر کوئی نئی بات پیدا نہیں کرتا، فقہاء کے قول "القیاس مظهر لا  
معبود" کے یہی معنی ہیں۔ سنت رسول اور اسوۂ حسنہ کو الگ کر کے قرآن کا مفہوم صحیح طور پر سمجھ میں  
نہیں آ سکتا کیونکہ سنت اور اسوۂ حسنہ قرآنی احکام کی تعمیل کی اولین اور مکمل ترین شکل تھی، زمانہ کے  
تغیرات کے ساتھ نئے نئے مسائل کے متعلق دینی احکام معلوم کرنے میں اسوۂ رسول پل بھر کے  
لئے بھی ہماری نگاہوں سے اوجھل نہیں رہ سکتا کیونکہ اسلام بحر و نظریہ نہیں بلکہ اپنے ساتھ اسوۂ حسنہ  
اور سیرت رسول کی ٹھوس مثال بھی رکھتا ہے، ٹھوس مثال کو چھوڑ کر بحر و نظریہ ہر زید و عمر کے ہاتھ کا  
کھلونا بن سکتا ہے۔

**مقدمہ ثامنہ۔** اجتہاد کی اقسام اور چند مجتہدین کے نام

اجتہاد کے دو درجے ہیں، ایک اجتہاد مطلق جس کو کامل اجتہاد بھی کہہ سکتے ہیں کہ مجتہد علوم  
قرآن و علوم حدیث و اقوال فقہاء سابقین اور محاورات عربیہ و اسالیب کلام سے پوری واقفیت کی  
ساتھ معرفت علل احکام اور طرق استنباط میں بھی ماہر ہو، یہ درجہ اجتہاد ختم ہو چکا ہے کیونکہ ائمہ  
مذاہب اربعہ نے طرق استنباط کو اس کمال کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ اب نہ اس پر اضافہ ہو سکتا  
ہے نہ کوئی ان سے الگ ہو کر نئے طرق استنباط بیان کر سکتا ہے، دوسرا درجہ اجتہاد مقید ہے کہ علوم  
قرآن و علوم حدیث و اقوال مجتہدین سابقین سے پوری واقفیت کی ساتھ کسی مجتہد مطلق کے بیان  
کردہ اصول و فروع کو سامنے رکھ کر نئے مسائل کے احکام معلوم کئے جائیں، یہ اجتہاد ختم نہیں ہوا۔

مذہب اربعہ مقبولہ کے مقلدین میں ایسے مجتہدین برابر ہوتے رہے ہیں، فقہاء حنفیہ میں امام طحاوی، کرخی، صاحب ہدایہ، جصاص رازی، صاحب البحر، شمس الانور نسفی، ابن الہمام، ابن کمال پاشا پہلے زمانہ میں اور محدث الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مسند الوقت شاہ عبدالعزیز صاحب، تہذیب الوقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور حجت الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور فقیہ الملت مولانا غلیل احمد صاحب سہارنپوری، حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی، امام العصر انور شاہ کشمیری صاحب ہمارے اکابر ہند میں اس درجہ کے مجتہد ہوئے ہیں، اس بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ "اجتہاد مطلق" کا دروازہ اس لئے بند نہیں ہوا کہ اب ویسے دل و دماغ والے پیدا نہیں ہوتے بلکہ اس لئے بند ہوا ہے کہ اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی، ایک زمانہ میں حافظ علوم قرآن و حدیث علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خیال ہونے لگا تھا کہ وہ اجتہاد کے درجہ پر پہنچ گئے ہیں تو علماء مصر نے ان سے کہا اچھا آپ ائمہ کے اصول استنباط کو چھوڑ کر اپنی طرف سے نئے اصول بیان کیجئے اس پر ان کو اقرار کرنا پڑا کہ ان کا خیال غلط تھا۔ ائمہ اربعہ کے اصول سے بہتر کوئی اصول بیان کر سکتا ہے نہ ان پر اضافہ کر سکتا ہے۔

"اجتہاد مقید" کا دروازہ کھلا ہوا ہے، علوم قرآن و علوم حدیث و اقوال فقہاء سابقین سے واقف ہو کر محاورات عربیہ و اسالیب کلام میں مہارت تامہ حاصل کر کے کسی مجتہد مطلق کے بیان کردہ ظلال احکام و اصول استنباط و فروع فقہیہ کو سامنے رکھ کر نئے مسائل کے احکام آج بھی معلوم کئے جاسکتے ہیں اور برابر معلوم کئے جائیں گے، لیکن یہ اجتہاد بھی ایسا سستا نہیں ہے کہ ہر کلرک اور بیرسٹر اور جج اور مولوی فاضل مجتہد بن بیٹھے، جیسا آج کل ہو رہا ہے بلکہ اس کے لئے بھی شرائط ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے، مجتہد مطلق اور مجتہد مقید کے لئے ان شرائط کا ضروری ہونا امت کا متفق علیہ مسئلہ ہے جن پر کتب ائمہ شاہد عدل ہیں ملاحظہ ہو طبقات الفقہاء و الفوائد الحمیریہ و رسوم المفتی وغیرہ۔

### مقدمہ تاسعہ۔ کن صحابہ کی اتباع واجب ہے؟

مسائل شرعیہ غیر منصوصہ میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور بقیہ خلفاء راشدین کی تقلید واجب ہے، حدیث صحیح میں ہے "اتقوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر" اتباع کرو ان دو کا جو میرے بعد (خلیفہ) ہوں گے ابو بکر و عمر "وعلیکم بستی و سنت الحلفاء الراشدین المہدیین عضوا علیہما بالنواخذ" میری سنت اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو لازم سمجھو، اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔ یہ خیال غلط ہے کہ حضرات خلفاء

راشدین نے کبھی کوئی حکم نص کے خلاف بھی دیا ہے جن مسائل میں نص موجود ہے وہ ہمیشہ نص کا اتباع کرتے تھے، مسائل غیر منصوصہ میں البتہ اجتہاد کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق ان کا اجتہاد دوسروں کے اجتہاد سے مقدم ہے۔ "وقال عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما فی خطبہ بمحضر من الصحابة والتابعین الا ان مامن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصاحباہ فهو دین و نستہی الیہ و مامن سواہما فاننا بوجہ" خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے خطاب میں صحابہ اور تابعین کے سامنے فرمایا میں ان کو جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے دور فقیوں (ابو بکر و عمر) نے طریقہ جاری کیا ہے وہ دین ہے اور وہی ہمارا اجتہاد مقصد ہے، ان دو بزرگوں کے سوا جو طریقہ دوسروں نے جاری کیا ہے ہم اس کو پیچھے رکھیں گے۔

### مقدمہ عاشرہ۔ سلاطین کی اتباع کن امور میں لازم ہے؟

خلفاء راشدین کے علاوہ دوسرے امراء و سلاطین و حکام اسلام اگر نماز کے پابند ہوں، شعار اسلام کا پورا احترام کرتے ہوں، ان کی اطاعت صرف امور انتظامیہ میں لازم ہے، امور تشریعیہ میں ان کو دخل دینے کا حق نہیں، ان کے حکم سے امور تشریعیہ میں وجوب و حرمت پیدا نہ ہوگی۔ امام نووی نے ایک دفعہ فتویٰ دیدیا تھا کہ اگر امام کسی دن کے روزہ کا حکم دے تو اس دن روزہ رکھنا واجب ہے، اس زمانہ کے سب علماء نے مخالفت کی اور ان کے فتویٰ کو رد کیا (فیض الباری، ص ۴۷۸، ج ۴) اور امور انتظامیہ میں ہی ان کی اطاعت وقتی ہوتی ہے، جب تک برسر حکومت رہیں گے اطاعت لازم ہے، ان کے انتقال یا معزولی کے بعد اطاعت لازم نہ رہے گی البتہ اگر بعد میں آنے والا حاکم یا امیر دوبارہ وہی حکم دے تو اس کی اطاعت کی جائے گی۔ "تلك عشرة كاملة"

### چند غلط مضامین کی نشاندہی

ان اصول کی تمہید کے بعد کتابچہ مذکورہ کا جواب شروع کرتا ہوں "وباللہ التوفیق" سب سے پہلے اس کے مصنف نے علماء کی غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کی ہے، کہتے ہیں کہ "سب سے پہلی غلط فہمی تو یہ ہے کہ اس قسم کی اصلاحات کو مغرب کی نقالی اور مرعوبیت کا نتیجہ سمجھ لیا جاتا ہے۔" (صفحہ ۱۳)

اس کا جواب خود اس کتابچہ ہی کے ص ۱۸۰ میں موجود ہے، جہاں حکومت کو مشورہ دیا گیا ہے کہ "آرڈیننس میں بعض اصلاحات روٹن لاء سے مستعار لے کر استعمال کی گئی ہیں، حالانکہ ان



کے مترادف الفاظ فقہ حنفی میں موجود ہیں اور لوگ ان سے مانوس ہیں۔

جب کسی قانون میں اسلامی الفاظ کو چھوڑ کر رومن لاء کے الفاظ استعمال کئے جائیں گے تو لامحالہ اس کے پڑھنے والے کو یہ خیال پیدا ہوگا کہ قانون بنانے والے کمیشن نے احکام اسلام کو اسلامی کتابوں سے نہیں بلکہ انگریزی کتابوں سے حاصل کیا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے تو پھر غلط فہمی کیسی؟ رہا یہ کہ پوتے کی میراث کا مسئلہ یورپ میں نہیں اور طلاق کا مسئلہ یورپ نے اسلام سے سیکھا ہے، اس کا جواب ظاہر ہے کہ یورپ نے طلاق کا مسئلہ ہم سے سیکھ کر جو قیدیں اس میں لگائی ہیں وہی صورت کمیشن نے اختیار کی ہے اور پوتے کی میراث میں اجماع امت کی مخالفت کر کے یورپ کے اس نظریہ کی نقالی کی گئی ہے کہ حکومت کو مذہبی مسائل کی تبدیلی کا حق ہے۔ رہا تعدد ازدواج کی تجدید کا مسئلہ یہ بھی سراسر یورپ سے لیا گیا ہے، قرآن کریم سے جس طرح اس تجدید کو غلط طریقہ پر سمجھا گیا ہے اس کی حقیقت آئندہ اوراق میں واضح ہو جائے گی۔

دوسری غلط فہمی یہ دکھائی گئی ہے کہ مقتدر چودہ علماء کرام کو شکایت ہے کہ ”تعدد ازدواج کے معاملہ میں تو ہمارے وزیر قانون وغیرہ کو پابندیاں عائد کرنے کی اس قدر سخت ضرورت محسوس ہوئی لیکن قرآن نے جن برائیوں سے صریح الفاظ میں منع کیا ہے ان میں سے کسی کو قانون کے ذریعہ روکنے کی انہوں نے کوئی ضرورت محسوس نہیں کی“

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ”کسی خاص برائی کے خلاف سرگرم عمل نہ ہونا اس کے لئے وجہ جواز نہیں ہے کہ دوسری برائیوں کے خلاف بھی سرگرمی نہ دکھائی جائے،“ ص ۱۶۔

مگر سوال یہ ہے کہ سب سے پہلے ان برائیوں کا مٹانا ضروری ہے جن کے وجود سے پاکستان کا اسلامی حکومت ہونا محسوس ہو رہا ہے یا ان کا جن کے وجود سے پاکستان کی اسلامیت پر ضرب نہیں پڑتی؟ یقیناً ہر حائل پہلی برائیوں کے قلع قمع کو ترجیح دے گا، یہی مقتدر چودہ علماء نے ارشاد فرمایا ہے۔ ہر مسلمان دل سے یہ چاہتا ہے کہ پاکستان بننے کے بعد اس کی ایسی شان ہوئی چاہیے کہ ہر نو وارو یہ محسوس کرے کہ اب یہاں انگریزی حکومت نہیں بلکہ اسلامی حکومت ہے مگر افسوس ہے کہ کمیشن کو اس کا احساس نہیں، اس نے نکاح و طلاق پر وہ پابندیاں لگا کر جو یورپ میں رائج ہیں پاکستان کی اسلامیت کو آج گرنہیں کیا بلکہ یورپ سے اور زیادہ قریب کر دیا، اس کے بعد بڑے مصومانہ انداز میں کہا گیا ہے کہ

”ہم عبوری دور سے گزر رہے ہیں، آئین و قانون سے محروم ہیں، اس لئے ان برائیوں کی

روک تھام کی جارہی ہے جو متحدہ قسم کی ہیں جن سے دوسروں پر ظلم ہو رہا ہے،“

گویا فاشی، عریانی، مصمت فروشی، شراب خوری، رشوت ستانی، بے ایمانی، بے حیائی، بد اخلاقی ان کے نزدیک متحدہ برائیاں نہیں، ان سے کسی پر ظلم نہیں ہوتا، حالانکہ یہی وہ اسباب ہیں جن سے چوری، ڈکیتی، اغواء، برودہ فروشی، رشوت جیسے جرائم ملک میں پہلے سے زیادہ بڑھ گئے ہیں اور یہی پاکستان میں عیسائیت کو فروغ دے رہے ہیں، اس لئے یہ سب باتیں جو غلط فہمی کے ازالہ میں لکھی گئی ہیں عذر گناہ بدتر از گناہ کی قسم سے ہیں۔

تیسری غلط فہمی ”مداخلت فی الدین“ یعنی دین میں دخل اندازی کے خیال کو بتلایا گیا اور کہا گیا ہے کہ دو صد سالہ انگریزی غلامی کی یادگار کے طور پر ہمارے دماغوں سے اب تک نچوٹیں ہوا، پھر اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ

”لیکن اب پاکستان بن جانے کے بعد..... اگر موجودہ مسلم حکومت مباحات میں ضروریات اور مصالح کی بناء پر اصلاح و تعمیر کی خاطر کوئی پابندی عائد کرتی ہے تو اسے مداخلت فی الدین نہیں قرار دیا جاسکتا“ ص ۳۲۔

پھر نکاح اور طلاق اور پوتے کی میراث کے مسائل کو، ہفتہ میں دو دن گوشت پر پابندی اور قواعد ٹریفک کی پابندی پر قیاس کیا گیا ہے، مگر مصحف کتابچہ کو اسلامی تاریخ پر نظر نہیں، اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ علماء نے سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں بھی سلاطین اسلام کی مداخلت فی الدین کو برداشت نہیں کیا، اکبر بادشاہ نے بیجوگاؤ کو بند کرنا چاہا تھا تو حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مخالفت کی اور بیجوگاؤ کو ہندوستان میں شعار اسلام قرار دیا اور اپنے مکتوبات میں بار بار اس پر زور دیا کہ اس حکم کی مخالفت کی جائے اور بیجوگاؤ کو جاری کیا جائے۔ مصطفیٰ کمال پاشا نے ترک میں اور شاہ امان اللہ خان نے کابل میں ایسی ہی نام نہاد اصلاحات جاری کرنا چاہیں تو علماء نے برابر مخالفت کی۔

حکومت شام نے عورتوں کو انتخابات میں حصہ لینے کا حق دینا چاہا تو علماء نے اس پر سخت احتجاج کیا، کیا ان کے دماغوں پر بھی انگریزی حکومت کی دو صد سالہ غلامی کا ہوا سوار تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ سلاطین و امراء کو ان ہی مباحات میں قانون سازی کا اختیار ہے جو امور انتظامیہ کی قسم سے ہوں اور امور تشریعیہ میں پابندیاں عائد کرنے کا حق نہیں (ملاحظہ ہو مقدمہ عاشرہ)

یہیں سے اس قیاس کی غلطی بھی واضح ہوگئی کہ ہفتہ میں دو دن گوشت پر پابندی لگانا اور

ٹرینک قواعد کا لوگوں کو پابند کرنا وغیرہ مداخلت فی الدین نہیں تو نکاح و طلاق اور پوتے کی میراث جیسے مسائل میں دخل دینا بھی دین میں مداخلت نہیں جواب ظاہر ہے کہ وہ امور انتظامیہ کی قسم سے ہیں اور یہ امور تشریحیہ کی جنس سے ہیں، اس لئے قیاس غلط ہے۔ اس کے بعد علامہ مکی عثمانی کی کتاب "فلسفۃ التشریح فی الاسلام" سے طویل عبارت کا ترجمہ دیا گیا ہے اور حسب ذیل امور کو ثابت کیا گیا ہے جن کی شرح بھی ساتھ ساتھ کروں گا جس کی علامت حرف "ش" ہے۔

### ناقص عبارات کی تشریحات و تنقیحات

کتاب "اسلام میں عورت کا عائلی مقام" کے مصنف نے اپنے نظریات فاسدہ کو ثابت کرنے کے لئے عرب کے ایک عالم دین علامہ مکی عثمانی کی عربی کتاب "فلسفۃ الفشرعی فی الاسلام" کی ناقص عبارات کے تراجم پیش کئے ہیں، صاحب اعلاء السنن علامہ ظفر احمد عثمانی ان ناقص عبارات کی تشریحات، توضیحات و تنقیحات پیش فرما رہے ہیں، حرف "شین" سے تشریح مراد ہے، اب وہ ناقص عبارات اور تشریحات و توضیحات ملاحظہ فرمائیں۔ (از مرتب)

### خلیفہ کو قانون سازی کا حق ہے یا نہیں؟

ناقص عبارت نمبر 1: "خلیفہ یا سلطان نے کبھی بھی قانون سازی سے پہلوچی نہیں کی" ص ۲۵  
 ش: ان کی قانون سازی عموماً امور انتظامیہ تک محدود تھی البتہ خلفاء راشدین مہدیین صاحب اجتہاد بھی تھے، اس لئے وہ امور دینیہ تشریحیہ میں بھی اجتہاد کرتے تھے جو سلاطین صاحب اجتہاد نہ تھے وہ امور تشریحیہ میں فقہاء و مجتہدین کے مشورے پر چلتے تھے۔

ناقص عبارت نمبر 2: "اس قانون سازی کا جواز اور رعیت پر اس کی پیروی کا واجب ہونا کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع سے ثابت ہے۔" ص ۲۵۔

ش: اسی تفصیل کی ساتھ جو دفعہ اول میں بیان کی گئی ہے، اس دفعہ ثانی میں مصنف کتابچہ نے سنت اور اجماع کو حجت مان لیا ہے اس کو ذہن نشین کر لیا جائے، کیونکہ آگے چل کر میراث و طلاق وغیرہ میں سنت اور اجماع دونوں کو پیچھے ڈال دیا اور عقلی دھوکوں سے کام لیا ہے۔

### امیر کی اطاعت کا مطلب

ناقص عبارت نمبر 3: "صحیح حدیثوں میں موجود ہے کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی" ص ۲۵

ش: مگر یہاں بھی ایک قید ہے جس کو مصنف کتابچہ نے حذف کر دیا ہے وہ یہ کہ امراء نماز کے پابند ہوں، صحیح مسلم میں حضرت "ام سلمہ" سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ہمارے اوپر ایسے لوگ بھی حکومت کریں گے جن کی بعض باتیں اچھی ہوں گی کچھ بری ہوں گی۔ صحابہ نے عرض کیا تو کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟ فرمایا نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔ امام نووی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ خلفاء پر خروج کرنا جائز نہیں جب تک وہ قلعہ اسلام میں تبدیل و تعمیر نہ کریں۔ ص ۱۲۸، ج ۲۔

### کیا مسلم خلفاء نے اجتہاد کیا ہے؟

ناقص عبارت نمبر 4: "اسی بات پر اجماع بھی رہا ہے مسلمان خلفاء نے بہت سے مسائل میں اجتہاد کیا ہے اور ان کا اجتہاد بالاتفاق قبول کر لیا گیا اور شریعت اسلامی کا جزو بن گیا۔" ص ۲۶۔  
 ش: خلفاء راشدین مجتہد تھے ان کو امور تشریحیہ میں بھی اجتہاد کا حق تھا جبکہ نص موجود نہ ہو اور دوسروں سے ان کا اجتہاد ہمیشہ مقدم رکھا جائے گا، ملاحظہ ہو "مقدمہ تاسع" بقیہ امراء اور سلاطین کا اجتہاد امور انتظامیہ میں قبول کیا گیا ہے جبکہ کسی نص کے خلاف نہ ہو جیسے وفروں کا قیام و ترتیب، خراج وصول کرنا، قید خانوں، جیلوں کی تنظیم وغیرہ۔

### خلفاء کو تبدیلی احکام کا حق نہیں ہے

ناقص عبارت نمبر 5: "احکام کی تبدیلی کا حق۔ خلفاء نے بعض ایسے احکام کی تبدیلی کرنے میں بھی پہلوچی نہیں کی جوصوص سے ثابت تھے، جبکہ شرعی سیاست یا مصلحت عامہ اس کی نقضی ہوئی۔" ص ۲۷

مثال میں حضرت عمرؓ کا قحط سالی میں چوروں سے حد ساقط کر دینا، موکلۃ القلوب کا حصہ مدقات میں سے ساقط کر دینا، زنا میں شہر بدر کرنے کی سزا موقوف کر دینا بیان کیا گیا ہے۔

ش: یہ دفعہ بالکل غلط ہے، خلفاء کو تبدیلی احکام کا حق ہرگز نہیں اور نہ انہوں نے ایسا کیا، جو مثالیں حضرت عمرؓ کے احکام کی بیان کی گئی ہیں ان میں تبدیلی احکام کا شائبہ ہی نہیں۔ حضرت عمرؓ کا قحط سالی میں چوروں کا ہاتھ نہ کاٹنے کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ کھانے کی چیزیں پڑائیں تو ہاتھ نہ کاٹ جائے، کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ کپڑے، برتن زہور، نقدی وغیرہ چرائیں تو ہاتھ نہ کاٹ جائے گا۔ "ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ" نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے "لا تقطع فی زمن المعصاة" (الجامع الصغیر، ص ۱۷۶، ج ۲) بھوک کے زمانے میں ہاتھ نہ کاٹا جائے، اسی کو

امام احمد بن حنبل اور عبدالرزاق و ابن ابی شیبہ نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ درحقیقہ میں تشریح ہے کہ ایام قحط میں کھانے پینے کی چیزیں چرانے میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا، کیونکہ بظاہر مضطر ہوگا اور ایسی حالت میں کھانے کی چیزیں لینے کی گنجائش ہے، ص ۶۳۰ ج ۳۔

پس یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی رائے سے کسی حکم شرعی کو بدل دیا بلکہ جیسا ابوہریرہؓ باہلیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا ویسا ہی حضرت عمرؓ نے بھی حضور سے یہ حکم سنا تھا اسی طرح ”موکلفۃ القلوب“ کے حصہ کو صدقات سے ساقط کرنا اس لئے تھا کہ ”موکلفۃ القلوب“ باقی رہے تھے، کیونکہ موکلفۃ القلوب وہ ہیں جن کی تالیف قلب کی حکومت اسلام کو ضرورت ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کفار قریش کی طرف داری سے بعض قبائل عرب روکنے کی ضرورت تھی اس لئے ان قبائل کے سرداروں کو تالیف قلب کے طور پر صدقات میں سے بکریاں جانا تھا جب حکومت اسلام کو اس قسم کی تالیف قلب کی ضرورت نہ رہی تو موکلفۃ القلوب باقی نہ رہے۔

جب مسلمانوں کا پورے عرب پر تسلط ہو گیا بلکہ مکہ بھی فتح ہو گیا اور کسریٰ و قیسریٰ کی طرف اسلامی فوجیں پیش قدمی کرنے لگیں تو اب حکومت اسلام کو ان موکلفۃ القلوب کی کیا ضرورت باقی رہی جن کو کفار قریش سے توڑنے کے لئے کچھ رقم دی جاتی تھی؟ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ آج کل صدقات میں غلاموں کا حصہ نہیں رہا، کیونکہ جہاد ہی نہیں ہو رہا تا کہ غلاموں کا وجود ہو، یہی

حضرت عمرؓ کے اس قول کا مطلب ہے ”کیس الیوم المولفہ“ آج کل موکلفۃ القلوب کا وجود نہیں رہا اور صحابہ نے اس پر اجماع و اتفاق کیا، یہ مطلب نہیں کہ موکلفہ کا وجود مانتے ہوئے ان کے حصہ کو ساقط کر دیا گیا، ورنہ لازم آئے گا کہ حضرت عمرؓ نے قرآنی حکم کو بدل دیا کیونکہ موکلفۃ القلوب کا حق

صرف حدیث میں نہیں بلکہ قرآن کی ”سورۃ برأت“ میں موجود ہے اور خلیفہ کو قرآنی احکام کے بدلنے کا حق تو منکر بن حدیث بھی نہیں مانتے۔ رہا حدیث میں تقریب عام (ایک سال کے لئے شہر بدر کرنا) تو حضرت عمرؓ نے کسی حکم کو منسوخ نہیں کیا بلکہ اس کی حقیقت واضح کر دی کہ یہ حدیث کا جزو نہیں بلکہ سیاست اور تعزیر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس سے زجر و جوبہ ہوتی تھی اب اس سے زجر و جوبہ نہیں ہوتی بلکہ ذاتی دوسرے شہر میں جا کر اور بھی آزاد ہو جاتا ہے اس

لئے اب یہ سیاست ضروری نہیں رہی، بلکہ امام کی رائے پر ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہؓ نے بھی حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا ہے، یہی حنفیہ کا مذہب ہے کیونکہ نص قرآنی میں غیر شادی شدہ ذاتی اور زانیہ کے لئے ”جلد مائة“ (سو کوڑے مارنا) حد مقرر کی گئی ہے، حدیث

عمرؓ کی روایت سے ہے کہ ایام قحط میں کھانے پینے کی چیزیں چرانے میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا، کیونکہ بظاہر مضطر ہوگا اور ایسی حالت میں کھانے کی چیزیں لینے کی گنجائش ہے، ص ۶۳۰ ج ۳۔

اس پر زیادتی کرنا اور تقریب عام کو حد قرار دینا اصول کے خلاف ہے اس زیادتی کو سیاست کا رنگ دینا محمول کرنا ضروری ہے۔ ایسی حقیقت کو حضرت عمرؓ نے واضح فرما دیا ہے اس کو تبدیلی حکم دینا اصول سے ناواقفیت کا اقرار کرنا ہے۔

### کس ملک میں کون سا مسلک رائج ہو؟

فصل عبادت فصول 6: شریعت اسلامیہ پر خلیفہ وقت ایک دوسرے پہلو سے بھی اثر انداز ہوا ہے کہ لوگوں کو کسی خاص مسلک یا مخصوص اجتہاد کی پیروی کا حکم کر سکتا تھا۔ ص ۲۷۔

پھر اموی اور عباسی خلفاء کی مثال دی گئی ہے کہ وہ ”ان تمام مذاہب و مسالک کے لوگوں سے جنگ کرتے تھے جو ان کے اور ان کی سیاست کے خلاف ہوتے تھے۔..... فاطمی خلفاء نے مذہب کی حمایت کرتے تھے، ابوبی خاندان کے سلاطین شافعی مذہب کی حمایت کرتے تھے، عباسیوں نے شیعہ امامیہ کی، یمنیوں نے شیعہ زیدیہ کی، وہابیوں نے مذہب حنبلی کی، اور عثمانیوں نے فقہ حنفی کی جانب داری کی۔ (ص ۲۸)“

خلفاء راشدین کو چھوڑ کر دوسرے سلاطین کے طرز عمل سے استدلال کرنا جس قسم کی ذہنیت کا مظہر ہے، حالانکہ درمیان میں یہ بھی ظاہر کر دیا گیا ہے کہ ابو جعفر منصور خلیفہ نے کہا تھا کہ سب لوگوں کو موطا مالک کے اتباع کا حکم دیں، لیکن امام مالکؒ نے ان کو منع کیا کہ اگر کریں (کیونکہ حضرات صحابہ مختلف ممالک میں پھیل گئے تھے اور ہر جگہ کے مسلمانوں نے ان کا اتباع کیا جو ان کے سامنے تھے تو لوگوں کو ان کے طریقہ پر عمل کرنے دو) ہم مقدمہ اٹھائے مٹا چکے ہیں کہ خلفاء راشدین کے بعد دوسرے خلفاء و امراء کی اطاعت صرف انتظامی امور کے لئے ضروری ہے بشرطی امور میں ان کو دخل دینے کا حق نہیں، ناطاعت واجب، بلکہ امور شرعیہ میں ان کا اتباع کیا جائے گا۔ اب اگر کسی مملکت میں ایک ہی مجتہد کا مذہب رائج ہو، اکثریت اسی کی اور سلطان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی مملکت کا قانون عام اس مجتہد کے مذہب پر بنائے اور اگر مقلدین بھی کافی تعداد میں ہوں تو ان کے لئے جدا قاضی مقرر کر دیا جائے۔

چنانچہ ہم کو تاریخ سے معلوم ہے کہ ترکی سلطنت کے زمانہ میں اگرچہ حکومت کا سرکاری مذہب شافعی تھا مگر مصر و حرمین کے ائمہ شافعی اور مالکی فقہاء بھی موجود تھے اور اہل ذمہ کے لئے قاضی کا مستقل باب تو ہمارے فتاویٰ کے اندر موجود ہے۔ اس سے حکومت وقت کے لئے عملی اجتہاد کا حق کس طرح حاصل ہو گیا؟ یہ مسلم ہے کہ اجتہادی مسائل میں سے کسی مسئلہ میں کسی



خاص مجتہد کے قول پر عمل کرنے کا حاکم وقت حکم دیدے تو وہ متعین ہو جاتا ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ مگر اس کے لئے حاکم وقت کا مجتہد ہونا یا فقہائے وقت سے مشورہ کرنا ضروری ہے، سلطنت ترکی کا "المجلة العدلیہ" علماء کی کونسل نے مرتب کیا تھا اسی طرح ققائنی عالمگیری بھی علماء اور فقہاء نے مدون کیا تھا۔

### کیا حنفیہ مشورے کے پابند ہیں؟

حنفیہ نے جہاں یہ کہا ہے کہ قضاء قاضی رافع اختلاف ہے وہاں اس کی بھی تصریح کر دی ہے کہ قاضی کے لئے کیا شرائط ہیں؟ علامہ مہدی نے اقرار کیا ہے کہ خلیفہ اسلامی حکومت کے طریقہ کا پابند ہوتا ہے اور وہ طریقہ معاملات مملکت میں مشورہ کرنا ہے، قرآن کریم میں ہے "و مشاور ہم فی الامر و امر ہم شورئ بینہم" (اس کا مطلب وہی ہے جو بار بار بیان کیا گیا کہ امور انتظامیہ میں شورئ مراد ہے) امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض معاملات میں صحابہ سے مشورہ کیا کرتے تھے اور آپ کے بعد خلفاء بھی امانت دار اہل علم (بعض فقہاء) سے ان مباح امور میں جن کے لئے کتاب و سنت میں تصریح موجود نہ ہوتی تھی مشورہ فرمایا کرتے تھے تاکہ آسان صورت اختیار کی جاسکے (اس کی ساتھ ہی بخاری میں یہ بھی ہے کہ جب کسی کے پاس کوئی نص یعنی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتی تو نص پر عمل کیا جاتا تھا مشورہ پر نہیں)۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کے متعلق خاص طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے فیصلوں اور اجتہادات میں مشورہ پر عمل کرتے تھے، ان کے متعلق سب سے زیادہ مشورہ کرنے کی شہرت ہے۔ (اس کے ساتھ بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ کے اہل شورئ قراء یعنی علماء، فقہاء ہوتے تھے۔ خواہ حجام ہوں یا بوڑھے) جن مسائل میں نص موجود نہ ہو ان میں خود حضرت عمرؓ کا اجتہاد بھی کافی تھا کیونکہ وہ مجتہد تھے اور ان کی تقلید کا امت کو حکم بھی دیا گیا ہے، مگر وہ احتیاطاً اپنے اجتہاد کی ساتھ دوسرے فقہاء کا مشورہ بھی شامل کر لیا کرتے تھے۔ ان کے بعد والے امراء و سلاطین اگر مجتہد نہ ہوں تو ان کو امور تشریعیہ میں اجتہاد کا حق نہیں بلکہ علماء و فقہاء زمانہ سے مشورہ کرنا ضروری ہے، اس کے بعد قیادت کے صالح اور غیر صالح ہونے کی بحث فضول ہے، امور تشریعیہ میں کسی کو دخل دینے کا حق نہیں۔ ضرر عام کو دفع کرنا، مفاسد کو رد کرنا وغیرہ امور انتظامیہ کی حد تک امراء و سلاطین کے اختیارات میں شامل ہے۔ امور تشریعیہ میں اقوال مجتہدین پر عمل ہوگا ان سے

بہر جانا جائز نہیں، اگر فقہ حنفی میں کسی مشکل کا حل نہیں ملتا تو دوسرے فقہاء کے اقوال میں ان کا حل تلاش کیا جائے گا مگر یہ کام بھی علماء اور فقہاء وقت کے مشورے سے ہونا ضروری ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "الحیلة الناجزة" میں مذہب مالکی کے ذریعہ عورتوں کی مشکلات کو حل کرنا چاہا تو خود کتب مالکیہ سے ان کا مذہب معلوم کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مکہ و مدینہ کے مالکی علماء سے استخام کیا ان سے امام مالک کے مذہب کی پوری تحقیق کی پھر اپنے زمانہ کے سربراہ آردہ حنفی علماء کی رائے دریافت کی اس طرح کئی سال کی تحقیق و تدقیق کے بعد "الحیلة الناجزة" کے نام سے کتاب شائع کی گئی۔ عالمگیری کے ارکان میں سب کو معلوم ہے کہ علماء زمانہ میں سے صرف ایک عالم (یعنی مولانا احتشام الحق تھانوی، وضاحت از تنویر الحق تھانوی) کو لیا گیا تھا اور اس کے اختلافی نوٹ کے باوجود غیر اہل علم کی رائے کو ترجیح دیدی گئی۔

رہا یہ کہ "زمانہ کی مشکلات کو تو حل کرنا ہی پڑے گا اگر علماء نے ان کا خود کوئی حل پیش نہ کیا اور دوسرے لوگوں کو ان کا حل پیش کرنا پڑا تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کہاں تک دینی حدود اور مذہبی قیود کے مطابق ہوگا؟" (ص ۴۴)

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ترکی حکومت نے ایک زمانہ میں "المجلة العدلیہ" مرتب کرنے کے لئے علماء کی کونسل مقرر کی تھی اور اس سے پہلے سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے ققائنی عالمگیریہ مدون کرنے کے لئے چالیس مقتدر منتخب علماء کی مجلس مقرر کی تھی اسی طرح حکومت پاکستان کو کرنا چاہیے تو کام بہت عمدگی اور خوبی کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ ویسے ہر عالم فقیر و مفتی اپنی اپنی جگہ پر جتنا اس سے ہو سکتا ہے کام کر رہی رہا ہے مگر ظاہر ہے کہ اس طرح کام کی تکمیل نہیں ہو سکتی، ہر عالم کو نہ تمام مشکلات کا علم ہو سکتا ہے اور نہ وہ تنہا سب کو حل کر سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ حکومت پاکستان اس کے لئے مقتدر منتخب علماء کی ایک کونسل مقرر کرے پھر عمدہ نظام قائم کرے جس کا مطالبہ تقسیم ہند سے پہلے برطانوی حکومت سے بھی کیا گیا تھا جو پورا نہیں ہوا، حالانکہ قاضی شرعی کے بغیر عالمی مسائل کا حل بہت دشوار ہے۔ عالمی عدالتوں کے قانون میں حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہ کی کتاب "الحیلة الناجزة" کو بھی شامل کر دیا جائے تو یقیناً تمام مشکلات بہت آسانی کے ساتھ حل ہو جائیں گی۔ ہر کام طریقہ سے ہی اچھا ہوتا ہے "وانو الیبوت من ابوابہا" بڑھتے پینے سے جو کام بھی ہوگا برا ہوگا اس سے بجائے حل مشکلات کے اور مشکلات بڑھیں گی۔

## احکام اسلام میں فرق مراتب کا لحاظ ضروری ہے

**خلاصہ عبارت نمبر 7:** ”یہ تو ایک حقیقت ہے کہ اسلام میں دین اور سیاست کی کوئی مخلوط نہیں۔ ہر مسئلہ جو پیدا ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی پہلو سے اپنا تعلق مذہب سے بھی رکھتا ہے“ (ص ۳۳)

**ترجمہ:** یہ عجیب مغالطہ ہے جو عام طور سے زبان زد ہو گیا ہے، مگر حقیقت سے اکثر بے خبر ہیں، یہ مسلم ہے کہ ہر مسئلہ کا تعلق کسی نہ کسی پہلو سے مذہب کے ساتھ ہو جاتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مذہب سے تمام مسائل کا تعلق یکساں درجہ کا ہے۔ مذہب میں عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، سیاسیات سب ہی شامل ہیں، مگر کون نہیں جانتا کہ عقائد اور عبادات و اخلاق کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور ان کو دعوت اور تعلیم و تربیت کی راہ سے قوم میں رائج کیا جاتا ہے۔ معاملات و سیاسیات حقہ حکومت اور قانون کے ذریعہ رائج کئے جاتے ہیں، پھر ان میں سے جن امور کے متعلق ٹھوس اور اقوال فقہاء سابقین موجود ہیں ان سے باہر جانا جائز نہیں۔ نئی نئی صورتوں کے متعلق امور تشریعیہ میں علماء و فقہاء کے مشورے سے اور امور انتظامیہ میں تجربہ کار مبصرین کے مشورے سے قانون بنایا جاسکتا ہے اس کا نام مخلوط نہیں بلکہ فرق مراتب ہے۔

مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب نے اپنے اخلاقی نوٹ میں لکھ دیا تھا کہ ”کناح عبادت ہے“ وہاں بھی یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ”مجھ میں نہیں آتا کہ مولانا نے معاملہ اور عبادت میں تعارض کیسے سمجھ لیا؟“ (ص ۱۶۵)

پھر دعویٰ کیا گیا ہے کہ ”مؤمن کا ہر عمل اگر نیک نیتی کے ساتھ کیا جائے تو وہ عبادت ہو جاتا ہے“ یہ بالکل غلط ہے، نیک نیتی سے ثواب مل جاتا ہے، نیت سے عمل عبادت نہیں ہو جاتا اور نہ وضو اور نماز میں فرق نہ ہوگا اور فقہاء کا امور تشریعیہ و امور انتظامیہ میں فرق کرنا لغو ہو جائے گا، امور انتظامیہ نیت نیک کے بعد بھی امور انتظامیہ ہی رہتے ہیں امور تشریعیہ نہیں بن جاتے۔

## کیا علماء وقت کے تقاضوں سے بے خبر ہیں؟

**خلاصہ عبارت نمبر 8:** ”حاملان دین متین کا طبقہ وقت کی ضروریات اور اس کے تقاضوں سے بالکل ہی بے خبر ہے اور وہ بے خبری رہنا چاہتا ہے“ (ص ۳۳)

**ترجمہ:** یہ بھی ایک چلتا ہوا فقرہ ہے جو ہر محفل میں بے تکلف بولا جاتا ہے مگر اس کی تشریح آج تک کسی زبان سے سننے میں نہیں آئی۔ وقت کے تقاضے سے ایک مراد تو یہ ہو سکتی ہے کہ سائنس نے جو

ترقی کی ہے صنعت و حرفت نے جو شکل اختیار کر لی ہے ہم اس کو اپنائیں، بڑی بڑی صنعتیں، زراعت کے جدید طریقے اختیار کریں، انجینئریں، ٹیکنالوجی اور طب کے شعبے میں جو ترقیاں ہو چکی ہیں ہم بھی انہیں اپنائیں اور نئی نئی ایجادات کریں، جدید ترین اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کریں۔

وقت کے تقاضے کے اس مفہوم کا ہر شخص حامی ہے اور اس کی اہمیت اور ضرورت سے کوئی انتہائی احمق ہوگا جو انکار کرے گا۔ خلفاء عباسیہ و اندلسیہ اور سلاطین اسلام نے سن ۱۰۰۰ھ/ 1591ء تک ہر زمانہ میں ان تقاضوں کو اپنایا اور برابر حریف قوموں سے ان چیزوں میں آگے ہی رہے، علماء نے کہیں کبھی اس اسلام کے خلاف احتجاج نہیں کیا بلکہ حکومت کی سرپرستی میں ایک طبقہ نے خود ان قانون میں حصہ لیا اور نام پیدا کیا۔

وقت کے تقاضے کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے ماضی کے دین و عقائد، تہذیب و تمدن اور ثقافت و سیاست سے بس نام کا تعلق رکھیں، نظریاتی اور عملی دونوں حیثیت سے اپنے آپ کو زمانہ کے چلتے ہوئے نظام کے مطابق بدل ڈالیں تو پھر سوال یہ ہوگا کہ یہ تبدیلی کن تقاضوں کے مطابق ہونی چاہیے؟ مغرب کے طریقہ پر، یا روس کے طرز پر؟ یورپ میں بھی برطانیہ کے راستہ پر یا امریکہ کے طور و طریق پر؟

پھر کون کہہ سکتا ہے کہ آج جن چلتے ہوئے نظاموں کو دیکھ کر ہم اپنے دین، تہذیب و تمدن، اخلاق و روایات و تاریخ کو بدل دینے پر آمادہ ہو جائیں گے کل کسی دوسرے اُبھرنے والے نئے نظام کے ہاتھوں وہ ختم نہ ہو جائے گا، اور جو قوم آئے دن بدلتے والے وقت کے تقاضوں کا ساتھ دینے ہی کو زندگی کی ترقی سمجھے گی وہ اس تبدل و تغیر میں اپنی قومی زندگی کو سلامت بھی رکھ سکے گی؟ ہمیں یقین ہے کہ اس دوسرے مفہوم کو وہ بھی غلط سمجھتے ہوں گے جن کی زبان پر صبح و شام یہ الفاظ جاری رہتے ہیں۔ درحقیقت اس دوسرے مفہوم کو اپنانے کا مطلب قومی خودکشی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا، ایسی قوم دنیا کی قیادت کا تصور بھی نہیں کر سکتی بس ہر غالب اور چلتے ہوئے نظام اور تہذیب کی حاشیہ بردار بن کر رہ جاتی ہے۔ وقت کے تقاضوں کا آئے دن تغیر و تبدل اس کی قومی خصوصیات کو ختم کر کے رکھ دیتا ہے اسی کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے اور صحیح کہا ہے۔

حدیث ہے خبر ان است با زمانہ بساز زمانہ یا تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

اکبر حسین مرحوم فرماتے ہیں۔

ناز کیا اس پہ کہ بدلا ہے زمانہ نے جمہیں؟ مرد وہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں

اسلامی قوانین اور اختلافی نوٹ

اسلامی قوانین اور اختلافی نوٹ

اسد ملتانی مرحوم فرماتے ہیں۔

کی مسلمان نے ترقی جو فرنگی بن کر وہ فرنگی کی ترقی ہے مسلمان کی نہیں

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے "لن یصلح آخر هذه الامة الا ما صلح

اولہا" (ترجمہ) اس امت کے پچھلوں کی اصلاح اس راستہ سے ہو سکتی ہے جس سے پہلوں کی

اصلاح ہوئی ہے۔ اس تمہید کے بعد ان مسائل کی تحقیق شروع ہوتی ہے جن میں مصنف کتابچے نے

عالمی کمیشن کی غلط حمایت کی ہے اور وہ چار مسئلے ہیں: (۱) یتیم پوتے کی وراثت (۲) تعدد ازواج

(۳) طلاق (۴) اور نکاح کی عمر۔

### یتیم پوتے کی وراثت

مصنف کتابچہ کو تسلیم ہے کہ "فقہاء اسلام کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ دادا کی موجودگی میں جس

پوتے کا باپ مر گیا ہو وہ وراثت نہیں ہوتا بلکہ اس کے چچا وارث ہوتے ہیں" یعنی دادا کی صلی اولاد

کے سامنے صلی اولاد کی اولاد محروم ہے (ص ۵۲)

جب یہ فقہاء کا متفقہ مسئلہ ہے تو اس کی مخالفت اجماع کی مخالفت ہے جس کی شرعاً کوئی

گنجائش نہیں۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ ص ۵۱)

### مجتہدین کے اجتہادات حرف آخر نہ ہونے کا مطلب

رہا یہ کہ "ائمہ مجتہدین نے اپنے اجتہادات کو کبھی حرف آخر قرار نہیں دیا، انہوں نے تاکید کی

ہے کہ اگر قرآن و سنت سے ہمارے اجتہاد کی غلطی واضح ہو جائے تو ہمارے خیال کو رد کر دو" (ص ۵۲)

یہ وہی مغالطہ آفرینی ہے جس سے اس کتابچے میں کام لیا گیا ہے، گفتگو اجماع میں ہو رہی

ہے اور مجتہدین کے وہ اقوال پیش کئے جا رہے ہیں جو انہوں نے قیاسی مسائل کے بارے میں

ارشاد فرمائے ہیں جو دلائل شرعیہ میں چوتھے نمبر کی دلیل ہے۔

اصول فقہ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ اجماع تیسرے نمبر کی دلیل ہے اور وہ بہر حال

قیاس و اجتہاد سے مقدم ہے۔ اجماع کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ بعد والوں کو اس کی

مخالفت جائز نہیں بلکہ بعض دفعہ موجب کفر ہے اگر مصنف کتابچہ کو ہمت ہے تو صحابہ اور تابعین میں

سے کسی کا قول اس اجماع کے خلاف دکھلائے ورنہ اس کے عقلی و حکوکلے ردی کی ٹوکری میں ڈال

دینے کے قابل ہیں۔

ہم تھلا چکے ہیں کہ اجتہادی مسائل میں بھی ائمہ اربعہ کے اقوال سے باہر جانا جائز نہیں اور

اجتہاد کا ہر ایک کو حق نہیں بلکہ اس کے لئے کچھ شرائط ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے، ملاحظہ ہو مقدمہ نمبر

۸۔ بالاجماع سوائے سنت والجماعت کے نزدیک اجماع کے خلاف کسی کو لب کشائی کا حق نہیں، یہ

خوارج اور شیعہ کا شیوہ ہے جن کی پیروی منکرین حدیث کر رہے ہیں، ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ

میراث کے اکثر مسائل اجماعی ہیں اور اجماع بجائے خود دلیل قطعی ہے جس کو ائمہ اصول نے اچھی

طرح ثابت کر دیا ہے۔

### بیٹے کے سامنے پوتے کا محروم ہونا اور جمع بین الحقیقۃ والمجاز

تفسیر مظہری میں مسئلہ مذکورہ کے متعلق فرمایا ہے "واذا كان للولد الذكر عند الانفراد

جميع المال يحجب مع ولد ذكر صلبی اولاد الابن ذکورا کاتوا او اناثا او

محتصلین بالا جماع (ج ۲، ص ۲۴)" جب انفرادی حالت میں بیٹا پورے مال کا مستحق ہوتا

ہے تو صلی بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے، پوتیاں بالا جماع محروم ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد

مصنف کتابچہ کی یہ بحث کہ بیٹے کے سامنے پوتے کا محروم ہونا دراصل اس مسئلہ پر مبنی ہے کہ پوتا

اولاد کے مفہوم میں براہ راست داخل نہیں، پھر امام ابو بکر جصاص رازی کے قول سے اس کا ثبوت

دینا کہ لفظ "اولاد" پوتوں کو بھی شامل ہے البتہ صلی اولاد پر اس کا اطلاق حقیقتاً ہے اور پوتوں پر

مجازاً۔ پھر اس پر یہ اشکال کرنا کہ اس صورت میں بیک وقت حقیقت و مجاز کا جمع کرنا لازم آئے گا

اور امام جصاصؒ کے اس جواب کو کہ دو (۲) مختلف حالتوں کے اعتبار سے ایک لفظ دو مختلف معنوں

میں مستعمل ہو سکتا ہے، کمزور بتلانا محض باطل اور لغو ہے۔ امام جصاص رازی کرتبی اور طحاوی کی

طرح مجتہدین مذہب میں شمار کئے گئے ہیں، ایسے لوگوں کا ان کے منہ آنا جن کو قرآن صحیح پڑھنے اور

عربی صحیح بولنے اور لکھنے اور شعراء عرب کا کلام سمجھنے کا بھی سلیقہ نہ ہو بجز شوش چشمی اور دیدہ دلیری

کے اور کیا ہے؟ عربی کا مشہور مصرع ہے۔ علفۃ تبنا وما باردا (میں نے اس کو چارہ دیا مجھوسا

اور ٹھنڈا پانی، یہاں "علفۃ" کو دو معنوں کے اعتبار سے دو مختلف معنوں "اطعمت" و

"سقییت" میں استعمال کیا گیا ہے۔)

بخاری میں ہے "وکان ابن الناطور صاحب ایلیاء وهرقل اسقف اعظمی نصاری

شام" ابن الناطور صاحب ایلیاء وهرقل نصاری شام کا بڑا پادری۔ (یہاں لفظ صاحب کو ایلیاء کے

اعتبار سے بمعنی والی اور هرقل کے اعتبار سے بمعنی دوست استعمال کیا گیا ہے) اس لئے جصاص کا



جواب کمزور نہیں، اس کو کمزور کہنے والا ہی محاورات عرب سے جا ملے ہے۔ پھر جس طرح لفظ "ولد" پوتوں کو شامل ہے لفظ "اب" بھی تو دادا کا شامل ہے، پھر باپ کے ہوتے ہوئے دادا کیوں محروم ہے؟ اس کے بعد وصیت کے مسئلہ سے مغلطہ دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ

"اگر کسی نے یوں کہا کہ میں نے اپنی تہائی مال کی فلاں فلاں (زید و بکر) کی اولاد کو وصیت کر دی ہے ان میں سے ایک کی تو صلیبی اولاد موجود ہے اور دوسرے کے پوتے موجود ہیں تو اس وصیت میں ایک فلاں کی صلیبی اولاد کو اور دوسرے کے پوتوں کو وصیت سے حصہ دلایا جائے گا۔" (ص ۵۵)

یعنی بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا محروم نہ ہوا مگر سوال یہ ہے کہ اگر وصیت ایک شخص ہی کی اولاد کے لئے ہو اور اس کے ایک بیٹا ہے اور ایک پوتا دوسرے بیٹے سے ہے جو موسیٰ لہ کے سامنے مر گیا تھا تو وصیت کس کو ملے گی؟ کیا کسی فقیہ نے اس صورت میں بھی پوتے کو مستحق وصیت قرار دیا ہے؟ اگر نہیں تو جس صورت سے مغلطہ دیا گیا ہے وہ محل نزاع ہی نہیں۔ اگر وہ شخص مر جائیں ایک کے بیٹے ہوں دوسرے کے پوتے ہوں وہاں کون کہتا ہے کہ دوسرے کے پوتے وارث نہ ہوں گے؟ اسی طرح جب زید و بکر کی اولاد کے لئے وصیت کی گئی ہے اور زید کے بیٹے ہیں اور بکر کے پوتے ہیں، بکر کے پوتوں کو وصیت سے حصہ ملے گا کیونکہ اس کی اولاد میں پوتوں کو بھجوب (محروم) کرنے والا کوئی نہیں، دو شخصوں کی اولاد کے لئے وصیت کا حکم وہ ہے جو دو شخصوں کی موت کا ہے اور ایک شخص کی اولاد کے لئے وصیت کا وہ حکم ہے جو ایک شخص کی موت کا ہے، دونوں کو غلط کر دینا اور ایک دوسرے پر قیاس کرنا علم نہیں بلکہ جہل ہے۔ تفسیر مظہری میں اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ صلیبی اولاد نہ ہونے کی صورت میں پوتوں کا وہی حکم ہے جو صلیبی اولاد کا ہے "اجمعوا علی ان اولاد الابن لہم حکم اولاد الصلب عند عدم الولد (ص ۲۴، ج ۲)" اس کے بعد حقیقت اور مجاز کی بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اہل اجماع سے زیادہ کلام عرب کے محاورات کو جاننے والا اور قرآن و حدیث کا سمجھنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ مصنف کتابچے نے مسئلہ وصیت کو بغیر سمجھے اتنا طول دیا ہے کہ چند صفحات لکھ مارے اور نقشے پر نقشے بناتا چلا گیا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ "یک من علم رادہ من عقل باید" پھر کہا گیا ہے "اس بات کی دلیل کہ ولد کا لفظ صلیبی اولاد اور پوتوں کے لئے حقیقی معنی میں ہی مستعمل ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ جس میں آدمی پر اس کی بہو کو حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے "وحلاللہ من الذین کم ازواجکم" اور تمہارے ان بیٹوں کی بیٹیاں

بھی تم پر حرام جو تمہاری صلب سے ہوں اور اس آیت سے منفعہ طور پر یہ سمجھا گیا ہے کہ پوتے کی بیوی بھی حرام ہے، لہذا یہاں پوتوں کو صلیبی بیٹوں میں شمار کر لیا گیا ہے" (ص ۶۰)

پھر حیرت ظاہر کی گئی ہے کہ "یہاں تو بالافتقار تمام ائمہ پوتوں کو صلیبی اولاد بنا ڈالتے ہیں اور جب وراثت دینے کا وقت آتا ہے تو ان کے اولاد ہونے سے بھی انکار کر دیتے ہیں، اسے آخر کیا کہا جائے؟" (ص ۶۱)

جواب یہ ہے کہ اسے تمہارا جہل کہا جائے گا کہ علم خاک نہیں اور دعویٰ ایسا کہ فقہاء و مجتہدین کے منہ لگتے ہیں۔ یا اس کو تمہارا عارفانہ کہا جائے گا کہ جان بوجھ کر عوام کو مغلطہ دیا جا رہا ہے، اگر تفاسیر کو دیکھ لیا جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ اس آیت سے جس طرح پوتوں، نو اسوں کی بیویاں حرام ہوئی ہیں اسی طرح ائمہ کے نزدیک رضاعی بیٹوں، پوتوں کی بیویاں بھی حرام ہو گئی ہیں تو کیا ان کو بھی صلیبی اولاد کہا جائے گا؟ پس یہاں بطور عموم مجاز کے "ابناء" سے مراد نبلی اولاد ہے، حقیقت یہ ہے کہ "ابناء کم الذین من اصلاہکم" کا حقیقی مصداق تو صلیبی بیٹے ہی ہیں مگر اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ یہاں "من اصلاہکم" کی قید صرف حتمی کی بیویوں کو خارج کرنے کے لئے بڑھائی گئی ہے کہ جابلیت میں ان کو بھی صلیبی بیٹوں، پوتوں کی بیویوں کی طرح حرام سمجھتے تھے۔

"قال فی المظہری "وحلاللہ من الذین کم" یشتمل بعموم المحاز الفروع من ابناء الابناء والبنات وان بعدوا "الذین من اصلاہکم" (ای من نسلکم) عرج بهذا القید المتین فانہم کانوا یطلقون الابن علی المتبنی ولو محازا ثم ذکر الروایات فی نزول الآیۃ حین نکح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرأۃ زید بن حارث ونزلت "وما جعل ادعیاء کم ابناء کم" ونزلت "ماکان محمد ابا احد من رجالکم" واما ابن الابن وابن البنت ہو واسطۃ او بلا واسطۃ فلم یخرجوا بهذا القید لانہما من الاصلاب ولو بالواسطۃ لان المراد النسل بطریق عموم المحاز واما الابن بالرضاع وفروعه فانہم وان خرجوا بهذا القید لکن حرمة حلالہم ثبتت بنص الحدیث المشہور وعلیہ "اتعقد الاجماع" (ص ۶۲، ج ۲) "اس میں تصریح ہے کہ پوتے اور نو اسے کی بیٹیاں "حلاللہ من الذین کم" میں عموم مجاز کے طور پر داخل ہیں اور "الذین من اصلاہکم" سے بالا جماع یہاں نسل مراد ہے کیونکہ اس قید سے حتمی کی بیوی کو نکالنا مقصود ہے اور پوتا اور نو اس نسل میں داخل ہے، حتمی نسل میں نہیں، پس یہ دعویٰ غلط ہے کہ پوتے کو حقیقی معنی میں صلیبی اولاد شمار کیا گیا ہے بلکہ عموم مجاز کے طریقہ سے "ابناء" میں شامل کیا گیا ہے۔

## اگر متوفی کسی کا اقرب ہو تو وارث بھی اس کا اقرب ہوگا

اس کے بعد عقل و نقل دونوں کے خلاف یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ”در اصل وہ کلیہ ہی صحیح نہیں کہ متوفی کسی کا اقرب ہو تو وارث بھی اس کا اقرب ہوگا“ (ص ۶۲)

دنیا جانتی ہے کہ اقرب و بعد ”مقولہ اضافت“ سے ہے جب ایک شے دوسرے سے اقرب ہے لاحالہ دوسرا بھی اس سے اقرب ہوگا، یہ زالی منطبق آج ہی سنی گئی کہ ایک تو دوسرے سے اقرب ہو مگر دوسرا اس سے اقرب نہ ہو، پھر اس پر یہ نتیجہ مرتب کر لیا گیا کہ قرآن میں ورثہ کے لئے قریب ترین ہونے کا کوئی ذکر نہیں بلکہ ”قرآن کریم نے اقربوں کا لفظ متوفیوں کے لئے استعمال کیا ہے ہمارے فقہاء نے اسے ورثہ پر چسپاں کر لیا الخ“ (ص ۶۲)

میں کہتا ہوں ہر عاقل و عی کے گا جو فقہاء نے کہا ہے، مصنف کتابچہ کی منطق کو عقلاً ہرگز نہیں مان سکتے، کوئی بے وقوف ہی مان سکتا ہے، پھر فقہاء نے جو کچھ کہا ہے وہی حدیث میں وارد ہے ”ابداء بنفسک و ابداء بمن تعول“ اول اپنے اوپر خرچ کرو پھر ان پر جن کا نفقہ تم پر واجب ہے، نیز حدیث میں ہے ”الحقو الغرائض باهلها فما بهت الغرائض فلا ولی رجل ذکر منه“ متفق علیہ من حدیث ابن عباس (ص ۲۳، ج ۳ مظہری) پہلے اہل فرائض کو ان کے حصے دے دو، فرائض والوں سے جو باقی رہے وہ قریب ترین مرد کو دیا جائے، یہ حدیث صحیح ہے جس کو تمام صحابہ و تابعین نے قبول کیا ہے اور تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے جس کی مخالفت جائز نہیں۔ (ملاحظہ ہوا ولی و مقدمہ خلاصہ)

معلوم ہوا کہ اہل فرائض کے بعد عصبات ہیں ”الاقرب فالاقرب“ کا قاعدہ فقہاء نے اپنی رائے سے مقرر نہیں کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی خود یہ قاعدہ مقرر فرمایا ہے اور یہ حدیث متواتر ہے۔ مصنف کتابچہ تسلیم کرتا ہے کہ ”یتیم پوتے کی صورت میں دادا تو اس کا اقرب ہے کیونکہ دادا اور پوتے کے درمیان واسطہ باقی نہیں رہا، مگر بیٹے کے مقابلہ میں پوتا دادا کا اقرب نہیں ہوتا“ ص ۶۲۔ تو پھر ارشاد رسول کے مطابق دادا کا وارث اس صورت میں بیٹائی ہوگا پوتا نہ ہوگا، کیونکہ وہ اقرب نہیں ہے۔

## بیٹی کو آدھا اور پوتی کو چھٹا حصہ کیوں ملتا ہے؟

رہا یہ کہ ”جب کوئی شخص ایک لڑکی اور ایک پوتی چھوڑ کر مر جائے تو بیٹی کو آدھا حصہ ملتا ہے اور

پوتی کو چھٹا حصہ ملتا ہے باقی عصبات کو مل جاتا ہے۔ یہاں پہ اصول نوٹ کیا صلی بیٹی نے پوتی کو حردم نہیں کیا“ ص ۶۳۔

یہ دعویٰ غلط ہے کیونکہ پوتی کو بیٹی کے برابر حصہ نہیں دیا گیا، بیٹی کو آدھا اور پوتی کو چھٹا دیا گیا ہے اس سے اصول کیونکر ٹوٹا؟

قاعدہ جب ٹوٹا کہ پوتی کو بیٹی کے برابر کر دیا جاتا، ایک بیٹی کا آدھا حصہ ہوتا ہے، اس سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ اس کو پورا مل گیا پھر چونکہ پوتی بھی ایک واسطہ سے بیٹی ہے اس لئے اس کو چھٹا حصہ دیکر دو بیٹیوں کا دو تہائی پورا کر دیا گیا ”تکملة للثلثین“ بھی میراث کا ایک اصول ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ”قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للبت النصف ولائۃ الابن السدس تکملة للثلثین وما بقی فلالخت متفق علیہ۔ قال الشافعی ولا یورثن مع الصلیتین للاحراز هما تمام الثلثین لان یكون بحذاءہن او اسفل منہن غلام فیعصبہن۔ ج ۲، ص ۶۴“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس صورت میں کہ میت نے ایک بیٹی، ایک پوتی، ایک بہن چھوڑی ہو) یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ بیٹی کو آدھا اور پوتی کو چھٹا حصہ دیا جائے دو تہائی پورا کرنے کے لئے اور باقی بہن کو دیا جائے، متفق علیہ۔ اور اگر صلی بیٹیاں دو ہوں تو پوتی کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ دو بیٹیوں نے دو تہائی پورا لے لیا ہے، البتہ اگر پوتی کے ساتھ یا اس سے نیچے پوتا یا پڑ پوتا ہے تو وہ اس کو حصہ بنا دے گا (کہ دو بیٹیوں کو دو تہائی دے کر باقی پوتی اور پوتے یا پڑ پوتے کو دیا جائے گا۔ مظہری، ج ۲، ص ۶۳) اس کو اصول کا ٹوٹنا نہیں کہتے، مگر جس شخص کو حدیث رسول ہی سے انکار ہو اس کی عقل میں یہ بات کیونکر آئے کہ پوتی کسی وقت حصہ بھی بن جاتی ہے اور بیٹی کے ساتھ پوتا اس لئے وارث ہوتا ہے کہ بیٹی نصف یا دو ٹکٹ سے زیادہ کی حقدار نہیں اور باقی حصہ کا حق ہے اور پوتا حصہ ہے اور وہ پوتی کو بھی حصہ بنا دیتا ہے۔ نہ اس کی کچھ میں یہ بات آتی ہے کہ ”تکملة للثلثین“ بھی ایک اصول ہے۔

## بیٹے کی موجودگی میں دادا کو چھٹا حصہ کیوں ملتا ہے؟

اس کے بعد وہ اس پر تعجب ظاہر کرتا ہے کہ ”اگر پوتا مر جائے اور اس کا بیٹا بھی موجود ہو تو اقرب کے ہوتے ہوئے بھی دادا کو ورثہ مل جاتا ہے۔ یہاں اقرب (بیٹے) کے ہوتے ہوئے بھی دادا چھٹا حصہ لے جاتا ہے“ (ص ۶۵)

مگر یہ تعجب اسی کو ہوگا جو حدیث کو نہیں مانتا۔ حدیث صحیح متواتر میں صاف کہہ دیا گیا ہے کہ

پہلے اہل فرائض کو حصہ دیا جائے باقی حصہ اقرب کو دیا جائے "الاقرب فالاقرب" کا اصول عصمت میں ہے اہل فرائض میں نہیں اور ظاہر ہے کہ باپ اہل فرائض میں سے ہے، باپ نہ ہو تو دادا اس کی جگہ اہل فرائض میں سے ہے اس کو چھٹا حصہ پہلے دیا جائے گا اس کے بعد عصمت میں "الاقرب فالاقرب" کے لحاظ سے ترکہ تقسیم ہوگا۔ ص ۶۶ پر حافظ محمد اسلم جیراج پوری مرحوم کے مضمون "محبوب الارث" کا حوالہ دے کر مصنف کتابچہ نے اپنا بھانڈا پھوڑ دیا ہے کہ وہ جماعت منکرین حدیث سے تعلق رکھتا ہے جس کے سرخیل ایک وقت میں حافظ محمد اسلم جیراج پوری تھے۔ جو نہ حدیث کو حجت مانتے تھے نہ اجماع کو اور میں بتلا چکا ہوں کہ یہ لوگ جماعت اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں، یہ اپنے عقلی ڈھکوسلوں سے اصول اسلام کو بدلنا چاہتے ہیں۔

### بیٹیوں اور پوتوں میں کوئی فرق نہیں

ص ۶۶ سے ص ۷۲ تک علماء کے اعتراضات کا جواب ان ہی خرافات سے دیا گیا ہے کہ (۱) قرآن میں متوفی کے لئے اقرب ہونے کی قید ہے وارث کے لئے نہیں۔ (۲) قرآن کی تصریح کے مطابق صلیبی بیٹیوں اور پوتوں میں کوئی فرق نہیں، یہی وجہ ہے کہ صلیبی بیٹی کی بہو خسر پر حرام ہے پوتہ بھی اسی طرح حرام ہے، ان سب کی نفویت ہم ظاہر کر چکے ہیں کہ ایک کا اقرب ہونا دوسرے کے اقرب ہونے کو مستلزم ہے اور حدیث صحیح متواتر میں اس کو صراحۃً واضح کر دیا گیا ہے اور "حلال ابناء کم" میں "من اصلابکم" سے "نسلکم" مراد ہے، کیونکہ اس سے فقط حتمی کی بیوی کو مستثنیٰ کرنا مقصود ہے ورنہ بطور عموم مجاز کے اس سے رضاعی بیٹے پوتے کی بیوی بھی بالاجماع حرام ہے تو پوتے کا بیٹے کے برابر صلیبی ہونا لازم نہیں آتا، ایک بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتی اس لئے چھٹا حصہ پاتی ہے کہ "الاقرب فالاقرب" کا قاعدہ اہل فرائض کے لئے نہیں بلکہ عصمت وغیرہ کے لئے ہے، بیٹی اور پوتی دونوں اہل فرائض میں سے ہیں اس لئے بیٹی کو اس کا نصف حصہ دیکر پوتی کو چھٹا حصہ "تثنیٰ" کی تکمیل کے لئے دیا گیا، اس سے "الاقرب فالاقرب" کے اصول پر زد نہیں پڑتی اسی لئے اگر دو بیٹیاں ہوں تو پوتی کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ دو بیٹیوں نے دو تہائی پورا لے لیا ہے اب بیٹیوں کے حصہ میں سے کچھ باقی نہیں رہا، البتہ اگر اس صورت میں پوتی کے ساتھ پوتا یا پڑپوتا بھی موجود ہو تو وہ قریب تر حصہ ہونے کی وجہ سے باقی کا مستحق ہوگا اور اس کی وجہ سے پوتی بھی حصہ ہو جائے گی اور ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ سب اصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً بیان فرمائے ہیں جن پر فقہاء کے اجماع نے قطعیت کی مہر لگا دی ہے، فقہاء نے شخص

اپنی عقل سے یہ اصول نہیں گڑھے۔

یہ منکرین حدیث ہی کی جرأت ہے کہ صلیبی بیٹے کے ہوتے ہوئے بھی پوتے کو دادا کا اقرب بنانا چاہتے ہیں اور دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں، حالانکہ حیرت کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ "یتیم پوتوں اور نواسوں کو محروم کرنے میں ہمارے سارے ہی فقہاء شریک اور یک زبان ہیں" ص ۷۰۔

مگر اس پر حیرت وہی کر سکتا ہے کہ جو فقہاء کو اپنے اوپر قیاس کر کے یہ سمجھتا ہے کہ وہ بغیر کسی نص کے ویسے ہی اجماع کر لیتے ہیں۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ اہل اجماع کے پاس کوئی نص ضرور ہوتی ہے چنانچہ اس مسئلہ نزاعی میں بھی ہم نے چند صحیح احادیث متواتر کی نشاندہی کر دی ہے اور حدیث متواتر اور اجماع قطعی کی مخالفت کرنے والا اگر کافر نہیں تو اہل سنت والجماعت سے خارج تو یقیناً ہے۔

### ہر وارث کو اقرب قرار دینے میں خرابی

پھر میں پوچھتا ہوں کہ یتیم پوتے، پوتی اور نواسے، نواسی ہی کے ساتھ اتنی ہمدردی کیوں ہے؟ آخر یتیم بھانجے بھانجی نے کیا قصور کیا؟ اگر کسی شخص کے بھائی بیٹے زندہ ہوں اور اس کی بہن اس کے سامنے یتیم بھانجے پھوڑ کر مر گئی ہو ان کو بہن کا حصہ کیوں نہیں دلایا جاتا؟ اگر اس طرح ہر وارث کو اقرب بنایا جائے گا تو اہل فرائض اور عصمت کے بعد ذوی الارحام کا باب ہی باقی نہ رہے گا، جملہ "ذوالارحام" اہل فرائض یا عصمت میں شامل ہو جائیں گے اور اس کا لغو اور باطل ہونا ظاہر ہے کہ شریعت اسلامیہ میں سراسر تبدیل و تحریف ہے کہ ایک باب ہی وراثت کا اڑا دیا گیا جس پر امت کا اتفاق و اجماع چودہ سو برس سے چلا آ رہا ہے، اسی کے بارے میں مولانا اصلاحی نے فرمایا تھا کہ "جس نظریہ کے تحت کمیشن سے یتیم پوتے کو وراثت میں حصہ دلانے کی سفارش کی ہے اس سے وہ سارے اصول منہدم ہو جاتے ہیں جو اسلام نے تقسیم ورثہ کے لئے قرار دیے ہیں۔"

اس پر مصنف کتابچہ کا یہ کہنا کہ "مولانا نے بلاوجہ دو جگہ اسلام کا نام لیا ہے، بہتر ہوتا اگر مولانا اس مسئلہ کی ذمہ داری اسلام پر ڈالنے کا ارتکاب نہ فرماتے بلکہ اس کی ذمہ داری فقہی پر ڈالتے جو اس ظلم کی ذمہ دار ہے۔" ص ۷۱۔ سراسر الحاد ہے وہ مانتا ہے کہ اس مسئلہ میں سارے ہی فقہاء متفق اور یک زبان ہیں اور ہم بتلا چکے ہیں کہ اہل اجماع نے بلا دلیل اجماع کبھی نہیں کیا بلکہ اس مسئلہ میں تو حدیث صحیح متواتر کی روشنی میں اتفاق کیا ہے، اب فقہاء کو ظالم قرار دینا سراسر جرأت بے ایمانی اور لحد اند لیری و بے باکی کے سوا اور کیا ہے؟ ہم نے مقدمہ اولیٰ میں واضح کر دیا



ہے کہ اجماع خود مستقل حجت شرعیہ ہے، بعد والوں میں سے کسی کو بناء اجماع کا علم ہو یا نہ ہو وہ ہرگز اجماع کو رد نہیں کر سکتے بلکہ بعض صورتوں میں اجماع کی مخالفت کفر ہے اور فسق ہے تو کسی حال میں خالی نہیں، پس فقہ یا فقہاء کو ظالم کہنے والا اپنے ایمان کی خیر منائے، شریعت اسلامیہ ان تمام احکام کے مجموعہ کا نام ہے جو کتاب وسنت و اجماع امت اور قیاس مجتہدین سے ثابت ہوتے ہیں۔ پس فقہ یا فقہاء کی طرف ظلم کو منسوب کرنا شریعت اسلامیہ کو ظالم قرار دینا نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر اس مسئلہ کی حکمت یا علت کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو علماء محققین سے دریافت کرنا چاہیے۔

”فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون“ حجتہ اللہ البالغہ میں باب ”الفرانض“ دیکھ لیا جاتا اور کسی محقق سے سمجھ لیا جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ شریعت اسلامیہ میں باب میراث کن اصول پر مبنی ہے، مگر آج کل نہ فقہ کو باقاعدہ پڑھا جاتا ہے نہ اصول شریعت کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے، بس چند تراجم و تفاسیر اردو کا التماسید معاملہ کر کے ہر شخص دین میں غل وینا اور فقہاء سابقین کے منہ لگنا چاہتا ہے ”اننا لله وانا الیہ راجعون“۔ چودہ علماء نے فرمایا تھا کہ ”قیاموں کی مالی امداد بہبود کی، دوسری باعزت صداہائیں بھی ہیں حکومت انہیں اختیار کر سکتی ہے“ اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے تو ان بد نصیبوں کو محروم تسلیم کر لو پھر دوسرے طریقوں سے اس محرومی کو دھوئے پھر دے“ ص ۷۳۔

میں پوچھتا ہوں کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہر میت کے تمام قرابت دار قیاموں کو میراث سے حصہ مل سکتا ہے؟ اگر جواب لینی میں ہے تو جن کو محروم کیا جائے گا ان بد نصیبوں کی محرومی کو کس طرح دھویا جائے گا؟ اور اگر جواب اثبات میں ہے تو وہ تلافی کس ایک شخص کے یتیم پوتے، نواسے، پوتیاں، نواسیاں بھی ہیں اور یتیم بھانجے بھانجیاں اور خالہ پھوپھی کے یتیم بچے اور بچیاں بھی ہیں ان سب قیاموں کو وہ کس حساب سے میراث کا حصہ دے گا؟ دراصل اس کو حکومت اسلامیہ کے اصول ہی کی خبر نہیں۔

### حضرت عمرؓ نے بچوں کے لئے وظیفہ جاری کیا تھا

حدیث صحیح موجود ہے جس کو جملہ اصحاب صحاح نے روایت کیا اور ہر زمانہ میں امت نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”من ترک مالا فلو رثبہ ومن ترک کلاوا وضبا فعلى والی“ جو شخص مال چھوڑے مرنے کے وقت اس کے ورثہ کا ہے اور جو قرض یا شائع ہونے والے (بے سہارا قرابت دار) چھوڑ جائے وہ میرے ذمہ پر ہیں اور میری طرف

آئیں۔ دوسری حدیث میں ہے ”السلطان ولی من لا ولی له“ اس کو جملہ اصحاب صحاح نے روایت کیا ہے بجز نسائی کے اور بخاری نے اس کو صحیح کہا ہے، جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے، اس پر خلفاء راشدین کا عمل رہا ہے کہ تمام قیاموں اور یتیموں کی پرورش بیت المال سے کی جاتی تھی اسی بیت المال سے جس سے بادشاہ اور وزیر اور قاضی وغیرہ اپنی تنخواہ وصول کرتے تھے، اور جب بیت المال میں وسعت ہوئی تو یتیموں کے علاوہ ہر غریب باپ کی زندگی میں بھی اس کے بچوں کا بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے پہلے یہ قانون مقرر کیا تھا کہ دودھ چھونے پر بچہ کا وظیفہ مقرر کیا جائے جب معلوم ہوا کہ بعض لوگ وظیفہ جلدی وصول کرنے کے لئے رات سے بہت پہلے بچوں کا دودھ چھڑاتے اور ان کو تکلیف دیتے ہیں تو یہ قانون مقرر کر دیا کہ پیدا ہونے ہی بچہ کا وظیفہ بیت المال سے جاری کر دیا جائے۔ حضرت مناصب یہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہر دن صبح کی نماز کے بعد ہر مسجد میں مؤذن اعلان کرتا تھا کہ جس کسی کے بچہ پیدا ہوا ہو وہ نام لکھو اسے تاکہ بچہ کا وظیفہ مقرر کیا جائے۔ اگر ممالک اسلامیہ شریعت کے اصول پر عمل پیرا ہوں تو قیاموں کی بد نصیبی کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

مگر جہاں بلڈنگوں پر، سفارت خانوں پر، بیرونی ممالک کے دوروں پر، ضیافتوں پر اور بچنے گانے والوں کے وظائف پر ہزاروں لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کیا جائے وہاں قیاموں کی بد نصیبی حکومت کے ہاتھوں کیونکر حل کی جاسکتی ہے؟ اگر یہ نہیں ہو سکتا تو اس کا طریقہ یہ نہیں کہ شریعت کے اصول میں تبدیل و تحریف کر کے قیاموں کی مدد کی جائے بلکہ اس کا راستہ وہی ہے جو معصوف کنا بچے کے نانا کو خیر خواہوں نے مشورہ دیا تھا یعنی جس شخص کے قریبی رشتہ دار حاجتمند نہ ہوں اور جہم پوتے، پوتیاں اور نواسے، نواسیاں، بھانجے، بھانجیاں بے سہارا ہوں حکومت اس کو تاکید کرے کہ ایسے بے سہارا قیاموں کی اپنی زندگی میں بقدر ضرورت نگہداشت کرتا رہے اور بعد کے لئے وصیت کر دے کہ تہائی مال ان بے سہارا قیاموں کو دیا جائے۔ اگر اس قسم کا قانون بھی بنادیا جائے تو علماء کو اعتراض نہ ہوگا کیونکہ اپنی زندگی میں ہر انسان کو اپنی ملکیت اور جائیداد وغیرہ میں جائز تصرف کا حق ہے اور قرابت دار محروم قیاموں کا بھی اس پر حق ہے ”وفی اموالہم حق للسائل والمسحروم“ اور بعد کے لئے تہائی مال میں وصیت کرنے کا بھی ایسے حق ہے اور حکومت کو ان حقوق کی تاکید کا بھی حق ہے جبکہ یتیم، نادار یا یتیمہ عورتیں حکومت کے سامنے درخواست پیش کریں کہ ہمارا دادا یا نانا یا ماموں باوجود مالدار ہونے کے ہماری نگہداشت نہیں کرتا۔ نہ اپنے بعد کے لئے ہمارا انتظام کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وهو العليم الحکیم۔

## نکاح کا رجسٹریشن

”نکاح کی رجسٹری کو ضروری قرار دیا گیا ہے، یونین کوٹلیس نکاح رجسٹر ارمقرر کریں گی اور یہ نکاح رجسٹری پڑھائیں گے۔ اگر نکاح کوئی اور شخص پڑھائے تب بھی ان کو اطلاع دینا اور نکاح کو ان کے ہاں رجسٹری کرنا ضروری ہوگا، اگر نکاح کو رجسٹرڈ نہ کیا گیا تو یہ قابل سزا جرم ہوگا، اس پر تین مہینے کی قید یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکیں گی۔“

اس پر علماء نے جو اعتراضات کئے ہیں ان کے جوابات بھی مصنف کتابچہ نے دیئے ہیں مگر اس نے اس بنیادی سوال کا جواب نہیں دیا کہ نکاح امور تشریعیہ کی قسم سے ہے امور انتظامیہ میں سے نہیں ہے اور خلفاء مجتہدین کے سوا دیگر امراء و حکام کو امور تشریعیہ میں دخل دینے کا حق نہیں، نہ ان کی اطاعت لازم (ملاحظہ ہو مقدمہ عاشروہ)

## نکاح عبادت ہے اور امور تشریعیہ میں داخل ہے

رہا یہ کہ نکاح امور تشریعیہ میں سے ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ نکاح سنت عبادت مؤکدہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو میرے دین کو پسند کرے وہ میری سنت کا اتباع کرے اور نکاح میری سنت ہے، اس کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد ص ۲۵۲ ج ۴) ابو یعلیٰ سے روایت ہے جو شخص نکاح کی قدرت رکھتا ہو پھر نکاح نہ کرے وہ مجھ سے نہیں اور یہ مرسل حسن ہے (مجمع الزوائد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں اور عورتوں پر لعنت کی ہے جو کہتے ہیں کہ ہم نکاح نہیں کریں گے اس کو امام احمد نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے (مجمع طبرانی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نکاح کر لیا اس نے نصف ایمان کو کامل کر لیا اب وہ باقی نصف میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے (مجمع الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۱۶) اور جو چیز نصف ایمان کو مکمل کرنے والی ہو وہ واجب یا سنت مؤکدہ سے کم نہیں اور اس کا امور تشریعیہ میں داخل ہونا ظاہر ہے۔

بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں، اور درختار میں تصریح ہے کہ غلبہ شہوت کے وقت نکاح واجب ہے اور حالت اعتدال میں سنت مؤکدہ ہے جس کے ترک سے گناہ ہوگا، ج ۲ ص ۳۲۷۔ پھر شرعاً نکاح میں سہولت کا غور نظر رکھنا ضروری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

”اعظم النکاح ہرکۃ اکسره مؤنۃ“ رواہ احمد والحاکم و بیہقی عن عائشہ رضی اللہ عنہا وصحیحہ السیوطی فی الجامع الصغیر، ج ۱، ص ۴۰۔ سب سے بڑا پابند کرتا نکاح وہ ہے جس میں مؤنت (مشقت) کم ہو پس جہاں تک ہو سکے نکاح میں آسانی اور سہولت کا سامان کرنا چاہیے تاکہ ہر مسلمان بہ سہولت زنا سے بچ سکے، نکاح میں جس قدر دشواریاں پیدا کی جائیں گی اسی قدر زنا کو ترقی ہوگی۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نکاح (کرنے) میں بس چار آدمیوں کی ضرورت ہے، ایک وہ جو (اپنی لڑکی کو) نکاح میں دیتا ہے، ایک وہ جو نکاح کرتا ہے اور دو گواہ۔ اس کو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور تہذیبی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح اطلاق اس پر زیادتی کرنا اور نکاح خواں رجسٹرار کو اور رجسٹری کو لازم کرنا اور جو ایسا نہ کرے اس کو جرم قرار دینا اور سزائے قید یا جرمانہ کا مستحق قرار دینا نکاح کو دشوار بنانا اور زنا کا دروازہ کھولنا ہے۔

## نکاح کے دو گواہ عادل ہونے چاہئیں یا قاسق

موفق ابن قدامہ ”المغنی“ میں فرماتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ نکاح کے دو گواہ عادل ہونے چاہئیں یا قاسق گواہ بھی کافی ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عادل ہونا ضروری ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک دو قاسقوں کی موجودگی بھی کافی ہے مگر مستور الحال گواہ سب کے نزدیک کافی ہیں کیونکہ نکاح گاؤں میں بھی ہوتا ہے اور جنگل میں بھی اور عام لوگ عدالت شرعیہ کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے تو اس قسم کی قیود سے نکاح میں دشواری ہوگی اس لئے ظاہری حالت کا دیکھ لیا کافی ہے، ج ۱ ص ۳۳۱۔ آپ نے دیکھا کہ دیگر معاملات میں گواہوں کا واقعی عادل ہونا ضروری ہے مگر نکاح میں بالاتفاق ظاہری حالت میں عادل ہونا کافی ہے، تحقیق حال کی ضرورت نہیں کبھی گئی تاکہ نکاح میں دشواری نہ ہو اور امام ابو حنیفہ نے تو ای سہولت کی بناء پر دو قاسقوں کی گواہی سے بھی نکاح کو درست مان لیا ہے گو قاضی کی عدالت میں ان کی شہادت سے نکاح ثابت نہ ہو سکے مگر صحت نکاح کے بعد سے زنا سے توبہ جائے گا۔ الغرض نکاح ان امور ضروریہ میں سے ہے جن کے بغیر نظام معیشت قائم نہیں ہو سکتا ان کو جہاں تک ہو سکے آسان سے آسان تر کرنا چاہیے، شریعت نے نکاح اور زنا میں فرق کرنے کے لئے چند قیدی نکاح میں بڑھادی ہیں وہی کافی ہیں، ان پر زیادتی کرنا کسی طرح درست نہیں۔ شرعاً نکاح خواں کی ضرورت ہے نہ رجسٹری کی بس دو گواہوں کے سامنے عورت یا اس کے ولی اور نکاح کرنے والے لبر مرد کا ایجاب و قبول کافی ہے، اس پر رجسٹری فیس کا اضافہ کرنا ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

### مہر کی اقل مقدار

شریعت نے سہولت نکاح کے لئے اقل مہر کی مقدار بہت کم مقرر کی ہے جو فقہاء کے نزدیک دس درہم (یعنی دو تولہ ساڑھے آٹھ ماشہ چاندی) ہے جس کی قیمت چند روز پہلے تین روپیہ ہی کے قریب تھی جو آج کل رجسٹر نکاح کی فیس ہے اور شافعیہ کے نزدیک کوئی مقدار مقرر نہیں، زہبیوں اپنی رضامندی سے جتنا چاہیں مقرر کر لیں "ولو عاتما من حديد" چاہے لوہے کی انگوٹھی ہو۔ پھر فقہاء نے کم سے کم مہر کی مقدار دس درہم بتلائی ہے وہ بھی اس کے فوری ادا کو واجب نہیں کہے بلکہ مہر منجل اور مؤجل کا اختیار دیتے ہیں۔ ان تمام سہولتوں کو نظر انداز کر کے رجسٹر نکاح خواں سے نکاح پڑھوانے یا بعد نکاح اس کے رجسٹر میں اندراج کرانے اور اس کو تین روپیہ فیس فوری ادا کرنے کا لزوم سہولت کو تشدد سے بدلنا ہے یا نہیں؟ کہا جاتا ہے کہ "انتظامی مصالح سے آج بہت سے وہ منصب ضروری سمجھے جاتے ہیں جن کا شریعت اسلامیہ میں سرے سے کوئی وجود ہی نہیں اگر انتظامی مصلحت سے نکاح کے لئے بھی ایک منصب نکاح خواں کا وضع کر دیا جائے اس میں کوئی شرعی مباحثہ لازماً نہیں" ص ۷۶۔

میں کہتا ہوں امور انتظامیہ کی حد تک ضروری منصب قائم کرنے کا سلاطین و امراء کو اختیار حاصل ہے بشرطیکہ واقعی ضرورت ہو فرضی نہ ہو اور امور تشریعیہ میں ان کو دخل دینے یا کوئی ایسا منصب مقرر کرنے کا اختیار نہیں جس سے مقاصد شریعہ فوت ہوتے ہوں۔ ہم اوپر وضاحت سے بتا چکے ہیں کہ باب نکاح میں رجسٹر نکاح خواں کے تقرر سے وہ سہولت تشدد سے بدل جاتی ہے جو نکاح کے بارے میں شریعت کو مد نظر ہے اس لئے ایسا منصب مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ بس منصب قضاء قائم کر دینا چاہیے جو زمانہ خلفاء راشدین سے برابر چلا آ رہا تھا، ہندوستان میں انگریزوں نے اس کو ۱۸۸۰ء میں بند کیا ہے۔ منصب قضاء قائم کر دینے سے عام عائلی جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں اور وہ سہولتیں بھی قائم رہتی ہیں جو نکاح کے باب میں مطلوب و مقصود ہیں۔

### تعدد ازواج

اس مسئلہ میں مصنف کتابچہ نے اول تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ "قرآن کریم میں تعدد ازواج کی صرف ایک جگہ اجازت آئی ہے اور وہ سورۃ النساء کی تیسری آیت میں ہے" ص ۸۱۔ گویا مدار احکام صرف قرآن ہے حدیث حجت نہیں۔ پھر دعویٰ کیا ہے کہ "عیائلی کے مفہوم میں نابالغ اور بالغ یتیم لڑکے، لڑکیاں بالغ اور جوان بلکہ عمر رسیدہ بیوہ عورتیں سب ہی شامل ہیں۔" ص

۸۳۔ (۳) اور آیت نساء کا ترجمہ یوں کیا ہے "اور اگر تم کو اس بات کا اہل ہو کہ تم جو ان یتیم لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو مذکورہ عورتوں کو تم سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کر لو دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے" ص ۸۷۔

یہ کون سی منطق ہے کہ جن کے بارے میں انصاف نہ کرنے کا اندیشہ نہ ہو ان میں سے چار تک نکاح کر لو اس طرح بے انصافی کا احتمال قوی ہو گیا یا زائل؟

پھر دعویٰ کیا ہے کہ اس آیت میں یتیم جو ان لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کا لڑہ ہو رہا ہے کہ اگر ان کے ساتھ (نکاح کے بغیر) کسی اور طور سے عدل و انصاف کا سلوک نہ سکے تو پھر اس کی اجازت ہے کہ ان یتیم جو ان لڑکیوں اور بیوہ عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں ان میں سے دو دو تین تین چار چار کو اپنے نکاح میں لے آؤ۔" ص ۸۷۔

مولانا حکیم الامت قانوی نے اس آیت کے ترجمے میں لفظ "اور" کا لٹا کر کیا تھا (جس کی دلیل بھی حضرت عائشہ کی روایت میں موجود ہے) اس کو تو یہ کہہ کر تم نے دیکھا کہ "قرآن کریم میں ایسا کوئی لفظ موجود نہیں جس کا ترجمہ "اور" کے لفظ سے کیا جائے" ص ۸۷۔ مگر خود جو بریکٹ میں (نکاح کئے بغیر) بڑھا رہے ہو یہ قرآن کے کس لفظ کا ترجمہ ہے؟

پھر دعویٰ کیا ہے کہ "اذا فأت الشرط فأت الشرط" جب اڑی نہ پائی جائے تو شرط بھی نہیں پایا جاسکتا۔ "قرآن کریم نے تعدد ازواج کی اجازت کو اڑا کر ساتھ شرط کیا ہے کہ "تمہارے معاشرہ میں" یتیم لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کے ساتھ اللہ اور عدل کا سلوک نہ ہو سکے کا اندیشہ ہو جائے" ص ۸۸۔

اس میں "تمہارے معاشرہ" قرآن کے کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ پھر دعویٰ کیا ہے کہ "ہمیں دیکھنا چاہیے کہ آیا آج معاشرہ میں یتیم لڑکیاں اور بیوہ عورتوں کا کوئی پیچیدہ سوال اور پیش ہے یا نہیں" ص ۸۸۔

پہلے معاشرہ کی قید کو قرآن سے ثابت کر دو پھر یہ سوال کرو اپنی طرف سے لا دلیل قرآن میں قیدیں بڑھا کر معاشرہ کا سوال کٹا کر دینا سراسر تحریف اور تفسیر ہالرائے غیر اذکار کیا ہے؟ پھر دعویٰ کیا ہے کہ "ہمارے اسلاف مجاہد تھے تن آسان نہیں تھے ان کے دور میں یتیم لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کا لانا بخل مسئلہ موجود تھا..... مگر ہم اس درجہ کے گمان نہیں رہے جیسے



ہمارے اسلاف تھے۔ ہم جہاد سے کنارہ کش ہو کر رہ گئے ہیں اس لئے ہمارے معاشرہ میں وہ سوال ہی باقی نہیں رہا اس لئے ہم اس اجازت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔“ ص ۱۰۴۔

﴿: یہاں بھی وہی سوال ہے کہ قرآن میں معاشرہ کا یا کثرت بتائی اور بیوگان کا ذکر ہی کہاں ہے؟ جو طبقہ حدیث کا منکر ہے وہ قرآن میں اسی طرح کی قیدیوں بڑھاؤ کا کرنا اٹو سیدھا کیا کرتا ہے اور لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے کہ قرآن سے یہ مسئلہ ثابت ہو رہا ہے۔

### تعدد از دواج کی اجازت قرآن سے

یہ تو اجمالی جواب تھا اب تفصیل سیکھ، مصنف کتابچہ نے دعویٰ کیا ہے کہ ”تعدد از دواج کی اجازت قرآن میں صرف ایک جگہ آئی ہے“ ص ۸۱۔

یہ عنوان غلط ہے اس کو یہ کہنا چاہیے کہ تعدد از دواج کی تحدید قرآن میں صرف ایک جگہ آئی ہے ورنہ اجازت بعینہ عموم تو اور جگہ بھی موجود ہے۔ سورۃ النساء ہی میں حرمت کے ذکر کے بعد فرمایا ہے ”واحل لکم ما وراءکم ان تبغوا باموالکم“ اور تمہارے واسطے ان کے سوا سب عورتیں حلال ہیں کہ ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ طلب کرو، چونکہ اس میں کوئی تحدید نہیں بلکہ عموم کی وجہ سے چار سے زیادہ کی اباحت بھی مفہوم ہو رہی ہے اس لئے مفسرین کو تصریح کرنا پڑی کہ ”ما وراء ذلکم“ کے عموم سے ”ما فوق الاربع“ چار سے زیادہ کو مستثنیٰ کیا جائے گا (مظہری، ج ۲، ص ۶۶)۔

اسی طرح سورۃ مائدہ کی آیت ”اليوم احل لکم الطيبات وطعام الذين اوتوا الكتاب حل لکم واطعامکم حل لہم والمحصنت من المؤمنات والمحصنت من اللہین اوتوا الكتاب من قبلکم اذا اتینمو من اجور هن“ ”یہ آج تمہارے لئے سب پاکیزہ (اجنبی) چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے (تو تم ان کو اپنا کھانا کھا سکتے ہو) اور پاک دامن مسلمان عورتیں اور اہل کتاب کی پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں جبکہ ان کو مہر ادا کر دو۔ یہاں بھی ”والمحصنت“ جمع کا صیغہ ”الف لام“ کے ساتھ لایا گیا ہے جو عموم یا استغراق کو مقتضی ہے اس لئے مفسرین کو کہنا پڑا کہ اس عموم سے وہ حرمت مستثنیٰ ہیں جن کا ذکر پہلے آچکا ہے اور چار سے زیادہ نکاح کرنا بھی مستثنیٰ ہے کیونکہ سورۃ النساء میں تحدید نازل ہو چکی ہے۔

معلوم ہوا کہ سورۃ النساء کی تیسری آیت جواز تعدد از دواج کے متعلق نہیں ہے بلکہ تحدید از دواج کے متعلق ہے، جواز کے لئے تو دوسری آیتیں موجود ہیں۔ جہاں نہ قیموں کا ذکر ہے نہ

بیوہ عورتوں کا نہ وہاں معاشرہ کا سوال کھڑا کیا جاسکتا ہے، نیز حدیث صحیح میں ہے کہ سعید بن جبیر سے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا تم نے نکاح کیا ہے؟ کہا نہیں، فرمایا نکاح کر لو؟ فان عیر هذه الامة اکثرها نساء“ کہ اس امت میں اچھا وہی ہے جس کی بیبیاں زیادہ ہوں اس کو امام بخاری (ج ۲، ص ۲۵۱) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور کسی عمل کی فضیلت صحابی اپنی رائے سے نہیں بیان کر سکتا اس لئے یہ حدیث موقوف بحکم مرفوع ہے۔

### کیا یتیم کے مفہوم میں نابالغ، بالغ اور بیوہ عورتیں سب ہی داخل ہیں؟

پھر دعویٰ کیا ہے کہ ”یتیم کے مفہوم میں نابالغ اور بالغ یتیم لڑکے، لڑکیاں اور جوان بلکہ عمر رسیدہ بیوہ عورتیں سب ہی شامل ہیں“ پھر امام بھصام کے اقوال سے اس کو ثابت کیا ہے، مگر بھصام نے اس کے بعد حصر یہ بھی فرمایا ہے۔ ”وقد روی علی بن ابی طالب وجابر بن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایتم بعد حلم“ حضرت علی اور جابر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ بلوغ کے بعد یتیمی نہیں ”وهذا هو الحقیقة فی الیتیم وبعد البلوغ یسمی یتیمًا محازاً“ یتیمی کے حقیقی معنی یہی ہیں، بلوغ کے بعد کسی کو یتیم کہنا مجاز ہے۔ تفسیر مظہری میں ہے۔ ”مقنی القوی کے اعتبار سے یتیم کا اطلاق بالغ و نابالغ دونوں پر ہو سکتا ہے لیکن عرف میں نابالغوں ہی کو یتیم کہا جاتا ہے (ج ۲، ص ۴) اور یہی شرعی معنی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلوغ کے بعد یتیمی نہیں اس کو ابو داؤد نے حضرت علیؑ سے بسند حسن روایت کیا ہے۔ پس یہ دعویٰ غلط ہے کہ ”بتائی کا مفہوم عربی زبان میں وہ تو قطعاً نہیں جو ہمارے یہاں اردو میں رائج ہے“ ص ۸۴۔ بلکہ عربی کا عرف بھی وہی ہے جو اردو کا ہے اور شرعی عرف بھی یہی ہے پھر اس سورت کی دوسری آیت میں ”واتوا الیتامی اموالہم“ ”آیا ہے یعنی یتیموں کو ان کے مال دیدو۔ یہاں نابالغ لڑکے اور لڑکیاں ہی مراد ہیں، بالغ یا جوان بیوہ عورتیں مراد نہیں۔ خود بھصام رازی نے تصریح کی ہے کہ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ یتیمی کی حالت ہی میں مال ان کے حوالہ کر دو کیونکہ ایک آیت میں آگے آرہا ہے کہ یتیموں کو آزار مکر صلاحیت دیکھ کر مال دینا چاہیے (ج ۲، ص ۵۷)۔

معلوم ہوا کہ بتائی سے مراد نابالغ ہیں یعنی اس کے بعد ہی سلسلہ کلام میں ”واتوا الیتامی حتی اذا بلغوا النکاح“ ”موجود ہے کہ یتیموں کو نکاح کی قابلیت سے پہلے آزماتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل ہو جائیں اور تم ان میں صلاحیت کے آثار دیکھو تو مال ان کے حوالہ کر دو۔

ظاہر ہے کہ ”بنائی“ سے نابالغ لڑکے اور لڑکیاں ہی مراد ہیں جن کے باپ نہ ہو۔ یہاں نابالغ یتیم ہرگز مراد نہیں نہ بیوہ عورتوں کا احتمال پھر تیسری آیت میں ”بنائی“ سے نابالغ یتیم لڑکے لڑکیاں اور جوان بیوہ عورتیں مراد لینے کی کوئی وجہ؟ پھر تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسی تیسری آیت سے امام حصاص رازنی نے باب ”ترویج الفسقار“ قائم کر کے نابالغ لڑکیوں کے جواز نکاح پر استدلال کیا ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ حصاص نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عائشہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی روایات ہی صحیح اور راجح ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان یتیم نابالغ لڑکیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو ایسے اولیاء کی نگرانی میں تھیں جن کے لئے ان لڑکیوں سے نکاح کر لینا جائز تھا اور وہ معمولی مہر میں ان سے نکاح کر لیتے تھے، آیت میں اس سے منع کیا گیا کہ ایسی حالت میں یتیم لڑکیوں سے بے انصافی کے ساتھ نکاح نہ کرو ان کے ساتھ نہ انصاف کرو ورنہ دوسری عورتوں سے نکاح کر لو جو تمہارے ہاتھ تھے نہ ہوں۔

### ترجمہ قرآن میں تحریف

پھر حیا و شرم کو بالائے طاق رکھ کر آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے ”اور اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ تم جوان یتیم لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کے بارہ میں انصاف نہ کر سکو گے تو مذکورہ عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کر لو“ الخ ص ۸۷۔

اور اس ترجمہ کو اصولاً صحیح بتلایا ہے مگر جس شخص کو زبان عربی فصیح سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ اس ترجمہ کو مترجم کے منہ پر دے مارے گا، اولاً اس لئے کہ اس نے ”الا تقسطوا“ سے ”یتیموں بیواؤں کی خبر گیری اور کفالت نہ ہو سکتا مراد لیا ہے۔“ ص ۸۸۔ اس کو محارہ عرب میں بے انصافی اور ترک انصاف سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، اس صورت میں عبارت اس طرح ہوتی ”فان خفتن ان الاتقہدوا الیتامی“ دوسرے اگر ”النساء“ سے مذکورہ عورتیں مراد ہوتیں تو ”فان کحوا ما طاب لکم منہن“ فرمایا جاتا، لفظ ”الیتامی“ کی جگہ ضمیر نہ لانا دوسرے لفظ لانا کیا بے کاری ہے؟ اور یہ ایک ہی کلمی کہ لفظ ”النساء“ پر ”الف لام تعریف کا آرہا ہے“ الخ ص ۸۶۔

عقلمند کو اتنی بھی خبر نہیں کہ حج پر ”الف لام“ سے جس یا استغراق مراد ہوتا ہے خاص افراد مراد نہیں ہوتے اگر آیت میں اس کے بعد ”منشی و نث و رباع“ نہ ہوتا تو یہی لفظ ”النساء“ لا محدود نکاحوں کے جواز کو ثابت کر دیتا، اوپر سے یتیموں کے حقوق مالیہ کا ذکر آ رہا ہے کہ ان کے اموال میں گڑبڑ نہ کرو ان کے اموال دیتے رہو (یعنی بلوغ سے پہلے ان پر خرچ کرتے رہو اور نابالغ

ہونے پر ان کے حوالہ کرو) ان کے اچھے اموال سے اپنے خراب مال کو نہ بدلویہ بڑا گناہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس حکم میں یہ قید نہیں ہے کہ معاشرہ میں یتیموں یا بیواؤں کی کثرت ہو اور وہ معاشرے کا لاخیل و پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہو بلکہ عام حکم ہے خواہ یتیم دو چار ہوں یا دوسو ہوں، یتیموں کے اموال میں گڑبڑ کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔ ان ہی حقوق مالیہ کا ذکر تیسری آیت میں ہے کہ بعض اولیاء اپنے ہاتھ تلے کی یتیم نابالغ لڑکیوں سے معمولی مہر پر نکاح کر لیتے پورا مہر نہ دیتے تھے اس پر تنبیہ کی گئی کہ ”اگر یتیم لڑکیوں سے بے انصافی کا احتمال ہو تو ان سے نکاح نہ کرو اور عورتوں میں سے جو پسند ہوں ان سے نکاح کر لو۔“

مصنف کتابچہ نے جو ترجمہ کیا ہے عربیت کے لحاظ سے غلط ہونے کے علاوہ اس میں یہ بھی خرابی ہے کہ اس تیسری آیت کا تعلق یتیموں کے حقوق مالیہ سے نہیں تھا حالانکہ اس سے اوپر دوسری آیت میں اور اس کے بعد چھٹی آیت میں ”ولا تؤتوا السفہاء اموالکم اللتی جعل اللہ لکم قیاماً و ارزقوہم فیہا واکسوہم و قولوا لہم قولاً معروفاً“ اور ساتویں آیت ”وابتلوا الیتامی حتی اذا بلغوا النکاح فان آنستم منہم رشدافدعوا الیہم اموالہم ولا تاكلوہا اسرافاً و بداراً ان یکبروا الا یہ“ میں بھی صراحۃً حقوق اموال کا ذکر ہے پھر حج کی آیت کو حقوق اموال سے الگ کر کے ایسی خاص حالت پر محمول کرنا کہ معاشرہ میں یتیم لڑکیوں کا ایسا کوئی پیچیدہ سوال درپیش ہو کہ ان کی خبر گیری اور کفالت کی کوئی صورت نہ ہو، ایجاد بندہ کے سوا اور کیا ہے؟ پھر اگر اس آیت کو معاشرہ کی خاص حالت پر محمول کیا جائے گا تو بنائی کے بارے میں جتنے احکام یہاں مذکور ہیں سب کو ایسی خاص حالت پر محمول کرنا ہوگا کہ جب معاشرہ میں یتیموں کا مسئلہ پیچیدہ ہو تو ان کے مال ان کو دیدیا کرو اور بڑے ہونے سے پہلے ان کے مال میں فضول خرچی نہ کیا کرو ورنہ سب کچھ کر لیا کرو اور اس کو کوئی عاقل تسلیم نہیں کر سکتا، تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ آیت ”وان خفتن الاتقسطوا فی الیتامی“ میں بھی یتیموں کے مالی حقوق کا ذکر ہے ان کی خبر گیری یا کفالت کا کوئی ذکر نہیں اگر کسی کو ہمت ہے تو وہ سلف میں سے کسی کا قول دکھائے جس نے اس آیت کو معاشرہ کی خاص حالت پر محمول کیا ہو، اگر ایسا نہیں تو صرف اس لئے کہ یہاں ”بنائی“ کا ذکر آ گیا ہے آیت کو معاشرہ کی خاص حالت پر محمول کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی وضو میں ”فما غسلوا وجوہکم وابدیکم الخ“ (جب نماز کو کھڑے ہو تو منہ ہاتھ پیر دھویا کرو، سر کا مسح کر لیا کرو) کو معاشرہ کی خاص حالت پر محمول کرنے لگے کہ عرب کے بدوؤں کو صفائی کا

اہتمام نہ تھا اس لئے وضو کا حکم دیا گیا اور اس کا لغو ہونا ظاہر ہے۔ پس آیت کا صحیح ترجمہ وہی ہے جو مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ الخ۔

قرآن میں بجائے ”فانکحوا ما طاب لکم منھن“ کے ”من النساء“ فرمانا خود اس کی دلیل ہے کہ اور عورتوں سے نکاح کرنا مراد ہے، مذکورہ تیسوں سے نہیں۔ مصنف کتابچہ کو تسلیم ہے کہ حضرت عائشہ کی روایت کی وجہ سے ہمارے مفسرین اور مترجمین نے ترجمہ میں لفظ ”اور“ کا اضافہ کیا ہے۔ ص ۸۶۔ اس اجماعی تفسیر و ترجمہ کے بدلنے کا اسے کیا حق ہے؟ جبکہ عربی زبان، اس کے محاورات اور علوم قرآن اور علوم حدیث اور اصول شریعت سے اس کو خاک بھی واقفیت نہیں۔

(۴) کہا گیا ہے کہ ”اس آیت میں یتیم جو ان لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ اگر ان کے ساتھ (نکاح کئے بغیر) کسی اور طرح عدل و انصاف کا سلوک نہ ہو سکے تو پھر اس کی اجازت دی جاتی ہے کہ ان یتیم جو ان لڑکیوں اور بیوہ عورتوں میں سے جو تم کو پسند ہوں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار اپنے نکاح میں لے آؤ۔“ ص ۸۸۔

ہم ہٹلا چکے ہیں کہ یہاں جو ان یتیم لڑکیوں یا بیوہ عورتوں کا بالکل ذکر نہیں یہاں صرف نابالغ یتیم لڑکیوں کا ذکر ہے، یہی سب مفسرین و مترجمین نے اس سے سمجھا ہے اور یہی حضرت عائشہؓ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اور یہی آیت کے سیاق و سباق سے مفہوم ہو رہا ہے، احکام القرآن ج ۵ ص ۱۷۱ میں ہے کہ ”اگر کوئی یہ کہے کہ یہ آیت بالغ عورتوں کے بارے میں ہے نابالغ کے بارے میں نہیں تو ہم کہیں گے کہ دو وجہ سے یہ دعوی غلط ہے، ایک یہ کہ آیت ”وان حفتم الانتسوطا فی الیتامی“ لفظ ”یتامی“ کا حقیقی مصداق نابالغ یتیم ہی ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”لا ینم بعد الحلم“ نابالغ ہونے کے بعد یتیمی نہیں رہتی اور کلام کو حقیقت سے مجازی کی طرف پھیرنا بلا دلیل جائز نہیں اور بالغ عورت کو مجازاً یتیم کہہ دیا جاتا ہے۔

دوسرے حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن عباس نے اس آیت کی جو تفسیر کی ہے وہ بالغ عورتوں کے حق میں نہیں ہو سکتی کیونکہ بالذکر مہر خاندانی سے کم پر راضی ہو جائے تو نکاح جائز ہے اور کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ آیت ”وان حفتم الانتسوطا فی الیتامی“ میں یتامی سے مراد نابالغ یتیم لڑکیاں ہیں جن سے (معمولی مہر) پر ولی نکاح کرتا ہے جس کی پرورش میں وہ ہیں۔ ص ۶۲، ج ۲۔ پھر آپ نے بریکٹ میں جو (نکاح کئے بغیر) بڑھایا ہے قرآن کے کس لفظ سے یہ قید مفہوم ہو رہی ہے؟ یہ حال ہے منکرین حدیث کا کہ تمام مفسرین و مترجمین نے

حضرت عائشہؓ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیث کی بناء پر ترجمہ میں لفظ ”اور“ بڑھا دیا تھا وہ تو غلط ہو گیا اور یہ خود بلا دلیل ”نکاح کئے بغیر“ کی قید بڑھا رہے ہیں وہ صحیح؟ ”اذالسم تستحی فاصنع ما شئت“ جس کو حیا و شرم نہ ہو وہ جو چاہے کرے، پھر حضرت عائشہؓ کی حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ”شان نزول کا حاصل یہ ہے کہ معاشرہ میں یتیم اور بیوہ عورتوں کا سوال پیدا ہو جانے کے بعد (یہ معاشرہ کا سوال تمہاری خودی ایجاد ہے حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں) ایسی صورتیں عموماً پیش آتی تھیں (یہ بھی حدیث میں نہیں ہے) کہ وہ لوگ جن کی کفالت میں ایسی یتیم لڑکیاں اور بیوہ عورتیں ہوتی تھیں (بیوہ عورتوں کا بھی حدیث میں کوئی ذکر نہیں) ”یتامی“ اپنی حقیقت عرفیہ شرعیہ پر استعمال ہوا ہے جو اس جگہ صرف نابالغ یتیم لڑکیوں ہی پر صادق آتا ہے (جو مالدار ہوتی تھیں اور باوجود ان کی طرف رغبت نہ ہونے کے محض ان کے اموال پر قبضہ جمانے کی خاطر ان سے نکاح کر لیا کرتے تھے مگر ازدواجی مراسم ادا نہیں کرتے تھے اور نہ ہی ان کا مناسب مہر ادا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ صورت حال ان بیوہ عورتوں اور یتیم عورتوں کے مسئلہ کا کوئی حل نہیں تھی (میں کہہ چکا ہوں یہاں معاشرہ کے کسی پیچیدہ سوال کے حل کا کوئی ذکر نہیں، صرف یتیموں کو مالی نقصان پہنچانے سے روکنا مقصود ہے کہ اس صورت میں یتیم لڑکیوں کو مہر کم دیا جاتا تھا اس سے روکا گیا ہے۔

### شان نزول کا اعتبار کب نہیں ہوتا؟

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ ”شان نزول کا اعتبار نہیں ہوتا علماء اصول کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ”العبرة بعموم الالفاظ لا بالخصوص الموردا“ یعنی اعتبار الالفاظ کے عموم کا ہوتا ہے خصوص شان نزول کا نہیں ہوتا، لہذا یہاں شان نزول کا سہارا لینا خود اصول فقہ کے مسلمات کے بھی خلاف ہے، ہمیں اس شان نزول سے قطع نظر کر کے قرآن کریم کے الفاظ پر غور کرنا ہوگا۔“ ص ۹۱۔

اصول فقہ کو جس کسی نے پڑھ کر یاد بھی رکھا ہو تو وہ ہرگز ایسی بے بنی بات نہیں کہہ سکتا۔ فقہاء کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شان نزول سے قطع نظر کر لینا جائز ہے، ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر قرآن کے الفاظ عام ہوں تو حکم کو مورد نزول کے ساتھ خاص نہ کیا جائے گا بلکہ مورد نزول کے ساتھ دوسرے افراد کو بھی حکم شامل ہوگا۔ ”مقدمہ راجعہ“ میں ہم نے بتلادیا ہے کہ جو صحابی زمانہ نزول وحی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ہو وہ اس وحی کی تفسیر یا شان نزول بیان کرے تو اس کا قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہے (یعنی قول رسول شمار ہوگا) امام جصاص رازی نے بھی اس کی تصریح کی ہے، فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ تم نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عائشہؓ و ابن عباس



کی تفسیر کو سعید ابن جبیر وغیرہ کی تفسیر پر ترجیح کیسے دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ان حضرت کے اقوال میں کچھ منافقات نہیں، سب کو جمع کیا جاسکتا ہے پھر ابن عباس اور حضرت عائشہ فرماتے ہیں کہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی اور یہ بات وہ اپنی رائے سے نہیں کہہ سکتے بلکہ توقیف ہی سے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کر) کہہ سکتے ہیں، وہ سبب نزول اور واقعہ بھی بیان کر رہے ہیں۔ پس ان کی تفسیر ہی راجح ہے ص ۶۱، ج ۲۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت سے سہارا لینا ضروری بھی ہے اور اس کو چھوڑ کر قرآن کے الفاظ پر غور کرنا جائز نہیں، کیونکہ صحابی شاہد نزول کی تفسیر بحکم قول رسول ہے۔

### تعدد از دواج اصل ہے

رہا یہ کہ ”لیکن اس شان نزول سے یہ بات تو کسی طرح ثابت نہیں ہوتی کہ عام حالات میں بھی ایک سے زیادہ شادیاں کی جاسکتی ہیں جبکہ تعدد از دواج کا حکم اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ معاشرہ میں یتیم اور بیوہ لڑکیوں کا کوئی مسئلہ موجود ہو اور ان کے ساتھ بغیر عدل و انصاف کا سلوک نہ ہو سکتا ہو کہ لوگوں کو تعدد از دواج کی اجازت دی جائے“ ص ۹۲۔

یہ سب بنا الفاسد علی الفاسد ہے، یہاں نہ معاشرہ میں یتیم اور بیوہ لڑکیوں کا کوئی مسئلہ موجود ہونے پر اشارہ ہے نہ اس پر کہ ان کے ساتھ نکاح کئے بغیر عدل و انصاف کا سلوک نہ ہو سکے یہاں تو صرف یتیموں کے مال میں گریز کرنے اور یتیم لڑکیوں کا مہر کم کر کے مالی نقصان پہنچانے سے منع کیا گیا ہے چونکہ یتیم دوسروں کا دست نگر ہوتا ہے ان کے اموال کو جاہلیت میں بھی خرد برد کیا جاتا تھا اور آج بھی کیا جا رہا ہے اسی سے روکنا مقصود ہے، خواہ تو وہ معاشرہ میں یتیم اور بیوہ لڑکیوں کا مسئلہ کھڑا کر لینا اور ان سے نکاح کئے بغیر اس مسئلہ کا حل نہ ہو سکتا سب ایجاد بندہ ہے اور کچھ نہیں۔ قرآن کے الفاظ پر غور کرنے سے ہرگز یہ سمجھ میں نہیں آسکتا نہ آج تک کوئی مفسر اور مترجم نے سمجھا تفسیر بالرائی اسی کا نام ہے۔ آیت کا مطلب صاف ہے کہ اگر تم کو یتیم لڑکیوں کے ساتھ (اس لئے کہ وہ تمہاری پرورش میں ہیں) بے انصافی کا احتمال بھی ہو تو ان سے نکاح نہ کرو اور عورتوں سے اپنی پسند کے موافق نکاح کرلو، دودو، تین تین، چار تک۔ اس پر یہ کہنا کہ ”اس آیت میں ”وان حفتم التعلدلو“ احوالہ“ میں تو جو ایک سطر بعد میں آ رہا ہے شرط کا لحاظ کیا جاتا ہے کہ اگرنا انصافی کا اندیشہ ہو تو پھر ایک ہی بیوی کرو اور ایک سطر پہلے ہی لفظ ”وان حفتم

الاتقسطوا فی البیتامی“ آجاتا ہے تو آپ اس شرط کو بالکل ہی لغو اور بے اثر قرار دیتے ہیں“ ص ۹۲۔ بالکل غلط ہے۔ جو مطلب آیت کا حضرت عائشہ اور ابن عباس نے بیان فرمایا ہے اور بے انصافی کی جو صورت انہوں نے بیان کی ہے اس کو کسی نے بھی جائز نہیں کہا تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ نابالغ یتیم لڑکی سے خاندانی مہر سے کم مہر پر نکاح کرنا ولی کو بھی جائز نہیں۔ کہنے ”وان حفتم الاتقسطوا“ میں شرط کا کس نے انکار کیا؟ ہاں تم جو آیت میں اپنی طرف سے معاشرہ کا پیچیدہ سوال کھڑا کر رہے ہو اور اس کے ساتھ ہی تعدد از دواج کو مشروط کر رہے ہو، اس کا البتہ انکار کیا جا رہا ہے کیونکہ یہ سب ایجاد بندہ ہے جس پر نہ قرآن کے الفاظ میں اشارہ ہے نہ مفسرین صحابہ کے کلام میں۔ اس کے بعد دو صفحہ تک ان آیات کو پیش کرتا جن میں ”فان حفتم“ کا لفظ آ گیا ہے اور یہ دعویٰ کرتا کہ ہر جگہ فقہاء نے شرط کو ملحوظ رکھا ہے مگر ”وان حفتم الاتقسطوا“ میں ملحوظ نہیں رکھا البتہ فرجی کے سوا کچھ نہیں۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ یہاں بھی مفسرین نے صحابہ کی تفسیر کے موافق شرط کا پورا لحاظ کیا ہے۔ اب دیا ننداری کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کچھ بھی خدا کا خوف دل میں ہے تو قرآن کی آیتوں میں اپنی طرف سے گڑھ گڑھ کر معاشرہ کا سوال پیدا نہ کرو۔ صحابہ کی تفسیر کو مانو اور اسی کے موافق آیت کی تفسیر کرو، تفسیر بالرائی سے تو یہ کرو کہ یہ سراسر زندقہ اور الحاد ہے۔

### قاعدہ ”فات الشرط فالت مشروط“ کا مطلب

آخر میں اس پر بھی تنبیہ کر دینا ضروری ہے کہ ”اذا فات الشرط فالت مشروط“ منطقی قاعدہ ہے، فقہاء کا مسلمہ قاعدہ نہیں ہے، اگر مصنف کتابچہ نے اصول فقہ کو پڑھ کر بھلا یا نہ ہوتا تو اس کو معلوم ہوتا کہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب نص میں کوئی حکم کسی شرط یا قید کے ساتھ مشروط یا مقید ہو تو شرط یا قید کے فوت ہونے سے حکم بھی مستفی ہو جائے گا یا نہیں؟ امام ابو حنیفہ کا مذہب اس باب میں یہ ہے کہ وجود شرط کی صورت میں تو حکم ثابت ہوگا مگر شرط کے فوت ہونے سے حکم کا انقضاء لازم نہیں، قرآن میں ہے ”واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم حناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان حفتم ان یفتنکم الذین کفروا“ اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ نماز میں قصر کرو اگر تم کو کفار کی طرف سے فتنہ کا اندیشہ ہو۔ اگر اعتقاد شرط انقضاء حکم کو مستلزم ہوتا تو امن و امان کی حالت میں مسافر کو قصر جائز نہ ہوتا، حالانکہ بالاتفاق حالت امن میں بھی مسافر کو قصر جائز یا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ انوداع میں قصر

اور بیوہ عورتوں کے سوال سے خالی ہو جائے؟ اب دو سو سال سے ہم ضرور ایسی صورت حال سے دو چار ہیں کہ اللہ کی راہ میں جہاد تو درکنار کسی دنیوی غرض یا ملک گیری کی ہوس یا خانہ جنگی کی خواہش کے ماتحت بھی ہمیں جنگ و جدال سے کوئی سروکار نہیں رہا، اب ہمارے ہاں وہ مسئلہ ہی نہیں جس کے لئے اس کی اجازت دی گئی تھی“ (بخاری ۱۰۱۰۰)

اس تعویل لا طائل کا جواب ہمارے بیان سے واضح ہو چکا ہے کہ آیت ”فان حلفتم الا انفسطوا فی البیتامی“ میں نہ جہاد کا کوئی ذکر ہے نہ معاشرہ میں یتیم لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کا مسئلہ پیدا ہونے سے کوئی تعرض، اس آیت سے پہلے بھی اور پیچھے بھی۔ یتیموں کے اموال کی حفاظت کا حکم اور ان کو مالی نقصان پہنچانے سے ممانعت مقصود ہے۔ اس حکم کو معاشرہ کی خاص صورت حال پر محمول کرنا نہ قرآن کے الفاظ سے موافقت کرتا ہے نہ عمل سلف سے، اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیا جائے تو کسی حکم میں شرط کے ذکر کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ شرط نہ ہو تو حکم بھی باقی نہیں رہے گا، اس کے لئے مستقل دلیل چاہیے۔

### عدل کا سوال نکاح سے پہلے یا بعد

اسی سلسلہ میں چودہ علماء کرام نے وزیر قانون پر ایک اعتراض کیا تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ ”تعدد ازواج پر وہ اس لئے پابندیاں عائد کر رہے ہیں کہ لوگ اس اجازت سے غلط فائدہ اٹھا کر ایک سے زائد بیبیاں کر لیتے ہیں اور عدل کی شرط کو پورا نہیں کرتے“ ص ۱۰۹۔

اس سلسلے میں ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ عدل کا سوال نکاح سے پہلے پیدا ہوتا ہے یا نکاح کے بعد؟ ظاہر ہے کہ یہ سوال ایک سے زائد نکاح کر لینے کے بعد ہی پیدا ہوتا ہے کہ آیا شوہر نے عدل کیا ہے یا نہیں۔ وجہ حکایت قرآن کی رو سے جائز طور پر صرف اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ شوہر نے عدل نہ کیا ہو اور اسی وقت بیوی کو جس کے ساتھ عدل نہ ہو رہا ہو یہ مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے کہ یا تو اس کے ساتھ عدل کیا جائے یا شوہر صرف ایک بیوی رکھے۔ قرآن کا نام لے کر اس کے منہ کو پورا کرنے کی یہ شکل قرآن کے کس لفظ یا اشارے یا نحو سے اخذ کی گئی ہے کہ نکاح سے پہلے شوہر اپنی موجودہ بیوی سے رضامندی حاصل کرے اور ایک بیبیت کو اپنی ضرورت کا اطمینان دلائے“ ص ۱۰۹۔

اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ آیت ”فان حلفتم الا انفسطوا فی البیتامی“ میں اولیاء کو یتیم لڑکیوں سے کم مہر پر (یا بے رغبتی کے ساتھ) نکاح کرنے سے روک کر جو دوسری عورتوں سے

کیا ہے حالانکہ اس وقت مکہ میں کوئی کافر نہ تھا، پورا امن و امان تھا اور اس جگہ ”فان حلفتم الا تعدلوا فواحدة“ (اور اگر تم کو چند بیویوں میں بے انصافی کا خوف ہو تو بس ایک ہی سے نکاح کرلو) میں اگر انشاء شرط سے انشاء مشروط کو لازم کیا جائے گا تو مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص کو چند بیویوں میں بے انصافی کا اندیشہ نہ ہو اس کو ایک عورت سے نکاح جائز نہیں، بلکہ ایک سے زیادہ نکاح کرنے چاہئیں اور فقہاء اس طرف گئے بھی ہیں کہ اسلام میں اصل حکم تعدد ازواج ہے۔ ایک نکاح پر اکتفاء کرنا خاص حالت میں ہے جب دو تین میں عدل نہ کر سکے۔ ملاحظہ ہو تفسیر مظہری ج ۲، ص ۹۔

### تعدد ازواج کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے

مصنف کتابچہ کے نزدیک جواز تعدد ازواج اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یتیموں، بیواؤں کا مسئلہ معاشرہ میں موجود ہو اور بغیر تعدد ازواج کے حل نہ ہو سکے اس پر علاوہ اس اعتراض کے معاشرہ میں یتیموں، بیواؤں کا مسئلہ موجود ہونے اور بغیر تعدد ازواج کے حل نہ ہو سکے پر قرآن کا کوئی لفظ دال نہیں اور قرآن میں اس کا اضافہ غلط ہے، دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس شرط سے یہ کیونکر لازم آیا کہ معاشرہ میں ایسا مسئلہ موجود نہ ہو تو تعدد ازواج حرام ہے اس کے لئے مستقل دلیل کی ضرورت ہے، آیت کا حاصل اس صورت میں یہ ہوگا کہ جو بشرط کی صورت میں تو تعدد ازواج یقیناً جائز ہے اگر شرط فوت ہو تو آیت اس کے حکم سے ساکت ہے اور عمل سلف سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تعدد ازواج پر ہر حال میں عمل کیا ہے خواہ معاشرہ میں یتیم اور بیوہ عورتوں کا مسئلہ درپیش ہو یا نہ ہو، اسی کو چودہ علماء نے اس عنوان سے بیان کیا تھا کہ ”قرآن جن انبیاء کو خدا کے مقرر کردہ امام اور پیشوا اور مقتدا قرار دیتا ہے ان میں سے بیشتر تعدد ازواج پر عامل تھے، خود سوراخیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد بیبیاں تھیں۔ پھر آپ کے چاروں خلفاء، بیشتر صحابہ، اکثر ائمہ اہل بیت اور اسلامی تاریخ کے بیشتر اکابر جن پر مسلمانوں کو فخر ہے بیک وقت متعدد بیویاں رکھتے تھے، ان میں سے کس کس کے متعلق آپ ثابت کریں گے کہ ان کو ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی سخت ضرورت تھی؟ ص ۹۵۔

اس کو مصنف کتابچہ اسلاف کی آڑ لینا اور جذبات سے کام لینا قرار دیتا ہے اور اس کے جواب میں جہاد کی بہت سی آیتیں نقل کر کے دعویٰ کرتا ہے کہ ”جس قوم کا کیر کڑ ہی یہ رہا ہو..... (کہ برابر جہاد کرتی ہو) اس پر کبھی ایسا وقت بھی آسکتا ہے کہ اس کا معاشرہ یتیم لڑکیوں

نکاح کے لئے کہا گیا ہے اس میں قرآن نے دو قیدیں لگائی ہیں، ایک یہ کہ اپنی پسند کے موافق عورتوں کا انتخاب کریں (اسی لئے نکاح سے پہلے منکوحہ کو کسی طرح دیکھ لینا مستحب ہے) دوسرے یہ کہ منکوحہ چار سے زیادہ نہ ہوں، اس پر پہلی بیوی کی رضا مندی اور بچائیت کو مطمئن کرنے کی شرط بڑھانا قرآن پر زیادتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک تو حدیث خبر واحد سے بھی قرآن پر زیادت جائز نہیں۔ قیاس و رائے تو کس شمار میں ہے؟ اس پر مصنف کتابچہ کا یہ کہنا کہ ”اعتراض کا حاصل یہ ہوا کہ احتیاطی تدابیر اختیار نہیں کی جاسکتیں۔ مجرم کو جرم کے ارتکاب سے باز رکھنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے“ پھر کفر اور لائسنس وغیرہ کی مثالیں دیکر کئی صفحے بھر دیئے محض لغو ہے۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ اسلام میں تعدد از دواج ہی اصل ہے ایک بیوی پر کفایت کرنا خاص حالات میں ہے جبکہ دوسریوں میں عدل نہ کر سکے۔ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ ایک نکاح کرنے والے سے باز پرس کی جائے کہ وہ ایک بیوی پر کیوں قناعت کرتا ہے؟ تعدد از دواج پر عمل کرنے والے سے باز پرس کا کوئی حق نہیں کیونکہ وہ اصل حکم پر عمل کر رہا ہے، کوئی جرم نہیں کر رہا اگر بعد میں کوئی شکایت عدالت میں پہنچے تو باز پرس کا حق ہے کیونکہ نکاح امور تشرعیہ میں سے ہے جن میں دخل دینے کا حکام کو اس وقت تک حق نہیں جب تک کسی جرم کا ارتکاب نہ ہو۔ مصنف نے جتنی مثالیں دی ہیں وہ سب امور انتظامیہ سے متعلق ہیں جن میں دخل دینے کا امراء و مسالین کو اختیار دیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ عاشرہ)

### تعدد از دواج کا تعلق جہاد سے نہیں

پھر یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ ”ہمارے اسلاف مجاہد تھے وغیرہ وغیرہ، اس لئے ان کے معاشرہ میں یتیم لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کا مسئلہ ہر وقت موجود رہتا تھا ان کو تعدد از دواج کی ضرورت تھی۔ اب یہ حالت نہیں رہی“ الخ ص ۱۰۳۔

اسلامی تاریخ کا مطالعہ بھی لازم تھا، یہ آیت جنگ بدر کے بعد حیات رسول میں نازل ہوئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس سالہ زمانہ جہاد میں تین چار سو سے زیادہ مسلمان شہید نہیں ہوئے، اتنی موتیں تو پاکستان کے ایک شہر میں ایک سال کے اندر ٹریفک اور ریلوے، جہاز وغیرہ کے حادثات اور چھپک، بلیریا، ٹائی فائیڈ، وق، ہارٹ ٹیل، ہیضہ، سیلاب اور بجلی کا کرنٹ لگ جانے سے ہوتی رہتی ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیا جائے کہ تعدد از دواج معاشرہ کی حالت مذکورہ پر موقوف ہے تو یہ کہنا غلط ہے کہ اب یہ حالت موجود نہیں۔ آج جہاد نہ کسی دوسری اوقات و مہلکات اور بلائیں پہلے سے زیادہ ہیں، اس کے بعد مفتی عہدہ وغیرہ کی تحریرات سے سہارا

لیہ ان لوگوں کو زیب نہیں دیتا جو نہ حدیث کو مانتے ہیں نہ اجماع کو، پھر مفتی عہدہ وغیرہ نے یہ کب کہا ہے کہ حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ تعدد از دواج پر قانونی پابندی عائد کر کے پہلی بیوی کی رضا مندی اور بچائیت کے اطمینان پر اسے موقوف کر دے۔ وہ صرف فتویٰ دے رہے ہیں کہ تعدد از دواج کی اجازت کو عیاشی کے طور پر عورتوں کے حقوق تلف کر کے استعمال کرنا حرام ہے۔ اس فتویٰ سے کسی عالم کو بھی اختلاف نہیں کیونکہ حدیث صحیح میں ہے ”لَعَنَ اللَّهُ الذَّوْاقِينَ وَالذَّوَاقَاتِ“ (اللہ نے مزہ چکھنے والے مردوں اور مزہ چکھنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے) اس کو مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں۔

### طلاق کے احکام

طلاق کے معنی شرعاً رفع قید النکاح (نکاح کی قید کو دور کرنا) ہے، جو کہ نکاح امور تشرعیہ میں سے ہے جس کا ثبوت وید یا گیا ہے تو طلاق بھی امور تشرعیہ میں سے ہے، جب تک ان کی طرف مرافعہ نہ کیا جائے اور فساد کا اندیشہ نہ ہو حکومت مداخلت نہیں کر سکتی۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ عاشرو) اس پر مصنف کتابچہ کا یہ کہنا کہ ”آیت نمبر ۳۵“ وان حلفتم شقاق بینہما فابعدوا حکما من اہله و حکما من اہلہا الا یہ“ میں فرمایا ہے ”اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ میاں بیوی میں تفرقہ پڑ جائے گا تو ایک شیخ شوہر کے کنبہ سے مقرر کرو اور ایک شیخ بیوی کے کنبہ میں سے اور دونوں اصلاح حال کی کوشش کریں“ قرآن کریم کی رو سے یہ حکم کہ بچائیت یا عائلی کونسل، بشائیں اسلامی حکومت کو ظاہر ہے کہ اس حکم کی اطاعت ضروری ہے“

پہلے اس کو ثابت کرو کہ یہ امر واجب کے لئے ہے کیونکہ قرآن میں قرض کے لین دین میں اور بیع و شرا میں کتابت اور گواہ کرنے کا حکم ہے اور اس کو کسی نے فرض نہیں کہا، سب نے انتخاب و اعتیاد پر ہی محمول کیا ہے، یہاں بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ امر انتخابی ہے وجوبی نہیں اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس معاملہ میں مداخلت کرے (فریقین یا ان میں سے کسی ایک کے مرافعہ کے بعد اس سے پہلے نہیں) شوہر کا یہ فرض ہوگا کہ ایسی صورت پیدا ہو جانے پر وہ حکومت یا اس کے مقرر کردہ افسر کو اطلاع دے یہ قرآن کے کس لفظ سے معلوم ہوا، اگر ”فابعدوا“ کا خطاب زوجین کو ہے تو حکومت کو اس سے کچھ واسطہ نہیں، زوجین خود ہی بچائیت بلائیں گے اور اگر حکومت کو خطاب ہے تو وہ فریقین یا کسی ایک کے مرافعہ کے بعد ہی شیخ مقرر کر سکتی ہے پہلے نہیں، دلیل آگے آتی ہے۔

### آیت ”فابعدوا“ کا مخاطب کون ہے؟

امام ابو بکر صمصامی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ”اس میں اختلاف ہے کہ اس



آیت کا مخاطب کون ہے؟ سعید بن جبیر اور ضحاک سے روایت ہے کہ اس کا مخاطب سلطان ہے جس کی طرف زوجین مراۃ کریں۔ (ص ۳۰) اس سے صاف معلوم ہوا کہ مراۃ سے پہلے سلطان اس کا مخاطب نہیں۔ امام جصاص نے سعید بن جبیر کی روایت کو آگے چل کر سند کے ساتھ مفصل بیان کیا ہے کہ جو عورت (شوہر سے) طلع کرنا چاہے تو شوہر اس کو سمجھائے اگر اس سے باز نہ آئے تو اس کے پاس سونا چھوڑ دے، اگر اس سے بھی باز نہ آئے تو مار کر سیدھا کرے، اس سے بھی باز نہ آئے تو مقدمہ حاکم کے پاس لے جائے، اس کے بعد حاکم ایک شیخ شوہر کے خاندان سے ایک شیخ بیوی کے خاندان سے مقرر کرے۔ الخ (ج ۲، ص ۲۳۱)۔

اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ طلاق سے پہلے یا طلاق کے بعد شوہر کے ذمہ یونین کونسل کے چیئر مین یا عائلی کونسل کو اطلاع دینا فرض ہے جبکہ ”فابعثوا حکما من اہلہ“ کا مخاطب زوجین میں سے کوئی بھی نہیں بلکہ خطاب حکام کو ہے اور حکام زوجین کے خاندانوں سے دو شیخ اسی وقت مقرر کریں گے جب وہ دونوں یا ان میں سے ایک فریق عدالت سے مراۃ کرے، حضرات چودہ علماء کا مطلب بھی یہی ہے کہ قرآن کریم میں جہاں میاں بیوی کے اختلافات رفع کرنے کی صورت بیان کی گئی ہے وہاں شوہر پر کسی حاکم یا کونسل کو اطلاع دینا فرض نہیں کیا گیا، صرف حکام کو حکم دیا گیا ہے کہ جب ان سے مراۃ کیا جائے تو وہ زوجین کے کنبہ سے ایک ایک شیخ مقرر کر کے اصلاح کی کوشش کریں ”کوئی قانونی فہم رکھنے والا ان احکام کو پڑھتے ہوئے قطعاً یہ محسوس نہیں کر سکتا کہ یہاں شوہر کے حق طلاق کو کسی پتچایت یا عدالت کے سامنے پیش کرنے اور اس کا فیصلہ حاصل کرنے سے متقید کیا گیا ہے۔“ (ص ۱۳۳) اس پر مصنف کا مولانا ابوالکلام آزاد کے تفسیری نوٹ سے سہارا لیتا ڈوبے کو تنکے کا سہارا ہے۔

مولانا آزاد نے آیت ”وان حنفم الانفسطوا فی البیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء“ کے ترجمہ میں فرمایا تھا کہ ”اور دیکھو اگر تم نکاح کرنا چاہو (اور تمہیں اندیشہ ہو کہ ختم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف نہ کر سکو گے تو انہیں اپنے نکاح میں نہ لاؤ بلکہ) جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کر لو (یعنی دوسری عورتوں سے نکاح کر لو) الخ“ (ص ۸۵) وہاں تو یہ کہا گیا تھا کہ ”مولانا آزاد کے ترجمہ میں جو الفاظ انہوں نے بین القوسین بڑھائے ہیں وہ تو خود مولانا آزاد کے ہیں، قرآن کے الفاظ نہیں لہذا انہیں تو چھوڑ دیجئے“ (ص ۸۷) اور تم جو کچھ اپنی طرف سے بڑھاتے چلے جاؤ وہ قرآن کے الفاظ ہیں اور مولانا آزاد کے تفسیری نوٹ بھی قرآن کے الفاظ

ہیں۔ انسانوں کو کچھ تو شرم و حیا کا لحاظ کر کے بات کرنا چاہیے، یہ کون کہتا ہے کہ عائلی اور پتچایت کا طلاق سے کچھ تعلق نہیں؟ سوال یہ ہے کہ قرآن کے کس لفظ سے تم نے یہ سمجھا کہ شوہر کو طلاق سے پہلے یا بعد میں یونین کونسل کے صدر یا عائلی کونسل یا عدالت کو اطلاع دینا اور حکام کو مراۃ سے پہلے ہی زوجین کے معاملات میں دخل دینا فرض ہے؟ قرآن میں ”فان حنفم شقاق بینہما“ فرمایا ہے کہ اے حکام اگر تم کو زوجین کے درمیان باہم بغض یہاں خوف ڈر کے معنی میں نہیں بلکہ اندیشہ کے معنی میں ہے جس کو علم یا قنن سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، علم یا قنن ہو (الخ) اور ظاہر ہے کہ یہ علم یا قنن مراۃ کے بعد ہی ہو سکتا ہے پہلے نہیں ہو سکتا، پھر تم نے یہ کہاں سے نکالا کہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ (مراۃ سے پہلے ہی) اس معاملہ میں مداخلت کرے، محض بھی اس کو گوارا نہیں کر سکتی کیونکہ بہت ممکن ہے کہ مرد کو بیوی کی بد چلتی کی وجہ سے نفرت ہو یا بیوی کو شوہر کی شراب خوری، ریشی بازی یا نامردی کی وجہ سے بغض ہو اور وہ ان معاملات کو عدالت یا عائلی کونسل کے سامنے لانا نہیں چاہتے۔ شوہر خاموشی کے ساتھ طلاق دے کر بیوی کو الگ کر دینا چاہتا ہے اور بیوی مہر معاف کر کے طلع کر لینا چاہتی ہے تو عدالت یا عائلی کونسل اس میں دخل دینے والی کون ہے؟

پھر مولانا آزاد کے تفسیری نوٹ سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ اس آیت کا مخاطب حکام کو نہیں بلکہ اولیاء خاندان کو سمجھتے ہیں۔ یہی حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں اختیار فرمایا ہے، ان کا ترجمہ عبارت بین القوسین کے ساتھ ملاحظہ کیا جائے فرماتے ہیں ”اور اگر (قرآن سے اوپر والوں کو) ان دونوں میاں بی بی میں (ایسی کشاکش کا) اندیشہ ہو (کہ اس کو وہ باہم نہ سلجھائیں گے) تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی (ایسا ہی) عورت کے خاندان سے (جو یز کر کے اس کشاکش کے رفع کرنے کے لئے ان کے پاس) بھیجو (کہ وہ جا کر تحقیق حال کریں اور جو بے راہی پر ہو یا دونوں کا کچھ کچھ قصور ہو سمجھا دیں)“

پھر نوادہ میں تحریر فرماتے ہیں ”(مسئلہ) یہ فیصلہ واجب ہے اگر زوجین حکام سے رجوع کریں اور دوسروں کے لئے مستحب ہے اور ”نفید من اہلہ و اہلہا“ سب کے لئے مستحب ہے“ (ص ۱۱۵، ج ۲) اس سے مصنف کتابچہ کی ساری نئی بنائی عمارت منہدم ہو گئی۔

آیات طلاق کا منشا و مقننوں سے طلاق دینا ہے یا بیک وقت؟

اس کے بعد حیا و شرم کو بالائے طاق رکھ کر تمام فقہاء اور محدثین پر اعتراض کیا گیا ہے کہ

”اتنی بات تو تمام فقہاء و محدثین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیات طلاق کا منشا و مقول کے ساتھ طلاق دینا ہے، بیک وقت طلاق دے دینا نہیں، انہوں نے اس کے لئے یہ صورت تجویز فرمائی ہے کہ یہ مختلف طلاقیں مختلف اوقات میں ایک ایک دفعہ کے ساتھ ہونی چاہئیں، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ طلاقیں کافی وقفہ سے دوسرے رجوع کر کے یا تجدید نکاح کر کے از سر نو نباہ کی کوشش کرنے اور ہر مرتبہ ناکامی کے بعد یکے بعد دیگرے ہونی چاہئیں، آپ دیکھ چکے ہیں کہ پہلی صورت اپنے اندر کوئی معنویت نہیں رکھتی، لہذا یہ دوسری صورت ہی متعین ہوگی“ (ص ۱۳۲) مگر منکر حدیث کا فرض ہے کہ جو صورت وہ تجویز کر رہا ہے قرآن کے الفاظ سے ثابت کرے۔ قرآن سے تو نہ وہ صورت مفہوم ہوتی ہے جو فقہاء نے بیان کی ہے نہ وہ صورت جو تم نے بیان کی، البتہ فقہاء و محدثین نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح حدیث سے ثابت ہے، اب اگر تم کو ہمت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کرو کہ جو صورت آپ نے بتلائی ہے وہ اپنے اندر کوئی معنویت نہیں رکھتی۔ نسائی نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ”طلاق سنت وہ طلاق ہے جو حالت طہر میں دی جائے جس میں ہمسری نہ ہوگی ہو، پھر جب حیض آکر پاک ہو جائے دوسری طلاق دیدے، پھر حیض آکر پاک ہو جائے تو تیسری طلاق دیدے، اس کے بعد پھر ایک حیض آنے سے عدت پوری ہو جائے گی، اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں، اور محمد بن یحییٰ شیخ التسانی ثقہ حافظ ہے“ (ص ۹۹، ج ۲) اور صحابی کا کسی امر کو سنت کہنا حدیث مرفوعہ کے مثل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہی صورت بتلائی تھی ”السنة ان تستقبل الطهر فتطلق لكل قسراً“ سنت یہ ہے کہ طہر کا انتظار کیا جائے پھر ہر طہر میں طلاق دی جائے، اس کو طہرائی اور دار قطنی نے روایت کیا ہے، طہرائی کی سند حسن ہے اور دار قطنی کی صحیح ہے (اعلام السنن ج ۱۱، ص ۹۷)

پھر اس میں معنویت کیوں نہیں ہے؟ جو شخص تین طہروں میں ایک ایک طلاق دے گا سوچ سمجھ کر انجام پر نظر کر کے دے گا، وہ تین طلاق دے کر نادم نہ ہوگا، اس کو طلاق سنت اور طلاق مسنون، طلاق بدعت کے مقابلہ میں کہا گیا ہے کہ ایک ہی طہر میں یا ایک ہی مجلس میں تین طلاق دیدے کہ یہ گناہ بھی ہے اور بعض دفعہ موجب مدامت بھی ہوتا ہے۔ باقی اس پر سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ طلاق کی بہترین صورت یہی ہے کہ صرف ایک طلاق دیکر تین حیض عدت کے گزرنے دے اس درمیان میں اگر بیوی کا دماغ درست ہو جائے رجوع کر لے ورنہ عدت پوری ہونے پر نکاح ختم ہو جائے گا اور جو صورت فقہاء و محدثین نے تفریق طلاق کی بتلائی ہے وہ کم سے کم وقفہ ہے ان

کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس سے زیادہ وقفہ کرنا سنت کے خلاف ہے اگر حالات زیادہ وقفہ کے متقاضی ہوں زیادہ وقفہ سے بھی کوئی منع نہیں کرتا، ان کا مطلب یہ ہے کہ دو طلاقیں کے درمیان ایک حیض سے کم وقفہ نہ ہونا چاہیے، مگر جو لوگ فقہاء کا کلام بھی نہیں سمجھتے حیرت ہے وہ قرآن مجید کا دعویٰ کرتے ہوئے کیوں نہیں شرماتے؟

### دوسرے مہینہ کی دوسری طلاق عیث نہیں ہے

رہا یہ دعویٰ کہ ”دوسرے مہینہ کی دوسری طلاق تو بالکل ہی عیث ہے اس سے تو کوئی نتیجہ مرتب ہی نہیں ہوتا جیسا اسی طلاق کے بعد عدت کے اندر شوہر رجوع کر سکتا تھا دوسری طلاق کے بعد بھی کر سکتا ہے“ (ص ۱۳۹) ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاق دینے کا طریقہ یہی بتلایا ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دے، دوسرے طہر میں دوسری اگر یہ عیث ہے تو حضور ہی سے پوچھو کہ یہ دوسری طلاق کیسی؟ پھر اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کو ایک دو تین طلاق کی حقیقت ہی معلوم نہیں، دراصل طلاق ایک قسم کا وارننگ ہے، دوسری طلاق دوسرا وارننگ ہے جس سے عورت کو معلوم ہو جاتا ہے کہ بس ایک وارننگ اور باقی ہے اس کے بعد میں اس شوہر سے تجدید نکاح بھی نہیں کر سکوں گی اگر وہ اس کو گوارا نہیں کرتا چاہتی تو دوسری وارننگ میں شوہر کو راضی کرنے کی کوشش کرے گی تاکہ وہ رجوع کر لے یا کم از کم تیسری وارننگ ندے۔

رہا یہ دعویٰ کہ ”طلاق معاہدہ نکاح کے فسخ کا اعلان ہے، اس فسخ معاہدہ کا اعلان ایک مرتبہ کرے یا ہزار مرتبہ کرے معاہدہ ایک ہی مرتبہ فسخ ہوگا۔ معاہدہ ایک ہے اس کا فسخ بھی ایک ہی ہے..... لیکن ایک ہی مجلس میں اگر شوہر طلاق کے الفاظ تین مرتبہ بول دیتا ہے تو اسے کوئی عاقل شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے تین مرتبہ معاہدہ فسخ کر دیا ہے“ (ص ۱۳۲)۔

یہ مصنف کتا چکی کج فہمی ہے، وہ جانتا ہے کہ نکاح عدت گزرنے سے فسخ ہوتا ہے اور طلاق دراصل وارننگ ہے، لفظ طلاق سے نکاح فسخ نہیں ہوتا، تیسری طلاق کے بعد بھی عدت کے اندر عورت کسی اور سے نکاح نہیں کر سکتی چونکہ نکاح کا معاملہ ہم ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ یہ وارننگ وقفہ سے دیا جائے لیکن اگر کوئی ایک ہی مجلس میں تین دفعہ دیدے تو اس کو ایک وارننگ نہیں کہا جائے گا، ہر عاقل اس کو تین وارننگ کہے گا، چنانچہ عام محاورات میں بھی کبھی تین وارننگ وقفہ سے ہوتے ہیں اور کبھی ایک ہی مجلس میں کہہ دیتے ہیں، بس ایک دو تین.....

### عہد رسالت میں تین طلاقوں کو ایک شمار کرنا

اس کے بعد مصنف نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں“ (ص ۱۳۳)

پھر انہوں نے تین طلاقوں کو نافذ کر دیا نیز دعویٰ کیا ہے کہ ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد کے حالات کے پیش نظر سیارہ ایسا کیا تھا اگر وہ حالات آج باقی نہیں ہیں تو اس حکم کے باقی رکھنے پر اصرار کرنا سراسر زیادتی ہے“ (ص ۱۳۳)

پھر علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارت کا طویل ترجمہ کر کے بعض دیگر صحابہ اور امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ وہ بھی تین طلاق کو ایک شمار کرتے تھے، افسوس ہے کہ اس مسئلہ میں فتاویٰ ابن تیمیہؒ کا سہارا لے لیا گیا اور امام بھصامؒ رازیؒ کے احکام القرآن کو چھوڑ دیا گیا جس سے اب تک جھگڑتے آرہے تھے، حالانکہ وہ ابن تیمیہؒ سے بہت مقدم ہیں اور حنفیہ میں مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے ہیں، انہوں نے تین طلاق کو تین شمار کرنے کی دلیل آیات و احادیث و اقوال سلف سے بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ”کتاب وسنت اور اجماع سلف اس بات کو واجب کرتا ہے کہ تین طلاق ایک ساتھ بھی دی جائیں تو تین ہی واقع ہوں گی اگرچہ ایسا کرنا گناہ ہے، ابو الولید باجی نے ”مستقی“ میں فرمایا ہے کہ جو شخص ایک لفظ سے تین طلاق دے گا تین طلاق لازم ہوں گی، تمام فقہاء اس کے قائل ہیں، صحابہ کا بھی اس پر اجماع ہے۔ حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عمران بن حصینؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے ایسا ہی مروی ہے اور ان کے خلاف کسی کا قول نہیں، ابو بکر ابن العربیؒ نے حدیث ابن عباسؓ پر (جو مسلم و ابوداؤد نے روایت کی ہے) کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ ”اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے اس کو اجماع پر کیسے مقدم کیا جاسکتا ہے؟ اور محمود بن لبیدؒ کی حدیث اس کے معارض ہے اس میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی نے تین طلاق ایک دم دی تھیں تو آپ نے اس کو نافذ کیا رو نہیں کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر نفع ہوتا بھی بتلاتا ہے کہ تین واقع ہو گئی تھیں۔“

### تین طلاقوں سے تین واقع ہونا متفق علیہ ہے

ابو بکر بن العربیؒ حافظ حدیث اور بڑے وسیع الشکر محدث ہیں، حافظ ابن عبد البر نے تمہید

اور کتاب الاستدکار میں اس مسئلہ پر کثرت سے دلائل بیان کئے اور اجماع ثابت کیا ہے اور فقہاء میں (۲۰) سے زیادہ نہیں ہیں اور ہم نے اکثر سے تین طلاق سے تین کا واقع ہونا صراحتاً ثابت کر دیا ہے اور ان کے خلاف کسی کا قول ظاہر نہیں ہوا۔ اب حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا رہ گیا؟ اسی لئے اگر کوئی حاکم یہ فیصلہ کرے کہ ایک لفظ سے تین طلاق کو ایک ہی شمار کیا جائے گا اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں، اس کو اختلاف نہ کہا جائے گا بلکہ اجماع کے خلاف کہا جائے گا اور حافظ ابن رجب حنبلیؒ جن کو ذیل تذکرۃ الحفاظ میں امام، حافظ، حجت کہا گیا ہے حنابلہ میں سب سے زیادہ ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ معتقد اور قبیح تھے۔ پھر بہت سے مسائل میں ان کی قلعہ روش کا یقین کر کے ان سے بے زار ہو گئے اور اسی مسئلہ طلاق میں ایک مستقل کتاب بنام ”بیان مشکل الاحادیث الواردة فی ان الطلاق الثلاث واحدة“ ان دونوں کے رد میں لکھی جس میں ان لوگوں کے لئے عبرت ہے، جو ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ کے شور و شغب سے دھوکہ میں آجاتے ہیں، ابن رجب اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ صحابہ اور تابعین اور ائمہ سلف میں سے جن کا قول حلال و حرام کے فتاویٰ میں مانا جاتا ہے کسی سے بھی صراحتاً اس قسم کی کوئی بات ثابت نہیں ہوئی کہ ”عورت مدخول بہا کو ایک لفظ سے تین طلاق دی جائیں تو ایک شمار ہوگی“۔ حافظ جمال بن عبدالہادی حنبلیؒ نے اپنی کتاب ”اسیر المحاث فی علم الطلاق الثلاث“ میں فرمایا ہے کہ تین طلاق سے تین ہی واقع ہوں گی۔

امام احمد کا صحیح مذہب یہی ہے، اب وہ عورت اس شوہر کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے، یہی قول امام احمدؒ کے اکثر اصحاب کی کتابوں میں جزم و یقین کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جیسے الخرقی، المتق، المحرر، الہدایہ وغیرہ، اشرم امام احمدؒ کے شاگرد خاص، بڑے محدث اور فقیہ ہیں کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے دریافت کیا آپ عبداللہ بن عباسؓ کی اس حدیث کو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تین طلاق ایک ہی تھی کس دلیل سے رد کریں گے؟ فرمایا طاؤسؓ کے علاوہ دوسرے سب لوگوں کی روایت سے کہ ابن عباسؓ تین طلاق کو تین ہی سمجھتے تھے۔ مغنی (ابن قدامہ) میں جزم کے ساتھ اسی کو بیان کیا ہے، اکثر فقہاء (حنابلہ) نے اس کے سوا دوسرا قول نہیں بیان کیا۔

ابن رجب کی مراد اکثر کتب سے حقد میں کی کتابیں ہیں متاخرین کی نہیں جو احمد بن تیمیہؒ کے بعد ہوئی اور ان کی باتوں سے دھوکہ میں پڑ گئے، ان کے اقوال کو امام احمدؒ کے مذہب میں شمار نہ



کیا جائے گا۔ ترمذی کے شیخ اسحق بن احمد نے بھی مسائل احمد میں وہی بیان کیا ہے جو اشرم نے ذکر کیا بلکہ امام احمد نے مسدود بن مسدد کو سنت کے متعلق جو خط لکھا تھا اس میں تین طلاق کو ایک طلاق شمار کرنا اہل سنت کے مذہب سے خروج قرار دیا ہے (یعنی یہ قول اہل سنت والجماعت کا نہیں بلکہ اہل ابواء کا ہے) فرماتے ہیں کہ جس نے ایک لفظ سے تین طلاق دی اس نے جہالت کی اور اس پر اس کی بیوی حرام ہوگئی جب تک کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے، اھ۔

قاضی ابوالحسن بن ابی یعلیٰ حنبلی نے طبقات حنابلہ میں مسدد بن مسدد کا ذکر کرتے ہوئے امام احمد کے اس جواب کو سند قول کے ساتھ بیان کیا ہے جس پر حنابلہ کو پورا اعتماد ہے۔ امام احمد نے اس کو اہل سنت کی علامت اس لئے فرمایا کہ روافض اس میں اختلاف کرتے اور مسلمانوں کے نکاحوں سے کھیل کرتے ہیں، امام کبیر ابوالوفا ابن عقیل حنبلی نے اپنی کتاب ”الترکۃ“ میں فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے یوں کہے تجھے تین طلاق مکرر دو۔ اس صورت میں تین طلاق واقع ہو جائیں گی کیونکہ اس نے اکثر کو مستحکم کیا ہے اور ایسا استثناء صحیح نہیں، ابوالبرکات محمد الدین عبدالسلام ابن تیمیہ مؤلف منہجی الاخبار اپنی کتاب ”المحرر“ میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے دو طلاق یا تین طلاق ایک لفظ سے یا چند لفظوں سے دی ایک طہر میں یا چند طہروں میں سب واقع ہو جائیں گی، یہی سنت (یعنی اہل سنت کا مذہب) ہے۔ ان کے پوتے احمد بن تیمیہ ان سے یہ روایت کرتے ہیں کہ وہ تین طلاق کو ایک قرار دیتے تھے مگر ان کی کتاب ”المحرر“ کے الفاظ تمہارے سامنے ہیں ہم کیسے مان لیں کہ جو مسئلہ وہ اپنی کتاب میں صراحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہوں گے؟

شافعیہ کا مسلک تو اس باب میں بہت مشہور ہے کہ تین طلاق سے تین ہی واقع ہوتی ہیں ابو الحسن بنی اور کمال زلمکانی اور ابن جمیل اور عمر ابن جماد وغیرہ نے اس مسئلہ میں ابن تیمیہ کے رد میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ علامہ ابن حزم ظاہری کو اقوال شاذہ اختیار کرنے کا بہت شوق ہے مگر اس مسئلہ میں ان کو بھی جمہور سے مخالفت کی گنجائش نہیں ملی بلکہ حنبلی میں (ایک لفظ سے تین طلاق دینے میں) تین طلاق واقع ہو جانے کی بہت دلیلیں بیان کی ہیں جس کا مطالعہ بہت ضروری ہے تاکہ ان لوگوں کی گمراہی معلوم ہو جائے جو اس کے خلاف کہتے ہیں۔ اس تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ صحابہ و تابعین اور تمام امت کا اس پر اجماع اور احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ ایک لفظ کے ساتھ تین طلاق دینے سے تین ہی واقع ہوں گی، اس کے خلاف کی اصلاً گنجائش نہیں، حافظ ابن حجر نے صحیح

الباری میں اس مسئلہ پر بحث کو اس بات پر ختم کیا ہے کہ ”اس مسئلہ میں اختلاف کی نظیر حصہ نکاح کا مسئلہ ہے، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں اور ابتداء خلافت عمرؓ تک لوگ حد کرتے تھے، پھر ہم کو حضرت عمرؓ نے منع کر دیا تو ہم اس سے رک گئے، ان دونوں مسئلوں میں صحیح یہی ہے کہ حد حرام ہے اور تین طلاق سے تین واقع ہوں گی، کیونکہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس پر اجماع ہو چکا ہے اور اس کے خلاف اس زمانہ میں کسی کا قول ثابت نہیں۔ ان کا اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ اہل اجماع کے پاس اس باب میں نص موجود تھی، اگرچہ بعض کو اس کا علم نہ ہو یہاں تک کہ خلافت عمرؓ میں سب کے سامنے نص ظاہر ہوگئی، اس کے بعد جو شخص اجماع کے خلاف بات کہے وہ اجماع کو نظر انداز کر رہا ہے اور اجماع کے بعد اختلاف پیدا کرنے کا کسی کو حق نہیں (ص ۳۱۹، ج ۹)۔

اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ جیسے حد کی حرمت اجماعی ہے اسی طرح ایک لفظ کے ساتھ تین طلاق سے تین طلاق کا واقع ہونا بھی اجماعی مسئلہ ہے، ان دونوں مسئلوں میں صرف شیعہ نے اختلاف کیا ہے اور کسی نے نہیں۔ اور ابن المغیث نے جو ”کتاب الوفاق“ میں محمد بن الوضاح کے حوالہ سے حضرت علی و ابن مسعود و عبدالرحمن بن عوف کا قول اس کے خلاف نقل کیا ہے تو ابن المغیث طبعی متوفی ۴۰۹ھ/۱۰۱۸ء نقل میں معتدل علیہ نہیں، نہ اس کو مسائل فقہیہ کی زیادہ سمجھ بوجھ ہے، اس کا یہ قول کہ ”طالق لثلاث“ کے کچھ معنی نہیں کیونکہ وہ خبر دے رہا ہے، الخ۔ خود اس کی دلیل ہے کہ اس نے فقہ اور فہم کی یو بھی نہیں سمجھی (کیونکہ نکاح میں بھی تو ایجاب و قبول بے خبری ہوتا ہے اور سب نے اس کو انشاء قرار دیا ہے اسی طرح یہاں بھی خبر نہیں بلکہ انشاء ہے) پھر اس نے بلاسندان روایات کو محمد بن وضاح کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ دونوں کے درمیان بڑا فاصلہ ہے تو ابن مغیث پر کیسے اعتماد کر لیا جائے؟ علماء ناقدین ائلس کے نزدیک تو اس کا جہل اور علمی سقوط ضرب الغل ہے، ملاحظہ ہو امام ابو بکر ابن العربی کی کتاب ”القوام والعوام“ جس میں انہوں نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ آج کل فضائو ائلس اس حدیث کا مصداق ہیں ”اتخذ الناس رؤسا جہالاً فافتوا بغیر علم فضلو واضلوا“ لوگوں نے جاہلوں کو بڑا بنا لیا، وہ بغیر علم کے فتویٰ دینے لگے، خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ چنانچہ کہتے ہیں فلاں طبعی، فلاں مجربطی نے اور ابن مغیث نے یہ کہا، خدا اس کی دعا قبول نہ کرے، نہ اس کی امیدوں کو پورا کرے، یہ لوگ ہمیشہ الٹا چلتے ہیں، اھ۔

جن مستند کتابوں میں سند کے ساتھ اقوال صحابہ و تابعین بیان کئے گئے ہیں ان میں جمہور امت کے خلاف کوئی بات بھی ان حضرات سے منقول نہیں بلکہ حضرت علی و ابن مسعود و عبدالرحمن بن عوف سے صحیح سند کے ساتھ وہی روایت ہے جو جمہور کے موافق ہے۔ فقہاء عراق حضرت علی و ابن مسعود کا سب سے زیادہ اتباع کرنے والے ہیں، اس مسئلہ میں وہ سب جمہور کے موافق ہیں ملاحظہ ہوسن اہل تعقی و محلی ابن حزم و دارقطنی وغیرہ۔ پس محمد بن وضاح کے حوالہ سے ان حضرات کے اقوال بیان کئے جاتے ہیں اول تو ابن وضاح کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں کیونکہ اس کا راوی "ابن مغشث" مجروح ہے اور بلا سند نسبت کر رہا ہے، سند بیان نہیں کرتا، دوسرا اگر اس حوالہ کو صحیح بھی مان لیا جائے تو محمد بن وضاح ہی کی ان محدثین عظام کے سامنے کیا قدر و قیمت ہے؟ اس کی نسبت حافظ ابوالولید فرمائی کہتے ہیں کہ وہ فقہاء عربیت سے جا مل تھا، بہت سی صحیح احادیث کو رد کر دیتا تھا، ایسا شخص عوام میں شمار ہوتا ہے اگرچہ کتنا ہی صاحب روایت ہو تو اس طبعی اور مجرب طبعی جیسے مہمل لوگوں کی رائے بیان کرنا ایسے ہی لوگوں کا کام ہے جن کو اور کوئی کام نہ ہو۔

### طلاق کے متعلق حدیث ابن عباس کا جواب

رہی یہ حدیث کہ عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور خلافت صدیقؓ اور دو سال تک خلافت عمر فاروقؓ میں تین طلاق ایک ہی تھی، حضرت عمرؓ نے فرمایا لوگ اس کام میں جلدی کرنے لگے جس میں توقف کرنا چاہیے تھا تو اب ہم ان پر تین کو نافذ کر دیں، چنانچہ اس کو نافذ کر دیا، طاؤسؓ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ابوالصہبہؓ نے ابن عباسؓ سے کہا "ہات من ہنائک" "لائیے اپنی خرافات؟ کیا تین طلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کے عہد میں ایک نہ تھی؟ فرمایا ہاں ایسا ہی تھا، پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ پے در پے طلاق دینے لگے تو انہوں نے تین کو نافذ کر دیا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ ابوالصہبہؓ نے ابن عباسؓ سے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں اور تین سال تک خلافت عمرؓ میں تین طلاق کو ایک شمار کیا جاتا تھا؟ ابن عباسؓ نے فرمایا، ہاں یہ سب روایات مسلم ہیں۔

حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث نے اس کا دو طرح سے جواب دیا ہے۔ ایک امام احمدؒ کے مسلک پر کہ وہ سند حدیث میں کلام کرتے اور اس کو شاذ قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ تھا طاؤسؓ کی روایت ہے، عبداللہ بن عباسؓ کے اصحاب میں سے کسی نے اس کی موافقت نہیں کی بلکہ حضرت ابن عباسؓ سے تو اتر کے ساتھ منقول ہے کہ ایک لفظ سے تین طلاق کو وہ تین

ی قرار دیتے تھے۔ (دوسرے) طاؤسؓ کے بیٹے سے کہ ابی نے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ جو شخص تم سے یہ کہے کہ طاؤسؓ تین طلاق کو ایک قرار دیتے تھے اس کو جھوٹا سمجھو، (تیسرے) طاؤسؓ نے یہ نہیں کہا کہ میں نے ابن عباسؓ سے سنا بلکہ کہتا ہے کہ ابوالصہبہؓ نے ابن عباسؓ سے یوں کہا اور یہ لفظ موجب انقطاع ہے، اس میں تصریح نہیں کہ میرے سامنے کہا اور صحیح مسلم میں بعض روایات منقطع بھی ہیں جن پر محدثین نے تنقید کی ہے۔ (چوتھے) یہ کہ ابوالصہبہؓ اگر عبداللہ بن عباسؓ کا مولیٰ ہو تو نسائی نے اس کو ضعیف کہا ہے اور اگر کوئی اور ہے تو بھول ہے۔ (پانچویں) اس حدیث کے بعض طرق میں یہ لفظ بھی ہے کہ ابوالصہبہؓ نے ابن عباسؓ سے کہا "ہات من ہنائک" "لائیے اپنی خرافات۔"

عبداللہ بن عباسؓ کے منہ پر کوئی صحابی بھی ایسا لفظ نہیں کہہ سکتا چہ جائے کہ غلام ایسی بات کہے اور وہ اس پر سکوت کر جائیں۔ (چھٹے) اگر ابن عباسؓ نے اس کا رد نہیں کیا تو گویا انہوں نے مان لیا کہ یہ بات خرافات کی قسم سے ہے پھر اس سے حجت پکڑنا کیسے صحیح ہوگا؟ جو زبانی نے کہا کہ یہ حدیث شاذ ہے، میں نے زمانہ قدیم میں اس کی بہت تحقیق کی مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔

حافظ ابن رجب کہتے ہیں کہ جب امت کسی حدیث کے رد پر اتفاق کر لے تو اس کو رد کر دینا اور اس پر عمل نہ کرنا واجب ہے، خود عبداللہ بن عباسؓ راوی حدیث سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کے خلاف فتویٰ دیا، اس علت کی بناء پر امام احمد و شافعیؒ نے اس روایت کو معلول قرار دیا جیسا ابن قدامہؒ نے "المغنی" میں ذکر کیا ہے، یہی ایک علت تھا کافی تھی اور جب اس کے ساتھ شد و بھی مل جائے اور اس کے انکار پر امت کا اجماع بھی ہو تو کیا پوچھتا؟ قاضی اسماعیلؒ نے احکام القرآن میں فرمایا ہے کہ طاؤسؓ باوجود اپنے علم و فضل و صلاح کے بہت سی منکر احادیث روایت کرتا ہے مجملہ ان کے یہ حدیث بھی ہے، پھر طاؤسؓ کے بیٹے نے صاف کہہ دیا ہے کہ جو کوئی یہ کہے کہ طاؤسؓ تین طلاق کو ایک شمار کرتے تھے اس کو جھوٹا سمجھو، معلوم ہوا کہ اس حدیث کا جو مطلب عام لوگوں نے سمجھا ہے اس پر نہ ابن عباسؓ کا عمل تھا نہ طاؤسؓ کا اور ابن القیمؒ نے جو یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ تین طلاق کے بارے میں اپنے فیصلے میں نادم ہوئے وہ بالکل غلط اور موضوع ہے، اس کی سند میں خالد بن یزید بن ابی مالک ہے جس کے بارے میں یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا ہے کہ وہ تھا اپنے باپ ہی پر جھوٹ نہیں بولتا بلکہ صحابہ تک پر بھی جھوٹی باتیں لگاتا ہے، اس کی کتاب "الذیات" اس قابل ہے کہ دفن کر دی جائے اھ۔ اس کے باپ نے حضرت عمرؒ کو ہرگز نہیں پایا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اس کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس سے صراحت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک لفظ سے تین طلاق کو ایک شمار کیا جاتا تھا، کیونکہ حدیث میں لفظ ”الثلاث“ آیا ہے یعنی تین، ظاہر ہے کہ اس سے ہر تین طلاق مراد نہیں ہو سکتیں کیونکہ تین طہروں میں تفریق کے ساتھ تین طلاقیں کسی کے نزدیک بھی ایک نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اس سے وہ تین مراد ہیں جو تین طہروں پر منقسم نہ ہوں۔ اس میں پھر احتمال ہے کہ ایک لفظ سے ہو یا تین لفظوں سے اور مدخول بہا کو دی جائیں یا غیر مدخول بہا کو۔ اگر غیر مدخول بہا کو تین لفظوں سے تین طلاق دی جائیں تو پہلے ہی لفظ سے وہ بائن ہو جائے گی دوسری اور تیسری طلاق لغو ہے کیونکہ محل ہی باقی نہ رہا اور اگر مدخول بہا کو تین لفظوں سے تین طلاق دی جائیں اور شوہر کہتا ہے کہ میں نے ایک کا ارادہ کیا تھا اور تین دفعہ تاکید کے لئے کہا تھا تو دیا اس کا قول مقبول ہے قصداً نہیں، ایک صورت یہ ہے کہ تین طلاق ایک لفظ سے یا تین لفظوں سے ایک مجلس میں دی جائیں۔ اگر حدیث کو اس پر محمول کیا جائے تو پھر دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ آج کل جس طرح تین طلاق دی جاتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر اور خلافت عمرؓ کے اوائل میں یہ صورت نہ تھی بلکہ اس وقت مسلمان ایک طلاق دیا کرتے تھے یا تین کو الگ الگ طہروں میں تقسیم کرتے تھے بعد میں ایک لفظ سے یا بغیر تفریق طہر کے تین طلاق دینے کا رواج ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مشورے سے ان کو نافذ کر دیا۔ ایک احتمال یہ ہے کہ جس طرح آج کل ایک لفظ سے یا ایک طہر میں تین لفظوں سے تین طلاق دینے کا رواج ہو گیا ہے ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور صدیق اکبرؓ کی خلافت میں رواج تھا مگر اس وقت تین کو ایک شمار کیا جاتا تھا، حضرت عمرؓ نے ان کو تین ہی شمار کیا تو سوال یہ ہے کہ تم نے اس دوسرے احتمال کو کس دلیل سے راجع کیا جبکہ خود ابن عباس سے اس کے خلاف صحت اور تواتر کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے؟

پھر یہ بھی بہت بعید ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ ایک طہر میں ایک لفظ سے تین طلاق دیتے ہوں اور آپ نے تین کو ایک قرار دیا ہو کہ اس صورت میں گناہ کرنے والا سنت پر عمل کرنے والے سے اچھا رہے گا بلکہ کسی نے شاذ و نادر ایسا کیا بھی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بہت غصہ ظاہر کیا اور تینوں طلاق نافذ کر دیں۔ محمود بن لبید انصاری کی روایت میں اس کی تصریح ہے، پس احتمال اول ہی صحیح ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگ ایک طلاق دیا کرتے تھے پھر تین دینے لگے تو حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مشورہ اور اتفاق سے ان کو تین ہی قرار دیا کیونکہ نکاح، اعتاق، اقرار اور جملہ امور میں تین کو تین ہی شمار کیا جاتا ہے اگر کوئی شخص ایک مجلس میں ایک لفظ

سے یہ کہہ دے کہ میں نے اپنی تین لڑکیوں کا نکاح فلاں، فلاں، فلاں سے کر دیا یا تین غلام آزاد کر دیے یا میرے مذمتی ہزار روپیہ ہیں اس کو کوئی بھی ایک پر محمول نہیں کرتا۔

امام بخاری نے ”باب من اجاز طلاق الثلاث“ (ان لوگوں کی دلیل جو تین طلاق کو نافذ کرتے ہیں) میں حدیث نعمان بیان کی جس میں یہ بھی ہے کہ عویر غلانی نے کہا یا رسول اللہ! اگر میں اب اس کو اپنے پاس رکھوں تو مجھ کو ہوں گا پھر اس کو تین طلاق دیدیں، کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار کیا اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ لوگ تو ایک لفظ سے ایک مجلس میں تین طلاق کو تین سمجھیں اور شرعاً وہ ایک ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سکوت فرمائیں، حکم شرعی کو بیان نہ فرمائیں۔ عویر غلانی کے اس واقعہ سے پوری امت نے یہی سمجھا ہے، حتیٰ کہ ابن حزم ظاہری نے بھی لکھا ہے کہ اگر ایک دم تین طلاق دینے سے تین واقع نہ ہوتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور انکار فرماتے کہ تین کی کیا ضرورت تھی اس سے تو ایک ہی طلاق پڑے گی۔

امام بخاری نے بھی اس سے یہی سمجھا ہے، غرض تین طلاق سے تین کا واقع ہونا امت کا حقیقہ اجتماعی فیصلہ ہے، خواہ ایک لفظ سے دی جائے یا چند الفاظ سے، ایک مجلس میں دی جائے یا مختلف مجالس میں۔ علامہ ابن اہلبین نے بھی اس کی تصریح کی ہے اور کسی کے خلاف نقل نہیں کیا۔ بجز ان لوگوں کے جن کا خلاف معتبر نہیں (جیسے روافض وغیرہ) ابن مبیث جیسے مہمل لوگوں کے بے سند حوالوں سے علامہ ابن تیمیہ اور ابن القیم وغیرہ کا اسے اختلافی مسئلہ قرار دینا ہرگز درست نہیں، کسی محدث کو ایسی مہمل روایات پر اعتنا کرنا جائز نہیں جب تک صحیح اسانید سے ثبوت نہ ہو ورنہ حضرات صحابہ پر یہ الزام عائد ہوگا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو اپنی رائے سے رد کر دیا کرتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں ایسی گستاخی روافض ہی کر سکتے ہیں اور دراصل اس مسئلہ میں اختلاف کی ابتداء انہیں کی طرف سے ہوئی ہے۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ نے سیارہ ایسا کیا تھا، بالکل غلط ہے کیونکہ سیارہ بھی نص کے خلاف فیصلہ کرنے کو کس نے جائز کہا ہے؟ پھر شریعت میں جو سیاسی تغیرات فقہاء کے نزدیک ثابت ہیں ان سے اس کو کیا واسطہ؟ ایسے تغیرات کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں۔ اگر اس دروازہ کو کھولا جائے گا تو ساری شریعت کو ایسی ہی بیہودہ تاویلوں سے ہر شخص رد کر دے گا۔

### طلاق خلیہ کے متعلق حدیث رکاتہ کا جواب

رہی ”حدیث رکاتہ“ کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دی تھیں، پھر بہت



رجحیدہ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے کتنی طلاق دی تھیں؟ کہا ایک مجلس میں تین طلاق دی ہیں، فرمایا تم قسم کھاتے ہو کہ ایک کا ارادہ کیا تھا؟ کہا میں قسم کھاتا ہوں کہ ایک کا ارادہ کیا تھا، فرمایا بس ایک ہی طلاق ہوئی ہے، تم اس سے رجوع کر لو، اس سے ان لوگوں کا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا جو کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا ان کو ماننا پڑے گا کہ انہوں نے ایک مجلس میں تین لفظوں سے تین طلاق دی تھیں اور اس صورت میں ہم بھی مانتے ہیں کہ اگر شوہر نے ایک کی نیت کی ہو تو دیانہ مدخلہ پر ایک ہی پڑے گی اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ ایک مجلس میں تین طلاق ایک ہی شمار ہوں گی؟ اگر ایسا ہوتا تو رکازہ سے نیت کا سوال کرنے اور قسم لینے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے معلول کہا ہے اور امام بخاری نے مضطرب قرار دیا ہے جیسا کہ ترمذی نے نقل کیا ہے اور امام احمد نے اس کے تمام طرق کو ضعیف کہا، ابن عبد البر نے بھی امام احمد کی تائید کی، ایسی حالت میں یہ حدیث کیسے جہت ہو سکتی ہے؟ قاعدہ یہ ہے کہ حدیث مضطرب کے کسی ایک طریق کو ترجیح ہو جائے تو وہی صحیح ہوگا باقی طرق مردود ہو جائیں گے۔

علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا سب سے زیادہ صحیح طریق وہ ہے جیسے ابوداؤد اور ترمذی وابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ رکازہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنی بیوی کو لفظ ”البتہ“ سے طلاق دی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قسم لی کہ اس نے صرف ایک کا ارادہ کیا تھا اور آپ نے اس کی بیوی اس کو واپس کر دی، پھر دوسری طلاق خلافت عمرؓ میں دی اور تیسری خلافت عثمانؓ میں۔ امام شافعیؒ نے بھی اسی طرح روایت فرمایا ہے، ابوداؤد کی سند میں تافع بن مجہر کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اگرچہ بعض ناواقفوں نے اس کو مجہول کہا ہے پھر وہ تابعی کبیر ہے جس میں کسی نے جرح نہیں کیا اور عبد اللہ بن علی بن السائب جو امام شافعیؒ کی سند میں ہے اس کو امام شافعیؒ نے ثقہ بتلایا ہے اور عبد اللہ بن علی بن یزید بن رکازہ کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور تابعین کے بارے میں جرح نہ ہونا ہی کافی ہے۔

صحیحین میں ایسے راوی بہت ہیں، ابوداؤد نے بھی اسی طریقہ کو یہ کہہ کر ترجیح دی ہے کہ آدمی کی اولاد اپنے باپ کے واقعہ کو دوسروں سے زیادہ جانتی ہے، اس سند میں عبد اللہ بن علی بن یزید رکازہ کا پڑپوتہ ہے، ابن تیمیہؒ کا یہ قول صحیح نہیں کہ امام احمد نے محمد بن اسحاق کے طریق کو حسن کہا ہے کیونکہ اگرچہ محمد بن اسحاق نے ”حدیث“ کہا ہو مگر وہ اس کو داؤد بن حصین کے واسطے سے عکرمہ سے روایت

کر رہا ہے اور داؤد بن حصین کی روایت عکرمہ سے منکر شمار کی گئی ہے تو امام احمد اس کو حسن کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اور اس روایت کے اختلاف الفاظ سے معلوم ہو گیا کہ مدینہ والے ”طلاق البتہ“ کو ”طلاق ثلث“ یعنی تین طلاق سمجھتے تھے۔ پس حدیث ابن عباسؓ میں یہ اور احتمال پیدا ہو گیا کہ راوی نے ”طلاق الثلث“ تین طلاق سے ”طلاق البتہ“ مراد لیا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ لفظ کنایہ تھا، ایک طلاق بائن اور تین طلاق مغلطہ دونوں کو مخمل تھا، اس لئے جب رکازہ نے قسم کھا کر بتلایا کہ میری نیت ایک طلاق کی تھی آپؐ نے بیوی واپس دلادی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لفظ ”البتہ“ کا استعمال تین طلاق کے لئے بکثرت ہونے لگا کہ شوہر کی نیت معلوم کرنے کی ضرورت نہ رہی کیونکہ یہ لفظ تین طلاق کے لئے صریح بن گیا تھا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مشورے سے تین طلاق کا فیصلہ کر دیا کیونکہ یہ لفظ کنایہ باقی نہ رہا، اسنے احتمالات کے ہوتے ہوئے حدیث ابن عباسؓ سے اجماعی مسئلہ میں خلاف پیدا کرنا ان ہی کا کام ہے جن کو دین میں نئی نئی باتیں نکالنے اور اختلاف پیدا کرنے کا شوق ہے، جس شخص کو مسئلہ ”طلاق ثلث“ کی زیادہ تحقیق مطلوب ہو وہ اعلیٰ السنن جلد نمبر ۱۱ میں اس کی بحث دیکھے، اس حصہ کے آخر میں علامہ محمد زاہد کوثری محقق مصر کے ”رسالہ الاشفاق فی احکام الطلاق“ کا خلاصہ بھی قابل دید ہے، ہم نے اس جگہ جن احادیث و اقوال صحابہ و تابعین کا ذکر کیا ہے ان سب کے حوالے مع سند اور صفحات کتاب اعلیٰ السنن میں دیکھ لئے جائیں۔

### نکاح کی عمر متعین کرنا

آیت ”فان خفتم الانفسطوا فی البیتامی“ کی تفسیر میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے نزدیک اس کا شان نزول یہ ہے کہ لوگ اپنی دست مگر تہیم لڑکیوں سے معمولی مہر پر نکاح کر لیتے تھے ان کو اس بے انصافی سے منع کیا گیا اور پورے مہر پر نکاح کرنے کا حکم کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ کا نکاح صحیح ہے، امام ہمامؒ رازی نے تصریح کی ہے کہ اس آیت سے یہ مسئلہ مفہوم ہوتا ہے اور اس کے جواز میں سلف اور خلف کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، تمام فقہاء اس پر متفق ہیں صرف ابن شبرمہ اور اہم کا خلاف بیان کیا جاتا ہے، دیگر اجماع سابق کے خلاف کسی کا قول مانا نہیں جائے گا۔ صحابہ اور تابعین کا اس پر اجماع ہو چکا ہے پھر حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ”واللہی یفسن من المعیض من نساء کم ان ارتبتم فعدتھن ثلثہ اشھر واللامی لم یحضن“ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس میں صغیرہ (نابالغہ) کی طلاق کو

صحیح مانا گیا اور اس کی عدت بھی تین مہینے قرار دی گئی ہے اور طلاق نکاح صحیح ہونے کے بعد ہی ہو سکتی ہے، معلوم ہوا کہ نابالغ کا نکاح صحیح ہے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے نکاح کیا جبکہ ان کی عمر چھ سال تھی، صدیق اکبرؓ نے اپنی ولایت سے نکاح کیا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ باپ اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح کر سکتا ہے اور بلوغ کے بعد اس کو اختیار بھی نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو بلوغ کے بعد اختیار نہیں دیا، اگر شرعاً اختیار ثابت ہوتا تو حضور ضرور اس کو بیان فرماتے (ص ۶۳، ج ۲) نابالغ لڑکی کا نکاح اگر باپ یا دادا کر دیں تو اس کے جواز میں کسی کا خلاف نہیں سب کا اتفاق ہے البتہ باپ و دادا کے سوا کوئی دوسرا ولی نکاح کر دے تو اس کے جواز میں اختلاف ہے، ملاحظہ ہو احکام القرآن للجصاص، ص ۶۰ و ۶۱، ج ۲۔ اور اجماع کی مخالفت جائز نہیں جیسا مقدمہ اولیٰ میں بیان ہو چکا ہے۔

### صغیرہ نابالغ کا نکاح باپ و دادا کر سکتا ہے

اور اب اس پر اجماع ہے کہ صغیرہ نابالغ کا نکاح باپ یا دادا کر سکتا ہے تو جس آیت میں یتیموں کے اموال ان کے حوالہ کرنے کے لئے بلوغ کو حد بتایا گیا ہے "واصلوا الیتامی حتی اذا بلغوا النکاح" وہاں نکاح سے عقد نکاح مراد نہیں، بلکہ ہمسری مراد ہے، تو اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ یتیموں کو ان کے اموال کب حوالہ کئے جائیں بالواسطہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قرآن کی نگاہ میں ہمسری کی بھی ایک عمر مقرر ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن نے صراحتاً اس کی کوئی حد بیان نہیں کی۔

فقہاء نے عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث سے اس کی زیادہ سے زیادہ حد پندرہ سال مقرر کر دی ہے اور عورتوں کے لئے حضرت عائشہؓ کی حدیث سے کم سے کم حد نو سال مقرر کر دی کہ عورت نو سال کی عمر میں ہمسری کے قابل ہو سکتی ہے اور اس کو رو نہیں کیا جاسکتا کیونکہ کھاتے پیتے رئیسوں کی لڑکیاں شہروں میں اور وودھ، گھگھی، بکھن کھانے والے دیہاتوں کی لڑکیاں گاؤں میں نو دس سال کی عمر میں اس قابل ہو جاتی ہیں۔ پس آیت سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ عقد نکاح (ایجاب و قبول) کیلئے بالغ ہونا شرط ہے۔ علامہ لغت اور جملہ مفسرین نے تصریح کی ہے کہ لفظ نکاح کے اصلی معنی ہمسری ہی کے ہیں چونکہ عقد نکاح ہمسری کے جواز کا سبب ہے اس لئے عقد کو بھی نکاح کہہ دیا جاتا ہے۔ قرآن میں یہ لفظ دونوں معنی میں مستعمل ہوا ہے اور دونوں میں اس کا استعمال حقیقی ہے، چنانچہ "ولا تنکحوا ما نکح آباءکم" میں (اور نکاح نہ کرو ان عورتوں سے جن سے تمہارے باپ و دادا نکاح کر چکے ہیں) "لا تنکحوا" سے عقد نکاح مراد ہے اور "ما نکح" سے عقد یا

ہمسری دونوں مراد ہیں اس لئے جس باندی سے باپ نے ولی کی ہو بیٹے کو اس سے ہمسری جائز نہیں، اسی طرح "فلا تحلل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ" میں کہ تین طلاق کے بعد عورت اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں رہتی یہاں تک کہ دوسرے کسی مرد سے نکاح کرے اور ہمسری بھی ہو اگر عقد نکاح ہی ہوا ہمسری نہ ہو تو پہلے شوہر کے لئے اس سے نکاح جائز نہیں۔

آیت کا حاصل یہ ہوا کہ نابالغ یتیم لڑکے اور لڑکی کو آزما تے رہو یہاں تک کہ وہ ہمسری کے قابل ہو جائیں (کہ اس وقت عموماً طبع و نقصان کی تمیز ہو جاتی اور ضبط و انتظام کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے) تو اگر ان میں ہوشیاری کے آثار پاؤ تو ان کے اموال ان کے حوالہ کر دو اور ہمسری کی قابلیت پندرہ سال پر موقوف نہیں اس سے پہلے بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد معصف کتابچہ کا مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب کے اخلاقی نوٹ کے جواب میں یہ کہنا کہ "مولانا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے استدلال کیا ہے کہ شریعت نے اس سلسلہ میں بلوغ یا غیر بلوغ کی کوئی پابندی عائد نہیں کی ہے" ص ۱۷۱۔ تو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ "قرآن کریم نے بلوغ کو نکاح کی عمر بتایا ہے" سراسر نادانی ہے کیونکہ آیت قرآنی میں نکاح سے عقد نہیں بلکہ ہمسری مراد ہے اور حضرت عائشہ کے نکاح سے مولانا احتشام الحق ہی نے تنہا استدلال نہیں کیا بلکہ تمام فقہاء استدلال کرتے آئے ہیں کہ باپ اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح کر سکتا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں، باپ و دادا کے سوا دوسرے ولی اقرب میں اختلاف ہے کہ وہ بھی اپنی ولایت سے باپ و دادا کی غیر موجودگی میں نابالغ لڑکی کا نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک دوسرے اولیاء کو بھی الاقرب فالاقرب کا لحاظ کر کے یہ حق حاصل ہے، امام جصاص رازی نے حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، زید بن ثابتؓ، ام سلمہؓ، عائشہ و عبد اللہ بن عباسؓ، حسن بصریؓ، طاؤسؓ، عطاء وغیرہ رضی اللہ عنہم کی طرف اس کو منسوب کر کے فرمایا ہے کہ ہم کو سلف میں سے کسی کا قول اس کے خلاف معلوم نہیں ہوا (ص ۶۱، ج ۲)

### بوقت نکاح حضرت عائشہؓ کی عمر کیا تھی؟

اس کے بعد معصف کتابچہ کا حضرت عائشہؓ کی عمر کے بارے میں ادھر ادھر سے روایات نقل کرنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ ان کی عمر نکاح کے وقت سولہ سترہ سال تھی اور رخصتی کے وقت انیس بیس سال محض الجہ فرجی ہے کیونکہ خود حضرت عائشہؓ سے بخاری، مسلم اور جملہ کتب صحاح میں یہی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا جبکہ وہ چھ سال کی تھیں اور ہمسری کی جبکہ وہ نو سال کی تھیں۔ امت نے بالاتفاق اس روایت کو صحیح مانا اور اسی سے تمام فقہاء نے یہ مسئلہ

(اب تک) حیض نہیں آیا۔ ظاہر ہے کہ جن لڑکیوں کو اب تک حیض نہیں آیا وہ عموماً نابالغ ہی ہوتی ہیں۔ تو ان کی عدت طلاق تین مہینے بتلانا اس کی دلیل ہے کہ نابالغی کی حالت میں نکاح درست ہے کیونکہ طلاق اور عدت تو نکاح کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔

ہم بتا چکے ہیں کہ اس آیت سے نابالغ لڑکیوں کے جواز نکاح پر امام مہصا ص رازی نے اور امام فقہاء نے بھی جیسے صاحب ہدایہ وغیرہ نے استدلال کیا ہے اس پر نہایت ڈھٹائی اور بے شری کے ساتھ یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ”ان بلند مرتبت چودہ علماء کو اتنی بات تو معلوم ہی ہوگی کہ اگر بیوی کو مقاربت سے پہلے طلاق دیدی جائے تو عدت واجب نہیں ہوتی تو اگر اس آیت کا یہ مطلب لیا جائے کہ اس سے مراد نابالغ لڑکیاں ہیں کہ وہ بھی تین مہینے کے حساب سے اپنی عدت گزاریں تو ان حضرات کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عدت کا سوال ہی اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ ان کس نابالغ لڑکیوں کے شوہر ان سے مقاربت کرتے رہے ہوں تو اس طرح قرآن مجید صریح طور پر کس نابالغ لڑکیوں کے ساتھ جنسی (یہ بیہودہ لفظ اس کی دلیل ہے کہ یہ کتابچہ کسی عورت کی تعریف نہیں، معصوم بچیوں کے ساتھ جنسی) یہ بیہودہ لفظ اس کی دلیل ہے کہ یہ کتابچہ کسی عورت کی تعریف نہیں، متنازع جہاں بیگم ہو یا کوئی اور عورت ایسی حیا پختہ نہیں ہو سکتی کہ یہ لفظ اپنے قلم سے لکھ سکے اس لئے قلم نہ بھون کیرا نہ کاغذ حلالہ والوں کا یہ خیال صحیح ہے کہ۔ کوئی مستور ہے اس پردہ نگاری میں) کھیل کھیلے رہنے کی بھی اجازت دیتا ہے“ (ص ۱۷۵ تا ۱۷۶)

اس عقلمند سے کوئی پوچھے کہ ”واللہ لہم بحضن“ سے ایسی معصوم بچیاں اس نے کیوں سمجھ لیا جو ہستری کی صلاحیت بھی نہ رکھتی ہوں؟ کیا وہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ حیض آنے سے پہلے کوئی لڑکی بھی ہستری کے لائق نہیں ہوتی نہ اس کی خواہشمند؟ اگر وہ ایسا دعویٰ کرے گا تو مشاہدہ اس کی تکذیب کرے گا، ہمارا اور بہت سے لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ بھٹے کھاتے پیتے رئیس شہریوں اور اودھ، گجی، بکھن، بھور کھانے والے دیہاتیوں کی لڑکیاں نو دس سال کی عمر میں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے عام طور پر چودہ پندرہ سال کی لڑکیاں ہوتی ہیں، وہ ہستری کے قائل اور اس کی خواہشمند بھی ہوتی ہیں اگرچہ ان کو حیض نہ آیا ہو، اس آیت کا مصداق ایسی ہی لڑکیاں ہیں کیونکہ کوئی باپ یا ولی ایسا لڑکی کو شوہر کے حوالہ اس وقت تک نہیں کرتا جب تک مقاربت کے قائل نہ ہو جائے۔

### حروف ”لم“ اور ”ما“ میں فرق

اس کے بعد ”لم بحضن“ اور ”ما بحضن“ کا فرق بیان کر کے کہا گیا ہے کہ ”لم

مستحب کیا کہ باپ اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح کر سکتا ہے، اس کے خلاف جو روایت بھی لائی جائے گی رد کر دی جائے گی، خصوصاً جبکہ کسی روایت میں بھی صراحۃً یہ بات موجود نہیں کہ ان کی عمر نکاح کے وقت پندرہ یا سولہ سال تھی اور مختی کے وقت انیس یا بیس سال، صرف حساب لگایا جا رہا ہے کہ حضرت اسماء، حضرت عائشہ سے اتنے سال بڑی تھیں اور حضرت فاطمہؓ سے اتنے سال چھوٹی تھیں اس سے نتیجہ نکال لیا گیا۔ اس عقلمند سے کوئی پوچھے کہ جو صریح روایت سند صحیح کے ساتھ جملہ کتب صحاح میں مذکور ہے اس کے معارضہ میں ایسی بے سند باتیں پیش کرنا اہل علم کا کام ہے یا جاہلوں کا؟ اور اگر صحاح کی مستند روایت میں یہ احتمال نکل سکتا ہے کہ راوی نے وہم یا لسان سے (دس کا عدد) چھوڑ دیا ہے تو حضرت اسماء اور فاطمہؓ کی عمر کے بے سند حساب میں یہ احتمال کیوں نہیں ہو سکتا کہ راوی کو اعزازے میں وہم ہوا؟ اسی طرح یہ دلیل بھی لچر ہے کہ حضرت عائشہ کو ”سورۃ القمر“ کی کچھ آیتیں مکہ میں یا انھیں اور ”سورۃ القمر“ کا نزول نبوت کے پانچویں سال میں ہوا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد تیرہ یا پندرہ سال مکہ میں رہے تو اگر ”سورۃ القمر“ کے نزول کے وقت حضرت عائشہ کی عمر چھ، سات سال مان لی جائے تو ہجرت کے وقت ان کی عمر سولہ سترہ سال تھی، بالغ۔

اس دلیل کا صحیح ہونا اس مقدمہ پر موقوف ہے کہ حضرت عائشہ نے سورۃ القمر کی وہ آیتیں نزول کے وقت ہی یاد کر لی تھیں۔ بخاری یا مسلم میں اس کی تصریح کہاں؟ یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ نزول کے بہت بعد کسی سے سن کر یاد کر لی ہوں گی؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حافظ قرآن تھے وہ نماز میں پورا قرآن پڑھتے تھے جتنا اس وقت تک نازل ہو چکا تھا ان سے سن کر یہ آیتیں یاد کر لی ہوں گی یہ کیا ضروری ہے کہ نزول کے وقت ہی یاد کی ہوں؟ یہ ان کے خود ساختہ دلائل کا حال ہے جن پر لمبے چوڑے دعووں کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور اپنی طرف سے حساب لگا کر صحیح حدیث کو رد کیا جاتا ہے۔

### حیض آنے سے قبل بھی لڑکی لائق ہمہستری ہوتی ہے

اس کے بعد مصنف کتابچہ نے چودہ علماء کے استدلال پر چوٹ کی اور اس کو عجیب و غریب کہہ کر رد کیا ہے، علماء کرام نے سورۃ الطلاق کی اس آیت سے استدلال کیا تھا ”واللہ لہم بحضن من المحيض من نساء کم ان ارنہن فعدتھن ثلثہ اشھر واللاہی لم بحضن“ اور جو عورتیں حیض سے ناامید ہو جائیں اگر تم کو (ان کی عدت کے بارے میں) شبہ ہو، چنانچہ لوگوں نے تردید کی بناء پر سوال کیا تھا تو (سن لو) ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان عورتوں کی بھی جن کو





مرنے دم تک مہر ادا نہ کرے تو اس کی موت کے وقت یا مرنے کے بعد مہر معاف کر دے اور اگر صورت حال اس کے برعکس ہو کہ عورت غریب اور شوہر بالدار ہے تو اس صورت میں مہر معاف کرنا ثواب نہیں "خیر الصدقة مساکن عن ظہر غنی" نذر زندگی میں معاف کریں نہ شوہر کی موت کے بعد، بلکہ اپنا دین مہر اس کے ذمہ واجب رکھیں اگر طلاق یا شوہر کی موت ہو جائے تو عدت کے اندر یا عدت کے بعد مہر پورا وصول کر لیں اور شادی کے لائق عمر ہو تو نکاح حائی کو عیب نہ سمجھیں، دوسرا نکاح اچھی جگہ کر لیں۔

عورتوں کی ساری پریشانی کی جڑ اُن کی جہالت ہے کہ مہر معاف کرنے کو ہر حالت میں ثواب اور دوسرا نکاح کرنے کو سراسر عیب سمجھ لیا ہے اور معاشرہ بھی ان کی جہالت سے فائدہ اٹھا رہا ہے کہ مرد مہر سے سبکدوش ہو گئے اور خاندان والے بیوہ عورت کو بغیر نکاح کے بٹھلا کر اپنے گھر کی خدمت اس سے لیتے ہیں۔

### خلاصہ بحث اور مولانا احتشام الحق تھانوی کا اختلافی نوٹ

آخر میں یہ بتلانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مولانا احتشام الحق صاحب نے عالمی کمیشن رپورٹ پر جو اختلافی نوٹ لکھا ہے وہ تنہا اُن کی طرف سے نہیں ہے بلکہ وہ اس میں پوری جماعت علماء کی نمائندگی کر رہے تھے اُس کو یہ کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا کہ ارکان کمیشن میں سے صرف ایک رکن کی یہ رائے ہے باقی اس کے خلاف ہیں کیونکہ اس اختلافی نوٹ کی اشاعت کے بعد ہر طرف سے علماء نے اس کی تائید میں مقالے اور رسالے لکھ کر بتلادیا ہے کہ ان کی پشت پر علماء کی پوری جماعت ہے اور اب بھی جس کا دل چاہے معلوم کر سکتا ہے کہ اس باب میں سب علماء متفق ہیں۔

پھر نکاح و طلاق و میراث امور تشریعیہ میں سے ہیں ان کا فیصلہ دونوں کی کثرت و قلت سے نہیں کیا جاسکتا بلکہ کتاب و سنت و اجماع امت و اقوال مجتہدین سلف کی روشنی میں ہی کیا جاسکتا ہے۔ اگر تعلیم یافتہ طبقہ ہی..... اس مقالہ کو انصاف کی نظر سے دیکھے گا اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اس اختلافی نوٹ میں جو کچھ کہا گیا تھا وہی حق صریح اور پوری امت کے نزدیک کمیشن کے سوالات کا وہی جواب صحیح ہے۔ و آخر دعونا ان الحمد لله رب العلمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وآلہ و اصحابہ اجمعین۔ از: بندہ فقیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ دارالعلوم الاسلامیہ اشرف آباد خٹہ والہ یار، حیدر آباد، پاکستان ۲۰ رجب الثانی ۱۴۳۸ھ / یکم اکتوبر ۱۹۶۱ء۔

## حدود آرڈیننس اور شرعی عدالت

منجانب: حضرت مولانا محمد صدیق ارکانی  
زیر نگرانی: حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی صاحب  
مرتبہ: شعبہ تصنیف جامعہ احتشامیہ کراچی  
ناشر: مکتبہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی

اس انقلاب کو حیرت سے دیکھتا ہوں  
زمانہ کہتا ہے دیکھا کرو ابھی کیا ہے  
لوگ کہتے ہیں بدلتا ہے زمانہ سب کو  
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

## حدود آؤ نینس اور شرعی عدالت

حامداً و مصلیاً و مسلماً اما بعد

قیام پاکستان کے بعد سے ہی اغیار کی یہ کوشش شروع ہو گئی تھی کہ کسی طرح مملکت پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ میں تبدیل کر دیا جائے اور اسلامی احکامات کا حلیہ بگاڑ دیا جائے، سابق وزیراعظم پاکستان محمد علی بوگرہ اور ایوب خان کے دور میں بننے والی کمیٹی بنام ”عائلی کمیشن“ اس کا منہ بولتا ثبوت ہے جس کی تفصیل کتاب ”عائلی قوانین اور اختلافی لوٹ“ کی ابتدا میں آچکی ہے۔ اگست 2006ء میں مشرف حکومت نے ”تحفظ حقوق نسواں“ کے نام سے ایک اور بل پیش کیا اور پاس بھی کرالیا ہے، یہ بھی دراصل اس کی سابقہ عائلی کمیشن کے گندے قوانین کا ایک حصہ اور اغیار کی طویل محنت کا ثمرہ ہے، البتہ نام اور عنوان نئے ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں اس ”تحفظ حقوق نسواں“ بل کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے تاکہ قارئین کرام کو پتہ چلے کہ دشمنان اسلام اس وقت سے اب تک تسلسل کے ساتھ کس کام میں لگے ہوئے ہیں؟ اور ہم کس طرح خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

آج کل..... ٹی وی اور اخبار..... وغیرہ میں جس چیز کو حد سے زیادہ اچھالا جا رہا ہے وہ حدود آؤ نینس ہے..... ٹی وی کا کوئی پروگرام اور اخبار..... کا کوئی صفحہ حدود آؤ نینس کی خبر کے بغیر شائع نہیں ہو رہا ہے، ایسا لگتا ہے کہ یہ ایک بہت بڑی مصیبت یا آسمانی آفت ہے جو ترقی کی راہ میں سنگ گراں کی طرح حائل ہے اس لئے اسے ہٹا کر ہی دم لینا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حدود آؤ نینس کس بلا کا نام ہے جو دشمنان اسلام کو ہضم ہی نہیں ہو رہا ہے اور سب ہی اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

اس حقیقت سے انکار مشکل ہے کہ جمہوریت کی راہ سے ملک میں صحیح اسلام نہ ماضی میں آیا ہے اور نہ آ سکتا ہے، جس طرح سوئی کے سوراخ سے اونٹ کا گزر جانا ناممکن ہے بالکل اسی طرح براہ جمہوریت احکام اسلام کی تحفید ناممکن ہے، البتہ امریکی اسلام، روسی اسلام، ایرانی اسلام، ماڈرن اسلام، ماہنامہ اسلام اور سرسریہ اسلام براہ جمہوریت آ سکتا ہے۔ محمدی اسلام، خالق کائنات کا پسندیدہ اسلام، صحابہ کرام کا اسلام اور عند اللہ مقبول اسلام ہمیشہ براہ خلافت آیا ہے اور آئندہ بھی براہ خلافت ملی منہاج النبوۃ ہی آئے گا۔

حدود آؤ نینس کا نفاذ 10 فروری 1979ء بمطابق 12 ربیع الاول 1399ھ (یوم میلاد النبی ﷺ) بروز جمعہ المبارک ہوا تھا۔ حکومت کی طرف سے جرم زنا (نفاذ حدود) آؤ نینس 1979ء (VII of 1979) اور جرم قذف (نفاذ حد) آؤ نینس 1979ء (VIII of 1979) میں ترامیم کی تجاویز آئی ہیں۔ ان قوانین کو عموماً حدود آؤ نینس کے نام سے جانا جاتا ہے لہذا یہاں بھی عمومی طور پر حدود آؤ نینس کا ہی نام استعمال کیا جائے گا۔

جرم زنا (نفاذ حدود) آؤ نینس 1979ء میں درج دفعات و عنوانات حسب ذیل ہیں:

(1) نام (2) الفاظ کی تعریفات (3) آؤ نینس دیگر قوانین پر غالب ہوگا (4) زنا بالرضا کی تعریف (5) زنا مستوجب حد (6) زنا بالجبر کی تعریف (7) زنا بالرضا اور زنا بالجبر کی سزا اگر ملزم بالغ نہ ہو (8) زنا بالرضا یا زنا بالجبر مستوجب حد کا ثبوت (9) وہ صورتیں جن میں حد کا نفاذ نہیں ہوگا (10) زنا بالرضا یا زنا بالجبر مستوجب تعزیر (11) عورت کو اس کے نکاح وغیرہ پر مجبور کرنے کے لیے اغوا کرنا یا بھگالے جانا یا ترغیب دینا (12) کسی شخص کو غیر قطری ہوس کا ہدف بنانے کے لیے اغوا کرنا یا لے بھانگنا (13) عصمت فردی کی نیت سے پردہ فردی (14) عصمت فردی کرانے کی نیت سے فرد کی خریداری (15) کسی عورت کو بدعتی سے بہکانا یا بھگالے جانا یا جس بے جا میں رکھنا (16) سنگساری کی سزا پر علحدہ آمد کا طریق کار (17) سرزدگی جرم کے اقدام کی سزا (18) تعزیرات پاکستان کے کچھ احکام کا اطلاق اور ترمیم (19) ضابطہ فوجداری کا اطلاق اور ترامیم (20) صدر عدالت کا مسلمان ہونا (21) استثناء۔

جرم قذف (نفاذ حد) آؤ نینس میں درج دفعات مع عنوانات حسب ذیل ہیں:

(1) نام (2) اصطلاحات (3) قذف کی تعریف (4) قذف کی اقسام (5) قذف مستوجب حد (6) قذف مستوجب حد کا ثبوت (7) قذف مستوجب حد کی سزا (8) استعاذہ کوں دائر کر سکتا ہے؟ (9) وہ صورتیں جن میں حد عائد یا نافذ نہ کی جائے گی (10) قذف مستوجب تعزیر (11) قذف مستوجب تعزیر کی سزا (12) قذف کے مواد کی چھپائی یا کتندہ کاری (13) قذف کے مواد کی چھپائی یا کتندہ کیے ہوئے مواد کی فروخت (14) احان کی تعریف اور طریقہ کار (15) قابل سزا جرم کے ارتکاب کے اقدامات کی سزا (16) تعزیرات پاکستان کے کچھ احکام کا اطلاق (17) ضابطہ فوجداری کا اطلاق (18) صدر عدالت کا مسلمان ہونا (19) آؤ نینس دیگر قوانین پر غالب ہوگا (20) استثناء۔



جمادی الاولیٰ 1427ھ / جون 2006ء کو اغیار کی طرف سے حدود آؤینس کے متعلق اعتراضات، خدشات، سفارشات اور مطالبات کا مکمل شروع ہوا۔

جمادی الثانی 1427ھ / جولائی 2006ء کو حکومت نے اغیار کے مطالبات پر ایک کمیٹی تشکیل دی تاکہ وہ کمیٹی حدود آؤینس کے متعلق تجاویز پیش کرے، ابھی کمیٹی اس میں غور و خوض کر رہی تھی کہ اوائل اگست 2006ء کو اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین جناب ڈاکٹر خالد مسعود صاحب نے حدود آؤینس کے متعلق کونسل کی نئی عبوری رپورٹ جاری کر دی۔ جس کا پتہ حصہ 17 اگست 2006ء کو اسلام کراچی میں (نصف حصہ) شائع ہوا۔

11 اگست 2006ء کو حکومت کی منتخب کردہ ٹیم نے سابقہ حدود آؤینس میں اضافہ و ترامیم کرنے کے بعد جو مسودہ تیار کیا اسے ”تحفظ حقوق نسواں“ کے عنوان کے تحت جرم زنا نفاذ حدود ترمیمی بل 2006ء کی صورت میں قومی اسمبلی میں ایک حکومتی رکن کشمالہ طارق کی وساطت سے پیش کر دیا۔ حکومت نے یہ مسودہ دوبارہ برائے نظر ثانی کمیٹی کا حوالہ کیا، کمیٹی نے یہ مسودہ پھر 17 اگست 2006ء کو قومی اسمبلی میں پیش کر دیا۔ جو بعد میں قانون پاکستان کا حصہ بن گیا۔

### حد کی لغوی و اصطلاحی تحقیق

حد کی جمع حدود ہے، حد کے لغوی معنی یہ ہیں، روکنا، منع کرنا، امتیاز کرنا، دو چیزوں کے درمیان میں آ کر دونوں کو جدا کرنا، کنارہ، آفت، سرحد، اقلیدس کے مقررہ اصول، روانہ ہونے کی جگہ، احاطہ، باڑہ۔ (فیروز اللغات ص: ۵۶۳) ”حد الدار“ بمعنی وہ چیز جو دار کو ممتاز کر دے۔

مناطقہ کی اصطلاح میں جنس قریب اور فصل قریب کے مجموعے کو حد نام کہا جاتا ہے جیسے انسان کی تعریف ”حیوان ناطق“ سے کی جائے، صرف فصل قریب یا جنس قریب اور خاصہ کے اجتماع کو حد نام کہنا جاتا ہے۔ جیسے انسان کی تعریف صرف ”ناطق“ یا ”حیوان ضاحک“ سے کی جائے۔ نخبین کی اصطلاح میں کسی چیز کی جامع مانع تعریف کو حد کہا جاتا ہے جیسے شرح جامی اور کافیر کی یہ عبارت مشہور ہے۔ ”وعلّم حدّ کل ذالک“

ایک حد واسطہ ہے، صغریٰ و کبریٰ میں جو لفظ کمر ہوا سے حد واسطہ کہا جاتا ہے، جیسے ”العالم متغیر“ (صغریٰ) ”وکل متغیر حادث“ (کبریٰ) میں لفظ ”متغیر“ حد واسطہ ہے، اصطلاح شریعت میں حد کی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں۔ (۱) ”عقوبۃ مقدرة لہ تعالیٰ“ یعنی وہ سزا جو شارع کی طرف سے متعین ہو اور اس میں اضافہ و ترمیم کی گنجائش نہ ہو۔ چونکہ حد شارع کی

طرف سے مقرر ہوتی ہے اس لئے اسے معطل کرنے یا مؤخر کرنے یا اضافہ و ترمیم کرنے کا اختیار کسی فرد بشر کے پاس نہیں ہے۔ اگر سزا شریعت کی طرف سے متعین نہ ہو تو اسے حد نہیں کہا جائے گا۔ اور اس میں اضافہ و ترمیم بھی ہو سکتا ہے۔ (فتح الباری ج: ۱۳ ص: ۶۷)

(۲) ”ما قدرت الشریعة مقدارتہ و کیفیتہ باحکام القرآن والسنۃ“ یعنی حد وہ ہے جس کی کیفیت و مقدار شریعت مقرر کر دے۔ (مکمل فتح الملہم ج: ۳ ص: ۲۶۲) (۳) علامہ سید شریف جرجانی لکھتے ہیں ”الححد فی الاصطلاح قول یشتمل علی ما بہ الاشتراك و علی ما بہ الامتیاز“ (کتاب التعریفات ص: ۳۷) امام رابع لکھتے ہیں کہ ”حدود کا اطلاق نفس معاصی اور گناہ پر بھی ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے ”تلك حدود الله فلا تقربوھا“

جرام کی سزاؤں کی تین قسمیں ہیں: (الف) حد شرعی اصطلاح میں ایسے جرم کی سزا کو کہا جاتا ہے جس میں حق اللہ غالب ہو اور شریعت کی طرف سے متعین ہو۔ (ب) قصاص ایسی سزا جس میں حق العبد غالب ہو اور شریعت کی طرف سے متعین ہو۔ (ج) تعزیرات کسی بھی جرم کی وہ سزا جو قرآن و سنت نے متعین نہیں فرمائی بلکہ اسے حاکم وقت یا قاضی کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔

### حد کی وجہ تسمیہ اور محل حدود

علامہ فرماتے ہیں کہ سترہ چیزوں میں حد جاری ہوتی ہے، ان میں درجہ ذیل چھ متفق علیہ ہیں: (۱) مرتد پر حد جاری ہوتی ہے۔ (۲) باغیوں پر حد جاری ہوتی ہے۔ (۳) حد زنا (۴) حد قذف (۵) حد شرب۔ (۶) حد سرقت، ان کے علاوہ درج ذیل گیارہ مختلف فیہ ہیں:

(۷) عاریت کا انکار کرنا۔ (۸) شراب کے علاوہ کوئی اور نشہ آور چیز پینا۔ (۹) زنا کے علاوہ تہمت لگانا (۱۰) اشارۃ تہمت لگانا۔ (۱۱) لواطت۔ (۱۲) جانور سے زنا کرنا۔ (۱۳) دو خواتین کا آپس میں جماع کرنا جیسے حاکم کہا جاتا ہے۔ (۱۴) خاتون کا بندر یا کسی جانور کو اپنے اوپر قدرت دینا۔ (۱۵) چادوٹو ناؤ اور جنس و منکر کا عمل کرنا۔ (۱۶) عمدۃ نماز چھوڑ دینا۔ (۱۷) بلا عذر ماہ رمضان کا روزہ نہ رکھنا۔

اس قسم کے عقوبات کو اس لئے حد کہا جاتا ہے کہ شریعت کی طرف سے مقرر ہیں یا یہ عقوبات انسان کو گناہوں سے روکتی ہیں یا یہ عقوبات حلال و حرام کے درمیان حد فاصل ہیں۔ (فتح الباری ج: ۱۳ ص: ۶۸)

## حدود آؤ نینس کے موجدین اور تعقید

جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے بعد ہی ۱۹۷۷ء سے ہمارے اکابرین نے یہ کوشش شروع کر دی کہ تعقید اسلام کی کوئی نہ کوئی صورت نکالی جائے، چنانچہ جنرل ضیاء الحق نے اسلامائیزیشن کے عمل کے لئے ایک کمیٹی ترتیب دی، کمیٹی کے افراد ملک کے سنئیر ترین قانون دان، ماہر ترین علماء، مکی و بین الاقوامی سیاست کی گلی کوچوں سے واقف کار، جہانگیر، امانت دار و دیانت دار اور انتہائی باصلاحیت تھے جیسے شریف الدین عید زادہ، اے کے بروہی، اے کے ہدانی، جلس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، خالد ایم اسحاق، جلس محمد افضل چیمہ، مولانا ظفر احمد انصاری، پیر کرم شاہ ازہری وغیرہ شامل تھے، انہوں نے شب و روز اور ریل و نہار مسلسل چودہ ماہ خوب خوب تحقیق کی، بحث و مباحثہ کیا اور درج ذیل غیر ملکی سنئیر ترین ماہرین سے بھی مدولی، شام کے سابق اسپیکر ڈاکٹر معروف دوالیسی، شام ہی کے معروف اسکالر ڈاکٹر مصطفیٰ زرقاوی اور سوڈان کے ایک سابق اتارنی جنرل اس کے بعد مذکورہ کمیٹی نے حدود کے متعلق اپنی سفارشات کو حتمی شکل دی اور جنرل ضیاء الحق کے سامنے پیش کیا جیسے ضیاء الحق نے ۱۳ رجب الاول ۱۳۹۹ھ / ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء کو ایک آؤ نینس کی شکل میں نافذ کر دیا۔

## حدود آؤ نینس کو ختم کرنے کی کوشش اور چیلنج

یہ حدود آؤ نینس حد قذف، حد سرقہ، حد شرب، حد زنا، حکم امتناع، قصاص، دیت وغیرہ پر مشتمل ہے، اس آؤ نینس کے نفاذ کے بعد دشمنان اسلام، یورپی ممالک اور اعداؤ دین متین حرکت میں آ گئے اور اسے فرد واحد (ضیاء الحق) کا لاکو کردہ قانون قرار دیا جانے لگا اور اسے حد سے زیادہ تنقید کا نشانہ بنایا جانے لگا، اس کی قدرے تفصیل ڈاکٹر طفیل ہاشمی صاحب کی کتاب ”حدود آؤ نینس کتاب وسنت کی روشنی میں“ میں ہے۔

اس وقت سے ۱۹۹۸ء تک یہ لوگ اس کے خاتمے کی کوشش میں مصروف رہیں لیکن انہیں مکمل ناکامی ہوئی۔ ۱۹۹۹ء میں جنرل پرویز مشرف صاحب صدارت پر فائز ہوئے اور انہیں پھر دوبارہ امید کی کرن نظر آئی اور یہ لوگ پھر میدان میں نکل آئے، صدر صاحب متعدد بار یہ فرما چکے ہیں کہ حدود قوانین فرد واحد کے نافذ اور وضع کردہ ہیں اس لئے ان پر نظر ثانی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، حالانکہ یہ حدود فرد واحد کے وضع کردہ قطعاً نہیں ہیں۔

بہر حال صدر مشرف صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں ”نیشنل کمیشن آن دی اسٹیشن

آف ویمنز“ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ اس کا جائزہ لے کر اپنی سفارشات پیش کرے۔ کمیشن کی چیئر پرسن ریٹائرڈ جسٹس واجدہ رضوی نے ۲۰۰۳ء کی آخری سہ ماہی میں اپنی جائزہ رپورٹ جنرل صاحب کو پیش کی، اس جائزہ رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ حدود قوانین میں تبدیلیوں سے عورتوں کے حقوق پر پڑنے والے منفی اثرات ختم نہیں ہو سکتے اس لئے انہیں سرے سے ختم کر دینا ہی مناسب ہے (استغفر اللہ) مذکورہ کمیشن میں اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق چیئر مین ڈاکٹر ایس ایم زمان بھی تھے، انہوں نے واجدہ کی رپورٹ کو غیر آئینی اور غیر قانونی قرار دیا ہے۔

۲۰۰۳ء ہی میں ”ہیومن رائٹس کمیشن آف امریکا“ منظر عام پر آئی جس میں حدود اور توہین رسالت کے قوانین پر شدید تنقید کی گئی، ۲۰۰۴ء میں ہینری پارتی کی خاتون رہنما شیریں رحمن نے قومی اسمبلی میں ایک بل جمع کرایا جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ حدود قوانین کو منسوخ کیا جائے۔

گرہ میر، دسک و وزیر و موش را دیواں کنند ایں چنین ارکان دولت ملک را ویراں کنند یعنی اگر ملی کو بادشاہ، کتے کو وزیر اور چوہے کو ارکان سلطنت میں شامل کر لیا جائے تو یہی ارکان سلطنت ملک کو تباہ و برباد کر دیں گے۔

اس کے علاوہ بھی متعدد بار حدود کو چیلنج کیا جا چکا ہے اور نظر ثانی کی جا چکی ہے لیکن ہر مرتبہ اغیار ہی کو ناکامی ہوئی ہے۔ اب (۱۶ جون ۲۰۰۶ء میں) ڈاکٹر محمد سلیم خاکی صاحب نے ڈاکٹر اسماعیل قریشی صاحب کی طرح حدود آؤ نینس کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا ہے۔ اب آئیے ذرا وفاقی شرعی عدالت پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

## وفاقی شرعی عدالت کا قیام اور کارنامے

وفاقی شرعی عدالت کا قیام بھی ہمارے اکابر علماء اور محبت اسلام و وطن با کمال افراد کی جہد مسلسل اور پیہم محنت کا نتیجہ ہے جس کی منظوری جنرل ضیاء الحق صاحب نے ۲۶ مئی ۱۹۸۰ء کو دی پھر اس عدالت میں ان با کمال اور لا جواب افراد کو متعین کیا گیا جو ہر اعتبار سے باصلاحیت اور منتخب شدہ ہیں، جلس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اور پیر کرم شاہ ازہری جیسے نابغہ روزگار افراد اس میں شامل تھے۔

● 10 فروری 1979ء کو جنرل ضیاء الحق نے عید میلاد النبی کے موقع پر نظام اسلام کے نفاذ کے لئے چند بنیادی اقدامات کا اعلان کیا۔

● 20 مئی 1980ء کو صدر مملکت جنرل ضیاء الحق نے پاکستان میں زکوٰۃ و عشر کا نفاذ کا

آرڈیننس نافذ کر دیا۔

● 10 نومبر 1980ء کو اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر تنزیل الرحمن نے اسلامی قوانین کے نفاذ کا اعلان کیا۔

● یکم جنوری 1981ء کو پاکستان کے بینکوں میں سودی نظام کی جگہ نفع اور نقصان میں شراکت کے اسلامی اصول پر مبنی نظام بینکاری کا آغاز ہوا۔

● 15 جون 1988ء کو صدر جنرل ضیا الحق نے ملک میں شریعت نافذ کرنے کا آرڈیننس نافذ کر دیا۔ استاد محترم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم نے 1991ء کو دورہ حدیث کے درس کے دوران فرمایا کہ پاکستان کا کوئی بھی شہری کسی بھی غیر اسلامی حکم کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کر سکتا ہے اور عدالت اس کا جائزہ لے کر پہلے تو اس کا متبادل اسلامی حکم بیان کرے گی پھر حکومت کو تہدیش حکم پر مجبور کرے گی، اگر حکومت اس پر آمادہ نہ ہو تو یہ عدالت متبادل اسلامی حکم نافذ کر دے گی۔ یہ ایک ایسا اختیار ہے جس کے تحت غیر اسلامی احکامات کی جگہ اسلامی احکامات نافذ کئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ اس اختیار کے تحت حدود آرڈیننس کی طرح بہت سے اسلامی احکامات نافذ کئے جاتے ہیں۔

اسی اختیار کو استعمال کرتے ہوئے وفاقی شرعی عدالت نے سود کی حرمت پر پہلا فیصلہ 13 نومبر 1991ء کو دیا اور دوسرا مفصل و مدلل فیصلہ 23 جنوری 1999ء کو دیا، ان فیصلوں کے باوجود جب حکومت ٹس سے مس نہیں ہوئی تو وفاقی شرعی عدالت نے مئی 2001ء میں حکومت کو آخری مہلت دی اور کہا 30 جون 2002ء تک جملہ بینکوں سے سود کا خاتمہ کر کے اس کا متبادل نظام قائم کیا جائے جس کا مفصل خاکہ پیش کر دیا گیا ہے۔ ورنہ وفاقی شرعی عدالت کا بیان کردہ خاکہ خود بخود نافذ العمل ہو جائے گا۔

اس آخری مہلت کے بعد وفاقی شرعی عدالت کی ٹیم کے سربراہ پروڈا ڈالا گیا تاکہ وہ اپنا فیصلہ واپس لے لیں یا اس میں رد و بدل کریں لیکن سربراہ نے معذرت کی اس لئے 11 ربیع الاول 1423ھ / 23 مئی 2002ء میں جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو سبکدوش کر کے ان کی جگہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب اور ڈاکٹر راشد احمد جالندھر صاحب کو مقرر کیا گیا یوں پاکستانی عوام کو ایک عظیم المرتبت جہانمیدہ عبقری شخصیت کی قومی و ملی خدمات سے محروم کر دیا گیا جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ حدود آرڈیننس کی دفعات 5 اور 6 میں رجم (سنگساری) کو بطور حد شرعی نافذ کیا گیا ہے۔ جس طرح سعودی عرب میں عملاً نافذ ہے۔ رجم کی یہ حد دشمنان اسلام کو بالکل پسند نہیں ہے۔ اس

لئے وہ اسے حیوانی فعل سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ یہ حکم ربانی ہے، یہ لوگ شروع ہی سے اس کو شش میں لگے ہوئے ہیں کہ حد رجم کو کسی طرح ختم کیا جائے، البتہ یہ لوگ براہ راست نام رجم کا نہیں لیتے بلکہ حدود آرڈیننس ہی کو غیر شرعی اور حیوانی فعل سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس کی تفصیل آچکی ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

۱۹۸۳ء میں وفاقی شرعی عدالت میں ایک درخواست دائر کی گئی اور اس میں حد رجم کو ختم کیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ یہ حد شرعی نہیں ہے اس لئے اس میں نظر ثانی کی جائے۔ نظر ثانی کی اس درخواست پر وفاقی شرعی عدالت نے چھ سنہ ترین ججوں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی تاکہ وہ اس کا جائزہ لے، ان چھ ججوں میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بھی تھے، اس کمیٹی نے مکمل بحث و مباحثہ اور تحقیق و تدقیق کے بعد مفصل و مدلل فیصلہ صادر کیا اور کہا کہ رجم حد شرعی ہے اور احکام اسلام کے منافی نہیں ہے، مولانا عثمانی صاحب کا یہ مفصل فیصلہ پی ایل ڈی کے اکتوبر و نومبر ۱۹۸۳ء کے شماروں میں شائع ہو چکا ہے اور اب ہفت روزہ ضرب مؤمن کراچی شمارہ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ / جون ۲۰۰۶ء میں بھی شائع ہوا ہے، اس مفصل و مدلل فیصلہ کے بعد یہ شبہ بھی باقی نہیں رہتا کہ شاید رجم غیر اسلامی حکم ہے۔

سمجھ سے بالاتر باتیں

یہ بھی عجیب بات ہے کہ پاکستان کے بہت سے شعبوں میں نہ صرف غیر اسلامی قوانین نافذ ہیں بلکہ انہیں مزید غیر اسلامی بنانے کی کوشش بھی کی جا رہی ہے۔ جیسے سود کے لین دین کی مکمل اجازت ہے، موسیقی و اداکاری کی اجازت ہے، مووی اور تصویر کشی کی اجازت ہے، سرکاری اسکولوں میں غلط نصاب پڑھانے کی اجازت ہے، غیر اسلامی لباس زیب تن کرنے کی اجازت ہے، چٹلون اور ٹائی لنکانے کی اجازت ہے، شراب پینے اور پلانے کی اجازت ہے، عیاشی و فحاشی کی اجازت ہے، ذخیرہ اندوزی کی اجازت ہے، جحد کے بجائے التوا کو چھٹی کرنے کی اجازت ہے۔ مخلوط تعلیم کی اجازت ہے، مجاہدین کو دہشت گرد قرار دے کر قتل کرنے کی اجازت ہے، غرض تقریباً ہر شعبہ ہائے زندگی میں غیر اسلامی قوانین نہ صرف نافذ العمل ہیں بلکہ بڑوں کی سرپرستی میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ ان قوانین پر آج تک نہ کسی نے اعتراض کیا، نہ کالم لکھا، اور نہ ہی انہیں اسلامی بنانے کی کوشش کی گئی۔ بلکہ ان غیر شرعی قوانین پر اجتہاد کی منکشاں بھی نہیں نکالی گئی، ان



قوانین میں حدود آؤ رڈینس بھی ہے جو کافی حد تک نہ صرف اسلامی ہے بلکہ سنت و شریعت کے عین مطابق بھی ہے۔ اس کے باوجود اس کی خامیاں نکالی جا رہی ہیں، مقاصد بیان کئے جا رہے ہیں اور سارا نزلہ اس پر گرایا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ موجودہ زمانے کے مستشرقین اجتہاد کے حدود اللہ اور قرآن و سنت کا حلیہ بگاڑ دیں۔ یاد رکھئے کہ قرآن و سنت کی من مانی تشریح سے قرآن و سنت کا حلیہ بگڑے یا نہ بگڑے اپنا حلیہ ضرور بگڑ جائے گا۔ تاریخ اس پر شاہد ہے۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ حدود آؤ رڈینس ایک خالص مذہبی اور تحقیقی مسئلہ ہے، اس کے باوجود اس پر عوام سے رائے لی جا رہی ہے جبکہ یہ کام محققین و مفسرین اور ممتاز جہانگیر علماء کا ہے جنہیں دیدہ و دانستہ دور رکھا جا رہا ہے۔ جبکہ حدود آؤ رڈینس پر متعدد بار نظر ثانی بھی کی جا چکی ہے۔ کیا آپ نے کبھی کسی فوجی قانون، عدالتی قانون، طبی قانون اور وکالتی قانون وغیرہ کو بھی عوام میں پیش کیا ہے اور عوام سے رائے طلب کی ہے یا اس قانون کو متعلقہ قانون کے ماہرین کے سامنے رکھا ہے اور ان کی رائے کو خوف آؤ رڈینس پر دیا ہے۔ اگر وہاں ایسا نہیں ہے تو یہاں کیوں ایسا ہو رہا ہے؟ وہ لوگ جو یورپ کے تعلیم یافتہ ہیں، انگریزی دان ہیں، منہ پہ واڑھی نہیں ہے، شکل و صورت یہود و ہنود کی ہے، وضع قطع غیر اسلامی ہے، لباس غیر شرعی ہے، بال انگریزی ہے، صوم و صلوة سمیت مالی و بدنی عبادات کو ورزش اور خدمت انسانیت قرار دیتے ہیں، عربی کی ابجد سے ناواقف ہونے کے باوجود غیر مستند اردو تراجم دیکھ کر قرآن و حدیث کی نہ صرف من مانی تشریح کرتے ہیں بلکہ مجتہد ہونے کا بھی دعویٰ کرتے ہیں، اس قسم کے حضرات ٹی وی میں آرہے ہیں، اخبارات کے صفحات سیاہ کر رہے ہیں اور خوب تحفظات و اعتراضات کر رہے ہیں۔

### حدود آؤ رڈینس پر چند اعتراضات اور تبصرہ جات

اس وقت میرے سامنے روزنامہ..... کراچی اشاعت ۱۴ جون ۲۰۰۶ء ہے، اس اشاعت کے دو اخباری صفحات اس کا ذخیرہ کے لئے مختص کئے گئے ہیں، سرورق کا خلاصہ مع تبصرہ یہ ہے:

(۱) کہ درج ذیل مسائل میں اجتہاد ممکن ہے۔ فقہ نہیں معلوم اجتہاد کی صلاحیت کس کے پاس ہے، کاش مجتہدین کے نام بھی آجائے؟ (۲) حدود اللہ میں بحث نہیں ہے۔ کیا حد زنا، رجم، حد زحف وغیرہ حدود الناس ہیں۔

(۳) رب العالمین کا قانون قرآن و سنت میں موجود ہے۔ کیا رب العالمین کا قانون اجماع امت و قیاس شرعی میں نہیں ہے؟ ان دونوں صفحات میں حدود آؤ رڈینس کے متعلق کیا رہ مسائل کا

اجمالی خاکہ ہے پھر ہر مسئلہ کے تحت سفارش بھی ہے۔ اگر ان کیا رہ مسائل پر بحث کی جائے تو یقیناً ضخیم کتاب بنے گی۔ اس لئے اشاروں اور کنایوں سے کام لیا جا رہا ہے۔ "العقل تکفیه الارشاد" (۴) پہلا اعتراض: زنا آؤ رڈینس کا غلط استعمال ہو رہا ہے، اس لئے زنا آؤ رڈینس کو تبدیل کر دیا جائے۔ اگر کوئی شخص فوجی قوانین کا استعمال غلط کرتا ہے تو فوجی قوانین تبدیل کئے جائیں گے یا غلط استعمال کرنے والے کو سزا دی جائے گی؟

(۵) زنا کی جموئی ایف آئی آر درج کی جا رہی ہے، اس لئے جب تک چار گواہ نہ ہوں تب تک ایف آئی آر درج نہ کی جائے۔ فقہ محترم مقدمہ دائر کرنے اور ایف آئی آر درج کرنے کا مطلب معاملہ کی تحقیق و تفتیش کے لئے اپنے آپ کو عدالت کے سامنے پیش کرنا ہے تاکہ درخواست اور ایف آئی آر کی بنیاد پر تحقیق و تفتیش کا آغاز ہو سکے، اس کے لئے نہ چار گواہوں کی ضرورت ہے اور نہ ہی ایک کی، گواہوں کی ضرورت تو اجراء حد کے لئے ہوتی ہے، اگر مقدمہ ہی دائر نہ ہو تو معاملہ کی تحقیق و تفتیش کون کرے گا اور کس بنیاد پر کرے گا۔

(۶) سابقہ علماء و مفسرین نے قرآن و حدیث کی غلط تشریحات کیں؟ فقہ وہ لوگ علم و عمل، خوف خدا، امانت و دیانت وغیرہ کے لحاظ سے موجودہ خود ساختہ مجتہدین سے بہت آگے تھے، اس کے باوجود اگر انہوں نے غلط تشریح کی ہے تو اس کی کیا گارنٹی ہے کہ موجودہ نام نہاد محققین صحیح تشریح کریں گے؟ کل کوئی اور مجتہد پیدا ہو گا جو ان کی تشریحات کو غلط قرار دے کر اپنی تحقیق پیش کرے گا، اس طرح تو قرآن و حدیث کھلوانا بن جائے گی۔

بھی کرنی ہے ویسی بھرنی ہے نہ مانے تو کر کے دیکھ جنت بھی ہے دوزخ بھی ہے نہ مانے تو مر کے دیکھ (۷) اسلام عورتوں کو قید میں رکھنے کی منظوری نہیں دیتا۔ اسلام خواتین کو عیاشی و فحاشی پھیلانے، بلاوجہ نیم عریاں ہو کر مارکیٹوں میں گھومنے پھیرنے، اداکاری کرنے، فلمیں بنوانے، محفلوں کی ذیعت بننے اور مخلوط انداز میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتا۔

(۸) زنا کے معاملے میں ذرا سا بھی شک رہے پھر حد کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ حد کی سزا تو نہیں ہوگی کیا تعزیر کی سزا بھی نہیں ہوگی؟ (۹) حمل زنا کا کافی ثبوت نہیں ہے۔ اگر غیر شادی شدہ خاتون کا حمل زنا کا ثبوت نہیں ہے تو کیا یہ حمل صحیح جماع کا ثبوت ہے؟ کیا یہ حمل ثابت النسل ہے، اگر ثابت النسل ہے تو اس کا باپ کون ہے؟

(۱۰) حدود اللہ میں زنا بارشہ کی انتہائی سزا سو کوڑے ہیں، یہ سزا اس وقت دی جاسکتی ہے جب

مجرم کے حالات اور اس کا پس منظر کسی بھی کی کا متقاضی نہ ہو۔ اگر زنا کی انتہائی سزا سو کوڑے ہیں تو رجم (سنگساری) کے متعلق جو متعدد صحیح احادیث ہیں وہ کہاں ہیں، ان پر کون عمل کرے گا۔ اس کو انکار حدیث کہتے ہیں، انکار حدیث درحقیقت انکار قرآن ہے کیونکہ قرآن کا اعلان ہے ”ما اتاکم الرسول فخذوه وما نہاکم عنہ فانتہوا“ آج آپ نے انتہائی خوبصورت انداز میں رجم کو حدود اللہ سے نکال باہر کیا، پتہ نہیں چل اور کیا کیا نکالیں گے۔ اگر زانی اور قاتل کے حالات وہیں منظر کے تحت حدود اللہ میں کی ہو جائے تو تو کسی بھی زانی اور قاتل پر کبھی بھی حد جاری نہیں ہو سکے گی کیونکہ موجودہ پرفتن دور میں ہرزانی، شرابی، کبابی اور قاتل کی حمایت کرنے والے بہت زیادہ ہیں، لہذا بڑی طاقتوں کی دھمکی پر اسلام ہی کو خیر باد کہہ دیا جائے۔ کیونکہ حالات خطرناک ہیں اور پس منظر اندھوناک ہے، یہی توجہ ہے کہ شہید ملت لیاقت علی خان کا قاتل حالات اور پس منظر کے تحت سزا اور قتل سے بچ گیا ہے، آئندہ آپ کا قاتل بھی بچ جائے گا اور اپنی ماں بہنوں کی عفت پر ڈاکہ ڈالنے والا بھی حالات اور پس منظر کے تحت دھندلے پھیرے گا۔ انتظار کیجئے۔

(۱۱) مسلم دانشوروں سے گفتگو سے پتہ چلا کہ حدود میں اجتہاد ممکن ہے۔ ظاہری بات ہے کہ مسلم دانشوروں سے گفتگو کا یہی نتیجہ نکلے گا جبکہ مسلم ممتاز علماء سے گفتگو کرنی تھی، مسئلہ طب کا ہے راہگیروں اور ماہی گیروں سے کیوں گفتگو کی جائے گی، معاملہ قانون کا ہے تو مفسنین اور ماہرین قانون کے بجائے عام سپاہیوں اور ملازموں سے کیوں رائے لی جائے گی؟ کیا مسلم دانشور بانی پاکستان، شہید ملت اور صدر پاکستان حدود میں اجتہاد کر سکتے ہیں؟

(۱۲) اگر اسلامی اصولوں کو مد نظر رکھا جائے تو زیادتی کا شکار ہونی والی (زنا بالجبر) کو ملزم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ٹھیک ہے کہ اسلامی اصولوں کے مد نظر وہ ملزم نہیں ہے، لیکن اسلامی اصولوں کے مد نظر اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بلاوجہ نیم عریاں ہو کر بازاروں اور مارکیٹوں کا چکر نہ لگائے، اجنبی مردوں سے فون پر پیار و محبت کی باتیں نہ کرے، مخلوط انداز میں انگریزی تعلیم حاصل نہ کرے، پردے کا مکمل لحاظ کرے اور زنا بالجبر کا موقع ہی فراہم نہ کرے ورنہ اسے ان امور کی پامالی کی سزا دی جائے گی۔

(۱۳) آج تک عصمت دری کے کسی ملزم پر حد کا اطلاق نہیں کیا گیا۔ کیا کسی اور ملزم پر بھی حد کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قانونی پیچیدگی صرف حدود آءینش میں نہیں دیکھ

قوانین میں بھی ہے، تو ان قوانین کی پیچیدگی دور کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی جارہی ہے۔ (۱۴) حدود آءینش کا اطلاق غیر مسلموں پر بھی کر دیا گیا ہے جبکہ اسلامی ریاست میں شریعت کا تقاضا ہے کہ غیر مسلم اپنے طور طریقوں کے مطابق زندگی گزار سکتے ہیں، ان پر مقدمات بھی ان کی مذہبی تعلیم کے مطابق چلنے چاہئیں۔

کیا غیر مسلموں کو اسلامی ریاست میں بغیر حدود و قیود رہنے کی اجازت ہے؟ کیا انہیں اسلامی احکامات کا مذاق اڑانے کی اجازت ہے؟ کیا انہیں سنت اور شریعت میں دخل اندازی کرنے کی اجازت ہے، کیا انہیں تعاون اور مدد کے بہانے سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان خریدنے اور ارتدادی فساد پھیلانے کی اجازت ہے؟ کیا انہیں اسلامی قوانین و احکامات کے خلاف اخبارات کے صفحات سیاہ کرنے اور ٹی وی میں چلانے کی اجازت ہے؟ کیا انہیں قرآن کریم کی بے حرمتی کرنے اور سبز باغ دکھا کر مسلم عورتوں کو گھر سے باہر نکالنے کی اجازت ہے؟ کیا انہیں عیاشی و فحاشی پھیلانے، رنگین محفل سجانے اور اداکاری کرنے کی اجازت ہے؟ ان امور پر بھی آپ نے کبھی عوام سے رائے طلب کی ہے اور ٹی وی میں گفتگو فرمائی ہے؟ تصویر کا دوسرا رخ کیوں نظر نہیں آ رہا ہے۔

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تھلید وہاں مرض کا سبب ہے نظام جمہوری نہ مشرق اس سے بری ہے، نہ مغرب اس سے بری جہاں میں عام ہے قلب و فطر کی رنجوری (۱۵) گواہوں کے معیار کا تعین کرتے وقت حدود آءینش میں مذہب اور جنس کے بنیاد پر تمیز کی گئی ہے اور یہ شریعت کے منافی ہے۔ آپ تو مذہب اور جنس کی بات کر رہے ہیں، مذہب اور جنس ایک ہوتے ہوئے بھی بعض مواقع پر گواہی قبول نہیں ہے، کیا بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں اور باپ کی گواہی بیٹے کے حق میں قبول ہے، کیا مسلم غلاموں کی گواہی آقا کے حق میں اور آقا کی گواہی مسلم غلاموں کے حق میں قبول ہے، ٹھیک ہے اگر آپ کے نزدیک مذہب اور جنس کی تمیز غلط ہے تو یورپی ممالک کی یہ گواہی تسلیم کر لیں کہ نبی آخر الزمان دہشت گرد ہیں (مجاز اللہ) اسلام فرسودہ مذہب ہے۔ (انا للہ) عیسائی مذہب ناقابل منسوخ ہے وغیرہ وغیرہ خرافات۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے کیا ہی اچھی بات کہی۔

یورپ کی غلامی پہ رضا مند ہوا تو مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں جو بات حق ہو وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی خدا نے مجھ کو دیا ہے دل خیر و بصیر یہی حدود و بیعت سعودی عرب میں نافذ العمل ہیں، اس لئے وہاں مکمل امن و سکون ہے، ڈاکہ

زنی و قتل عارت گیری کا لحد ہے، لوٹ کھسوٹ نہیں ہے اور ہر شہری کو عافیت کی زندگی میسر ہے، اگر یہ سب کچھ وہاں ہو سکتا ہے تو یہاں کیوں نہیں ہو سکتا۔ پتہ چلا کہ آج نہیں قیام قیامت تک قرآن و سنت اور اسلامی احکامات نہ صرف قابل عمل ہیں بلکہ پرسکون زندگی کا راز اس میں مضمر ہے۔ اگر آپ کو سکون کی زندگی پسند نہیں ہے تو اسلام کو خیر باد کہہ دیجئے پھر اپنا حشر دیکھ لیجئے۔

### حدود آؤٹینس کے متعلق چند دیگر اعتراضات

حدود آؤٹینس کے متعلق جو دو ایلا شروع ہوا تھا اور جس جارحانہ انداز میں اسے تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا اور جا رہا ہے اس پر اکتھار خیال کیا جا چکا ہے، لیکن اخبارات اور میڈیا سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضمون سلسلہ اب تک روکا نہیں ہے بلکہ کچھ دیگر لائینیں اعتراضات سامنے آئے ہیں، ان اعتراضات سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجمین نہ صرف علم و عمل سے عاری ہیں بلکہ دین اسلام اور احکام اسلام کو صغیر ہستی سے مٹانے پر بھی تلے ہوئے ہیں، جبکہ وہ اس پر قادر نہیں ہیں، مذکورہ اعتراضات درج ذیل ہیں:

(1) شادی شدہ خاتون یا مرد پر جو رجم کی سزا جاری کی جاتی ہے اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، یہ حیوانی فعل ہونے کے ساتھ انسانیت کے بھی خلاف ہے، اس اعتراض کا مطلب یہ ہوا کہ جس چیز کا ذکر قرآن میں نہ ہو وہ قابل رد ہے، اگر اسے مان لیا جائے تو بہت سے اسلامی احکامات قابل رد ہو جائیں گے، کیونکہ ان کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ یوں اسلامی احکامات سے نجات مل جائے گی، کیا نماز اور زکوٰۃ کی تفصیلات قرآن میں ہیں؟ لہذا نماز، روزہ اور زکوٰۃ کو بھی چھوڑ دیا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ متعدد صحابہؓ کا کہنا ہے کہ یہ آیت بھی قرآن کا حصہ ہے۔ "الشبیخ والشبیخۃ اذا زلیا لہما جموعہما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم" اس کی تلاوت منسوخ ہے اور حکم باقی ہے، چلو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ رجم کی سزا قرآن سے ثابت نہیں ہے تو رجم کی سزا احادیث صحیحہ سے تو ثابت ہے، قرآن کی طرح حدیث بھی حجت مطلق ہے، اس لئے رجم پر صحابہؓ کا اجماع ہوا ہے۔ جو لوگ منکرین حدیث ہیں یا اجماع صحابہؓ کو نہیں مانتے وہی لوگ رجم کا انکار کرتے ہیں، رجم کے متعلق کتب حدیث میں جو روایات ملتی ہیں ان میں سے اکثر روایات حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانیؒ زید محمد حم کی معرکہ فلا رام کتاب "تکملہ فتح البلیغ" ج: 2، ص: 418 پر مذکور ہیں اور اس میں بہت سے اعتراضات کے جوابات بھی ہیں، جس کو تفصیل درکار ہو وہ اس کتاب کو پڑھ لے۔ انشاء اللہ تلی ہو جائے گی، اس کے باوجود اگر کوئی رجم کا انکار

کرے تو اسے اللہ و الرسول کہا جائے گا۔

(2) حدود آؤٹینس میں زنا بالرضاء اور زنا بالجبر میں فرق نہیں کیا گیا، اس لئے زنا بالجبر کو رجم سے خارج کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ فعل زنا کے ثبوت (بشرط الاحصان) پر رجم کی سزا جاری ہوتی ہے۔ اب تک کے ائمہ اور علماء نے زنا کی جو تعریف کی ہے وہ تعریف زنا بالجبر پر بھی صادق آتی ہے، کسی بھی امام اور عالم نے زنا بالرضاء اور زنا بالجبر کی تعریف میں کوئی تفریق نہیں کی، صحابہؓ نے بھی یہ کام نہیں کیا، چنانچہ صاحب حدادیہ لکھتے ہیں "الزنا هو وطء الرجل المرأة فی القبل فی غیر الملک و شبہۃ الملک" (حدادیہ فتح القدیر ج: 5 ص: 30) یہی تعریف رد المحتار ج: 4، ص: 4 اور در مختار مع رد المحتار رو غیرہ سمیت بہت سی کتب فقہ و قانون میں مکتوب ہے۔ لہذا زنا بالجبر کی صورت میں بھی رجم کی سزا جاری ہوگی۔ البتہ چونکہ خاتون پر جبر کیا گیا ہے اس لئے عورت سے حد ساقط ہو جائے گی۔ خود حضورؐ کے عہد میں بھی زنا بالجبر کے متعدد واقعات پیش آئے، حضورؐ نے زانی پر حد جاری فرمائی ہے البتہ مکہ عورت سے حد ساقط فرمادی، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج: 2، ص: 189۔

جب حضورؐ نے، صحابہؓ نے اور ائمہ و علماء نے زنا بالرضاء اور زنا بالجبر میں تفریق نہیں کی تو موجودہ زمانے کے نام قہاد مجتہدین اور مستشرقین کو کس نے یہ حق دیا ہے کہ وہ زنا بالجبر کی صورت میں رجم کا انکار کریں، صاف کیوں نہیں کہتے کہ ہم دائرہ اسلام میں رہنا نہیں چاہتے۔ ولسی الہندہ "و معنی المکوهۃ ان تكون الی وقت الایلاج" (ج: 2، ص: 150)

### اسلامی نظریاتی کونسل کی تجاویز

اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر خالد مسعود صاحب نے حدود آؤٹینس کے بارے میں کونسل کی تین عبوری رپورٹ جاری کر دی ہے، جس کا کچھ حصہ روزنامہ اسلام کراچی، 7 اگست 2006ء میں شائع ہوا ہے۔ اس طبع شدہ رپورٹ کے مندرجات یہ ہیں:

(1) موجودہ نافذ شدہ حدود آؤٹینس کسی طرح بھی قرآن و سنت کے مطابق نہیں ہے۔

(2) چند ترامیم سے بات نہیں بنے گی بلکہ اس پر تفصیلی نظر ثانی کی ضرورت ہے تاکہ اسے نہ صرف قرآن و سنت کے مطابق بنایا جاسکے بلکہ جدید عدالتی نظام میں بھی اسے مؤثر بنایا جاسکے۔

(3) حدود آؤٹینس میں حدود کی تعریف و تشریح "فقہی تعریف" کے تحت کی گئی ہے جبکہ ان کی قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح طور پر تشریح کرنا ضروری ہے۔



(4) تمام مسلم ممالک میں فقہی حدود قوانین نافذ نہیں کئے جا رہے ہیں۔

(5) حدود آرڈیننس کے نفاذ سے جرائم میں کمی نہیں ہوئی بلکہ اضافہ ہوا ہے۔

(6) اگر اس آرڈیننس میں عبوری ترامیم لائی جاتی ہیں تو اس سے قرآن و سنت کی روح پر پوری طرح عملدرآمد ممکن نہیں ہوگا۔

پہلا نکتہ قطعاً باطل اور خلاف حقیقت ہے، کیونکہ یہ حدود نہ قرآن کے منافی ہیں اور نہ سنت کے البتہ دشمنان اسلام کے نظریات فاسدہ و عقائد باطلہ کے منافی ضرور ہیں۔ اس لئے اس نکتے پر بحث کرنا ہی فضول ہے۔

دوسرا نکتہ بھی قابل اہتمام نہیں ہے کیونکہ جن بڑوں نے اس پر کمر نہ کر مفسل نظر ثانی کی ہے انہیں تلاش بسیار کے باوجود اس میں کوئی نقص، عیب اور کوتاہی نظر نہیں آئی، آپ کی نظر ان لوگوں کی نظروں سے نہ کل حیرت منی نہ آج ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ لہذا تفصیلی نظر ثانی سے اس کا حلیہ بگاڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کل کوئی اور مجتہد آکر اس پر اپنی نظر ڈالے گا، کیا حدود اس لئے ہیں کہ ہر شخص اپنی سمجھ اور فہم کے مطابق نظر ڈالے رہے۔

تیسرا نکتہ بھی حدود پر گمراہ کن اور جمل مرکب کا مظہر ہے کیونکہ جن ائمہ و علماء کی عدالت، امانت، خوف آخرت، نفوس صلاحیت، قابل رشک قابلیت، اتباع سنت اور خوگر عبادت پر سب کا اتفاق ہے، اور ان کی پوری زندگی قرآن و حدیث کی تشریح اور سمجھنے و سمجھانے میں گزری ہے۔ اگر قرآن و حدیث کی تشریحات و تعبیرات ان کی معتبر نہ ہوں تو پھر اور کس کی معتبر ہو سکتی ہیں۔ کیا ہم ان برگزیدہ ائمہ کی تشریحات و تعبیرات کے بجائے امام جاوید اقبال صاحب، امام ڈاکٹر خالد مسعود صاحب اور امام جاوید عابدی صاحب وغیرہ کی تعبیرات و تشریحات کو معیار دین و اسلام قرار دیں گے؟

چوتھا نکتہ جہالت پر مبنی ہے کیونکہ خلفائے راشدین اور خلفائے راشدین کے بعد بھی بہت سے ادوار میں فقہی حدود اور اسلامی قوانین نافذ العمل تھے، اس لئے امن و امان مثالی تھا، جرائم کی شرح کا اندازہ نہیں کر سکتا، تاریخ کا چھوٹا بچہ بھی اس کی گواہی دے گا۔ موجودہ پرفتن دور میں بھی مملکت سعودی عرب میں حدود نافذ العمل ہیں۔ اس لئے وہاں جرائم کی شرح آٹے میں نمک کی طرح ہے، اور طالبان کے پانچ سالہ دور میں بھی حدود نافذ العمل تھے اس لئے مثالی امن قائم تھا اور جرائم کا فور تھے جس کی گواہی دشمنان اسلام بھی دے رہے ہیں، کئی انگریزوں نے اپنے

مقالات اور کتابوں میں اس کی تفصیل لکھی ہے، اور راقم کی کتاب ”مظہر عالم“ میں بھی اس کی ایک جھلک موجود ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ مسلم ممالک میں حدود قوانین نافذ نہیں کئے گئے حدود جہالت کی بات ہے۔ چلو مان بھی لیتے ہیں کہ مسلم ممالک میں حدود اور اسلامی قوانین نافذ نہیں کئے گئے، تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ یہ حدود اور اسلامی قوانین غلط ہیں، اگر کوئی شخص قرآن پر عمل نہیں کرتا تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ قرآن کریم غلط ہے۔

پانچواں نکتہ بھی عدم علم پر مبنی ہے، کیونکہ سعودی عرب، ادوار خلفائے راشدین اور طالبان کے ادوار کا تذکرہ اوپر آچکا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ پاکستان میں حدود اور اسلامی قوانین نافذ نہیں ہوئے تھے، جب نافذ ہی نہیں ہوئے تو جرائم کی شرح میں کمی آنے کا مطلب کیا ہے۔

امریکا و برطانیہ سمیت بہت سے یورپی ممالک میں حدود اور اسلامی قوانین نافذ نہیں ہیں اس کے باوجود وہاں جرائم کی شرح زیادہ کیوں؟ ذرا دلائل کی بنیاد پر جواب دیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو حق کہنے، حق سننے، حق قبول کرنے اور حق کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق دے۔

### حکومتی ٹیم کا پہلا تجویز کردہ مسودہ

حکومتی کمیٹی کا پہلا تجویز کردہ مسودہ سلسلہ حدود آرڈیننس بعنوان ”محفوظ حقوق نسواں“ 11 اگست 2006ء کو قومی اسمبلی میں پیش ہوا پھر یہ مسودہ اسلام کراچی، 17 اگست 2006ء کو شائع ہوا۔ تجویز بل میں جو ترامیم تجویز کی گئی ہیں وہ کچھ یوں ہیں:

(1) زنا بالجبر کے جرم کو حدود آرڈیننس سے خارج کر کے تعزیرات پاکستان کا حصہ بنایا جائے۔ اس جرم کے لئے موت اور قید کی سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔

(2) زنا کی FIR پولیس کی بجائے سیشن جج کے حکم پر درج ہوگی اور یہ شکایت بھی اس وقت درج ہوگی جب چار گواہ موجود ہوں۔

(3) گواہوں کی جنس (مرد و عورت) کے لحاظ سے تقسیم ختم کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔

(4) چار گواہوں کی شرط صرف حد کے تحت زنا (بالرضا) کے لئے ہے، اس کا اطلاق زنا بالجبر پر نہیں ہوتا جس کے لئے تعزیر کی سزا ہے۔

(5) ثبوت قذف کے لئے دو مسلمان مردوں کی گواہی کی شرط ختم کر دی گئی ہے۔ مجرم کا اعتراف یا کوئی اور ثبوت قذف کے لئے کافی ہوگا۔

(6) مرد کی بلوغت کی عمر قانون میں 18 سال مقرر تھی اور خاتون کی 16 سال، اب خاتون کی

بلوغت کی عمر بھی 18 سال تجویز کی گئی ہے۔

(7) تجویز کردہ ترامیم کے مسودہ قانون میں یہ بنیادی اصول اختیار کیا گیا ہے کہ کوئی ایسا جرم یا اس کی سزا قرآن و سنت میں مذکور نہیں تو اسے حدود آؤ رڈینس سے نکال کر تعزیرات پاکستان میں شامل کر لیا گیا ہے۔ مثلاً خواتین کا زنا یا شادی کے لئے اغواء، جسم فروشی کے لئے خرید و فروخت اور دھوکے سے مباشرت وغیرہ۔ (روزنامہ اسلام کراچی 17 اگست 2006ء)

پہلی ترمیم کا مطلب یہ ہے کہ زنا بالجبر کو حدود سے نکال دیا گیا ہے، ہمارا کہنا یہ ہے کہ زنا بالجبر کے اثبات پر بھی وہی حد جاری ہوتی ہے جو زنا بالرضا کی صورت میں ہوتی ہے جس کی تفصیل ہم ماقبل میں لکھ چکے ہیں، لہذا زنا بالجبر اور زنا بالرضا میں تفریق کر کے زنا بالجبر کو حدود سے نکالنا اور اسے تعزیرات کا حصہ بنانا خلاف شرع ہے۔

دوسری ترمیم کا خلاصہ یہ ہے کہ FIR درج ہونے کے لئے چار گواہوں کی ضرورت ہے، جب چار گواہ موجود ہوں گے تو FIR درج ہوگی اور تحقیقات کا مرحلہ آئے گا، شریعت نے زنا کے گواہوں کے لئے جو شرائط عائد کیں ان شرائط کے تحت عہد رسالت سے اب تک (سوائے چند نادرواقعات کے) کوئی زنا گواہوں کی وجہ سے ثابت نہیں ہوا، اس لئے موجودہ زمانہ میں ان شرائط کے حامل چار گواہ لانا خاتون کے لئے ناممکن ہے۔ اس لئے FIR درج نہیں ہو سکے گی، لہذا نہ تحقیقات کا مرحلہ آئے گا اور نہ ہی کسی زانی اور زانیہ پر حد آ سکے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب چار گواہوں سے زنا ثابت ہو گیا تو اس کے بعد فوراً حد جاری ہو جانی چاہیے، گواہ ہوتا ہی اثبات زنا کے لئے، اس کے بعد جس کس چیز کی تحقیق فرمائیں گے۔

تیسری ترمیم کی تفصیل شمارہ جہادی الٹائی 1427ھ/ جولائی 2006ء میں ہے، اسی طرح چوتھی ترمیم کی تفصیل بھی ماقبل میں آچکی ہے، اس لئے ان شقوں پر بحث فضول ہے۔

پانچویں ترمیم کے مطابق دو مسلمان مردوں کی گواہی کی شرط ختم کر دی گئی، بلکہ اجرائے حد قذف کے لئے کوئی بھی ثبوت کافی ہے، کیا کافروں کی گواہی قبول کی جائے گی؟ اس ترمیم کا پہلا حصہ متصادم شریعت ہے اور آخری حصہ مبہم ہے، لہذا الغوہ۔

چھٹی ترمیم نہ صرف شریعت کے خلاف ہے بلکہ مشاہدے کے بھی خلاف ہے کیونکہ مشاہدہ گواہ ہے کہ عورت بارہ سال کے بعد بالغ ہو جاتی ہے۔ اس زمانے میں توٹی وی اور خفش تصاویر کے توسط سے 12 سال سے بھی قبل بالغ ہو جاتی ہے، لہذا خاتون کی بلوغت کی حد 18 سال متعین کرنا

گویا 18 سال کی عمر تک زنا کی حد ساقط کرنا ہے جس کے سنگین اور نکلین نتائج برآمد ہوں گے۔ اس کی مزید تفصیل کتاب ”حالی قوانین اور اخلاقی نوٹ“ میں ہے۔

ساتویں ترمیم میں انکار حدیث ہے اس لئے یہ ترمیم قابل مسترد ہے۔

حکومتی کمیٹی کا دوسرا مجوزہ مسودہ

حکومت نے حدود آؤ رڈینس میں بڑے پیمانے پر ترامیم تجویز کی ہیں:

(1) عورت کو نکاح پر مجبور کرنے کے لئے اغواء کرنے، عصمت فروشی کی غرض سے عورتوں کی خرید و فروخت، زنا بالجبر میں ملوث افراد کو عمر قید کی سزا دی جائے گی۔

(2) مجوزہ قانون کے تحت نکاح کا یقین دلا کر عورت سے زیادتی کرنے پر 25 سال قید کی سزا تجویز کی گئی ہے۔

(3) صدر کی ہدایت پر وفاقی حکومت نے قانون میں جو ترامیم کی ہیں مجوزہ ترامیم کے تحت زنا کیس کی آئندہ پولیس تھانوں میں ایف آئی آر درج نہیں ہوگی اور نہ ہی کسی کو گرفتار کیا جائے گا۔ متاثرہ عورت براہ راست سیشن جج کی عدالت میں شکایت درج کرائے گی۔ جس پر عدالت چار گواہوں کو طلب کرے گی اور گواہوں کے بیان کے بعد عدالت کیس کی سماعت کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرے گی۔ دوران سماعت پولیس ملزم کو گرفتار نہیں کرے گی تاہم عدالت میں پیش نہ ہونے پر ملزم کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ اگر عدالت میں عورت جرم کو ثابت نہ کر سکی تو غلط اثرام پر عورت کو 80 کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

(4) مجوزہ بل میں حدود آؤ رڈینس کی 11 سے 16 تک دفعات کو مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے۔

جبکہ تعزیرات پاکستان کی دفعات A-367، A-366، B-496، A-367، B-371، A-379، A-473 میں بھی ترامیم کی گئی ہیں۔ A-367 میں ترمیم کے مطابق لڑکے سے بد فعلی کے ملزم کو 25 سال قید اور موت کی سزا دی جاسکے گی۔ مجوزہ بل میں زنا اور زنا بالجبر کو الگ الگ دفعات میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ زنا کے ثبوت کی ناکامی پر قذف کی حد از خود لاگو ہو جائے گی۔ نئے قانون کے مطابق زنا یا زنا بالجبر کی صورت میں عورت یا اس کے خاندان کے کسی فرد کی تشہیر ممنوع قرار دے دی جائے گی اور خلاف ورزی کرنے والوں کو 6 ماہ قید کی سزا ہوگی۔ (روزنامہ جنگ کراچی 18 اگست 2006ء)

یہ مسودہ اول کی نوٹو کاپی ہے، دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، اس مسودہ کی پہلی اور دوسری شقیں ایک دوسرے سے متصادم ہیں اس لئے زانی (بالجبر) پر یا تو حد جاری نہیں ہو سکے گی

یا صرف 25 سال کی سزا ہو سکے گی، جبکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ زنا بالرضا اور زنا بالجبر دونوں صورتوں میں حد جاری ہوتی ہے، لہذا زنا بالجبر کو حدود سے نکال کر تعزیرات میں شامل کرنا شریعت اور سنت کے خلاف ہے۔

تیسری شق پر مفصل بحث اوپر آچکی ہے، چوتھی شق کے مطابق زانی کی تشہیر ممنوع قرار دی گئی ہے جبکہ ثبوت زنا کے بعد حضور اور صحابہ کرام نے زانی کی تشہیر کی ہے، لہذا تشہیر کو ممنوع قرار دینا غلط اور خلاف شرع ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ زنا کی تشہیر ممنوع ہے لیکن اغنین فلم، فحش تصاویر و دیگر منکرات کی تشہیر حکومتی سرپرستی میں ہو رہی ہے۔ اس پر کوئی پابندی نہیں ہے؟

محترم آپ نے بھی غور کیا ہے کہ شریعت و سنت کے خلاف علانیہ بغاوت کب تک؟ موجودہ طاقت و شوکت کب تک؟ غیر اسلامی احکامات کی تحفید کب تک؟ قوانین اغیار کے نفاذ کی کوشش کب تک؟ یہ جوانی اور مستعار زندگی کب تک؟ اسلامی احکامات سے بیزار اور دشمنان اسلام کی خوشنودی کب تک؟ ”اللهم کن ایمانی تسلی علیکم لما استکبرتم وکنتم قوماً معجربین“ کیا تم کو سنا کی نہ جاتی تھیں باتیں میری، پھر بھی تم نے غرور کیا اور ہو گئے تم لوگ گنہگار۔ ”السم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبهم لذكر الله وما نزل من الحق“ کیا اب تک وقت نہیں آیا ایمان والوں کو کہ گڑگڑائیں ان کے دل اللہ کی یاد سے اور جوا تر ابے بچا دین، اللہ تعالیٰ عوام و حکام کو ہدایت دے اور دین متین کی بغاوت سے حفاظت فرمائے۔ (آمین)

بگوانچہ دانی کہ حق گفتہ بہ نہ رشوت ستانی و نہ عشوہ وہ چوں حرفم بر آید درست از قلم مرا از ہر حرف گیراں چہ غم اگست 2006ء میں پاس ہونے والا ”تحفظ حقوق نسواں“ بل وہ واحد بل ہے جس کے خلاف شرع ہونے پر سر زمین پاکستان کے جملہ مکلفہ فکر کے تمام مستند علماء، قلم کار، مضمون نگار اور اہل علم کا اتفاق و اجراع ہے، تاہم حکومت پاکستان نے انتہائی ڈھٹائی سے اسے پاس کر لیا اور نافذ بھی کر دیا ہے، بہت سے علماء اور مضمون نگار حضرات نے اس بل کی مخالفت میں مضامین لکھے ہیں، اگر صرف ان مضامین کا مجموعہ تیار کیا جائے تو مستقل کتاب معرض وجود میں آئے گی۔

”إن ارید الاصلاح ومانوفیقی الا باللة“ بقلم مولانا محمد صدیق ارکانی

## مکتوبات بسلسلہ عالمی کمیشن

منجانب: خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی  
وکبار علماء کرام

زیر نگرانی: حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی صاحب

مرتبہ: شعبہ تصنیف جامعہ احتشامیہ کراچی

ناشر: مکتبہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی

نئی تہذیب میں دقت زیادہ تو نہیں ہوتی  
مذہب رہتے ہیں قائم، فقط ایمان جاتا ہے  
واہ کیا جوش ترقی ہے مسلمانوں میں  
بتوں سے میل، خدا پر نظر، یہ خوب کہی



## مکتوبات بسلسلہ عالمی کمیشن

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ عالمی کمیشن کے ممبر بننے کے بعد عالمی کمیشن کے سیکرٹری جنرل اور دیگر شخصیات سے عالمی کمیشن کے متعلق جو خط و کتابت ہوئی وہ تمام خطوط و مکتوبات محفوظ نہیں ہیں، تاہم خزائنہ احتشام کی چھان بین کے بعد جو خطوط بوسیدہ اور خستہ حالت میں برآمد ہوئے انہیں قابل استفادہ و انتفاع بنا کر قارئین کرام کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں، چونکہ یہ گراں قدر مکتوبات بھی تاریخ کے روشن حصے اور اکابرین کے تابناک کردار کے یادگار ہیں اس لئے ادارے کو ان خطوط کی اشاعت پر فخر ہے۔ (از مرتب)

### (۱) مکتوب مفتی اعظم پاکستانؒ بنام خطیب پاکستانؒ

کرم فرمائے محترم مولانا احتشام الحق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ عالمی قانون کے بارے میں کسی اجتماع کی صورت بننے سے مایوس ہو کر میں نے بنام خدا تعالیٰ ایک خط کے ساتھ کچھ یادداشت صدر صاحب کے نام پر بھیج دی۔ معلوم نہیں کہ وہ ان تک پہنچ سکے گی یا نہیں اور وہ اس کو پڑھ سکیں گے یا نہیں؟

اب معلوم ہوا ہے کہ آپ 8 مارچ 1955ء کو ان سے مل رہے ہیں، میں نے چاہا کہ آپ سے مل کر یہ یادداشت بھی دکھلا دوں اور کچھ ضروری باتیں کہنا تھیں وہ کہہ دوں، مگر میں یہاں بہاولنگر کے جلسہ میں شرکت کا وعدہ کر کے پابند ہو چکا تھا اس لئے آج بہاولنگر کے لئے روانہ ہو رہا ہوں یہ یادداشت مولوی نور احمد صاحب کے سپرد کرتا ہوں کہ وہ آپ کو دکھلا دیں، ممکن ہے کہ کسی مشکل کی وجہ سے انہیں دیر ہو تو آپ خود ٹیلیفون کر کے ان کو بلا لیں اور جانے سے پہلے اس کو ضرور دیکھ لیں۔ یہ یادداشت جو بھیجی ہے صرف عالمی قانون کے متعلق ہے۔ ایک دوسرا مضمون رویت ہلال کے بارے میں تفصیلی لکھا ہے جو وہاں بھیجا نہیں گیا اس کو آپ خصوصیت سے ملاحظہ فرما لیں۔ اور مناسب یہ ہے کہ ہلال کے بارے میں آپ خود کوئی تجویز نہ رکھیں بلکہ یہ معلوم کریں کہ ان کے پیش نظر کیا ہے۔ پھر اس کو فوری طور پر رد یا قبول نہ کریں بلکہ یہ عرض کر دیں کہ میں غور و مشورہ کے بعد جواب دوں گا۔ یہ میرا خیال ہے، آئندہ آپ خود باخبر ہیں، سفر میں جاتے ہوئے مجلت میں یہ خط لکھا۔ والسلام بندہ محمد شفیع۔ (بانی دارالعلوم کراچی و مفتی اعظم پاکستان)

## (۲) مکتوب خطیب پاکستانؒ بخد مت ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب

کرمی جناب ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب، سکرٹری، کمیشن اون میرج اینڈ فیملی لاز، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک کلچرزنسگ واس گارڈنس کلب روڈ، لاہور۔

السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

آپ کا نوٹس مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۵۵ء۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء کو ملا، جس میں ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء کی میٹنگ کی اطلاع دی گئی ہے، میں انشاء اللہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو روانہ ہو کر ۲۴ اکتوبر کو پہنچ کر میٹنگ میں شرکت کروں گا۔ والسلام۔ (مولانا) احتشام الحق تھانوی، ۵۶۔ جیکب لائن کراچی۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء

## (۳) مکتوب خطیب پاکستانؒ بخد مت ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب

گرمی قدر جناب خلیفہ عبدالحکیم صاحب۔ السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

۱۵ اکتوبر (1955ء) کی میٹنگ سے فارغ ہو کر ۶ اکتوبر کی صبح کو میل سے میں کراچی پہنچا اور کراچی پہنچ کر یہ افسوس ناک خبر اخبار میں پڑھی کہ ہمارے کمیشن کے چیئر مین جناب خلیفہ شجاع الدین صاحب اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

اس خبر سے غیر معمولی افسوس ہوا کہ لاہور کی ملاقات میں اس کا وہم بھی نہ تھا کہ ان کی یہ آخری ملاقات ہے اور ایک ہی دن کے بعد وہ ہم سے جدا ہو جائیں گے۔

خلیفہ صاحب مرحوم قومی ہمدرد اور ذی علم ہونے کے علاوہ بہت ہی سنجیدہ اور مدبر قسم کے آدمی تھے۔ کمیشن ان کی سرپرستی سے محروم ہو گیا اور پاکستان کو ان کے انتقال سے نقصان پہنچا، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ والسلام

(مولانا) احتشام الحق تھانوی، ۵۶۔ جیکب لائن کراچی۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء

## (۴) مکتوب خطیب پاکستانؒ بخد مت سیکرٹری کمیشن

جناب سکرٹری صاحب کمیشن اون میرج اینڈ فیملی لاز انسٹیٹیوٹ آف اسلامک کلچرزنسگ واس گارڈنس کلب روڈ، لاہور۔

گرمی قدر سکرٹری صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں ۴ اکتوبر (1955ء) کو لاہور حاضر ہو کر ۵ اکتوبر کو کمیشن کی میٹنگ میں شریک ہوا، اور ۶ اکتوبر کو روانہ ہو کر ۷ اکتوبر کو کراچی پہنچا۔ اس سلسلے میں کراچی سے لاہور اور لاہور سے

کراچی کے مصارف سفر میں نے اپنے پاس سے برداشت کئے۔ امید ہے کہ آپ کرایہ سفر میرے پتہ پر روانہ فرمادیں گے۔ والسلام

(مولانا) احتشام الحق تھانوی۔ ۵۶۔ جیک لائن کراچی۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء

(۵) مکتوب خطیب پاکستان، بخدمت عبدالحکیم

جناب سیکریٹری صاحب کمیشن اون میرج اینڈ فیملی لاز

انسٹیٹیوٹ آف اسلامک کلچر ریسرچ داس گارڈنس کلب روڈ۔ لاہور۔

مخدوم گرامی قدوم خلیفہ عبدالحکیم صاحب، السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

جناب کامراسلہ کمیشن کی میٹنگ سے متعلق موصول ہوا۔ لیکن 26 نومبر سے آل پارٹیز کشمیر

کانفرنس ہے جو تقریباً 29 تک رہے گی۔ اس لئے کمیشن کے اجلاس میں شرکت بہت دشوار ہے۔

بیگم شہناز بھی کانفرنس میں مدعو ہیں۔ ان کے لئے بھی شرکت مشکل ہوگی۔ بہتر ہوگا تاریخیں

تبدیل فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ والسلام (مولانا) احتشام الحق تھانوی۔ 22 نومبر 1955ء۔

(۶) مکتوب خطیب پاکستان، بخدمت دفتر عالمی کمیشن

مخدوم گرامی قدوم۔ السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

جناب کامراسلہ مؤرخہ ۲۳۔ ۱۔ ۱۹۵۶ء بھی موصول ہو گیا تھا اور اب ۷۔ ۲۔ ۱۹۵۶ء کا

گرامی نامہ بھی مل گیا۔ کمیشن کی میٹنگ میں جو ۱۶ فروری (۱۹۵۶ء) سے منعقد ہو رہی ہے میں

ضرور حاضری کی کوشش کروں گا، لیکن ایک ہفتہ سے زائد قیام کرنا میرے لئے ناممکن ہوگا۔ مجھے

امید ہے کہ آپ میٹنگ کی مدت اس سے زیادہ نہ بڑھائیں گے۔ دیگر آنکد وہ سوالنامہ جو کمیشن کی

طرف سے آپ نے جاری کیا ہے مجھے اس پر اصولی طور سے یہ اعتراض ہے کہ وہ کمیشن کی حدود

سے باہر اور تجاوز ہے اور پہلی میٹنگ میں جو خلیفہ شجاع الدین صاحب مرحوم کی صدارت میں ہوئی

تھی اس قسم کے سوالنامہ کی کوئی تجویز پیش نہیں ہوئی جس سوالنامہ کی بابت میٹنگ میں طے کیا گیا

تھا وہ صرف یہ تھا کہ سوالنامہ میں لوگوں کی مروجہ تکالیف کی بابت دریافت کیا جائے تاکہ مروجہ سماجی

تکلیفوں سے عورتوں کو رہائی مل سکے۔ میرا یہ اعتراض جو اصول پر مبنی ہے ایجنڈے میں ضرور شامل

کیا جائے۔ والسلام (مولانا) احتشام الحق تھانوی۔ 11 فروری 1956ء

(۷) مکتوب خطیب پاکستان، بنام انکم ٹیکس آفیسر صاحب

گرامی قدوم انکم ٹیکس آفیسر صاحب، السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

بتاریخ 15 فروری 1956ء میری حاضری کی تاریخ آپ نے مقرر فرمائی ہے، لیکن ایک

ماہ پہلے سے "کمیشن اون میرج" کی میٹنگ کی تاریخ 16 فروری 1956ء مقرر ہو چکی ہے، میں

پندرہ کولہ اور چار ہا ہوں اس لئے حاضر نہ ہو سکوں گا۔ وکیل صاحب آپ کی خدمت میں پیش ہو

رہے ہیں۔ والسلام (مولانا) احتشام الحق تھانوی۔ 12 فروری 1956ء۔

(۸) مکتوب خطیب پاکستان، بنام سیکریٹری صاحب کمیشن اون میرج

گرامی قدوم سیکریٹری صاحب کمیشن اون میرج، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مصارف سفر کے سلسلہ میں قیام لاہور کے وقت یہ معلوم ہوا تھا کہ دو تین روز میں چیک پہنچ

جائے گا، مگر ہنوز وہ مصارف موصول نہیں ہوئے۔ امید ہے کہ جناب اس کی تکمیل فرمادیں گے۔

والسلام (مولانا) احتشام الحق تھانوی۔ 28 فروری 1956ء

(۹) مکتوب فصیح الدین صاحب بنام خطیب پاکستان

بخدمت مولانا احتشام الحق صاحب۔ 56۔ جیک لائن، کراچی۔

مکرم و محترم جناب مولانا صاحب! السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

آپ کا خط موصول ہوا اور اس کے ساتھ وہ رسید بھی جو بغرض دستخط آپ کی خدمت میں بھیجی

گئی تھی۔ ایک چیک جو مبلغ 421.10.0 (چار سو اکیس روپے دس آنے) کا ہے ارسال خدمت

ہے۔ دوسرا مل بھی منظور ہو گیا ہے اس کا چیک تیار ہوتے ہی آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا، کوئی

اور خدمت میرے لائق ہو تو اس سے بھی مطلع فرمائیں۔ ہمارے سیکریٹری صاحب مولوی غلام محی

الدین صاحب کی جانب سے بہت بہت السلام علیکم۔ والسلام مع انکرام، آپ کا خادم فصیح الدین۔

کارکن "دی کمیشن اون میرج اینڈ فیملی لاز" 16 مارچ 1956ء۔

(۱۰) مکتوب سید ولد ارعلی غازی، بخدمت عالمی کمیشن

مکرمی۔ السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)۔

رمضان کے آخری حصے میں کمیشن کے دفتر سے ایک تار مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی

کے نام موصول ہوا جس میں اختلافی نوٹ کی بابت تھا کیا گیا تھا۔ مولانا وزیراعظم صاحب کے

ایماں پر چمن تشریف لے گئے ہیں، اواخر اپریل میں مولانا کی طبیعت کسی قدر علیل رہی اور ایک ہفتہ

کوئی کام نہ کر سکے اور پھر اچانک سفر چین کے لئے وزیراعظم صاحب نے اصرار فرمایا۔ اس لئے

وہ اختلافی نوٹ ہنوز آپ تک نہیں بھیجا جاسکا۔

میں امید کرتا ہوں کہ مولانا سفر چین سے واپس آتے ہی اختلافی نوٹ آپ کی خدمت میں روانہ کر دیں گے۔ یہ عریضہ بطور اطلاع کے جناب کی خدمت میں ارسال ہے۔ والسلام۔ (مولانا) دلدار علی غازی۔ صدر دفتر دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار، جیکب لائن، کراچی۔ 13 مئی 1956ء۔

(۱۱) مکتوب خطیب پاکستان بنام ڈپٹی سیکریٹری وزارت قانون حکومت پاکستان گرامی قدرم ڈپٹی سیکریٹری وزارت قانون حکومت پاکستان کراچی۔ سلام مسنون۔

شادی و عالمی کمیشن کی رپورٹ کا مسودہ جو 88 صفحات پر مشتمل تھا مجھے چیئر مین کی طرف سے "اختلافی نوٹ" کے لئے وسط مارچ 1956ء کے بعد موصول ہوا۔ جس میں مباحث کمیشن کے علاوہ ایک طویل "دیباچہ مباحث" بھی شامل کیا گیا تھا جس کا کوئی حرف کمیشن کے کسی اجلاس میں زیر بحث نہیں آیا تھا۔ 88 صفحات کا یہ مسودہ رپورٹ انگریزی میں تھا جس کی بابت چیئر مین کی یہ تحریری ہدایت تھی کہ کسی شخص پر مسودہ کا اظہار غیر آئینی ہے۔ اور مباحث کمیشن و دیباچہ مباحث کی بابت اختلافی نوٹ پندرہ روز میں چیئر مین کو بھیج دیا جائے، جو میرے لئے کسی طرح ممکن نہ تھا۔ عین انہیں تاریخوں میں رمضان المبارک شروع ہو گیا جس میں میری مصروفیتیں معمول سے کچھ زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔

رمضان سے فارغ ہوتے ہی اگلے دن وزیراعظم پاکستان کے حکم پر سفر چین کے لئے روانہ ہونا پڑا۔ واپسی پر معلوم ہوا کہ کمیشن کی رپورٹ شائع ہو گئی اور مجھے اپنا اختلافی نوٹ بجائے چیئر مین کے وزارت قانون کو بھیجنا ہے۔

حالانکہ کمیشن کے گزشتہ اجلاس میں یہ قرار پایا تھا کہ یہ آخری رپورٹ نہیں ہے بلکہ مسودہ رپورٹ ہے اس پر اراکین کمیشن کے اظہار خیال کے بعد کمیشن کے آخری جلسہ میں آخری اور مکمل رپورٹ مرتب کی جائے گی۔ اور وہ ہی کمیشن کی اصل رپورٹ ہوگی۔ معلوم نہیں ایسے اہم مسئلہ میں پاس شدہ قرارداد کے خلاف کیوں ہوا اور کیسے ہوا؟

کمیشن کے گزشتہ اجلاس میں یہ طے پایا تھا کہ مسٹر حنایت الرحمن جو کسی اجلاس کمیشن میں شریک نہیں ہوئے ان کو صرف اطلاع کے لئے مسودہ رپورٹ بھیجا جائے گا اور ان کی رائے شامل نہیں کی جائے گی جیسا کہ چیئر مین صاحب نے مسودہ رپورٹ کے صفحہ 21 کے آخری پیرا گراف

میں اس کا اظہار کیا ہے۔ مگر شائع شدہ رپورٹ میں حنایت الرحمن صاحب (ڈھاکہ) کی منظوری بھی شامل کی گئی ہے جو خلاف اصول ہے۔ میں اس اظہار حال کے ساتھ اپنے اختلافی نوٹ کو بھیج رہا ہوں جو 62 صفحات پر مشتمل ہے۔ والسلام۔ (مولانا) احتشام الحق تھانوی، 12 جولائی 1956ء۔ ممبر کمیشن اون میرٹ۔

(۱۲) مکتوب خطیب پاکستان بنام جناب صابری صاحب

گرامی قدرم جناب صابری صاحب السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

انعامی مضمون کے فیصلہ کی غیر معمولی تاخیر پر مجھے افسوس ہے۔ تاخیر کی وجوہات میری معذرت کی سفارش کریں گی۔ سفر چین سے واپسی کے بعد شادی بیاہ کمیشن کے اختلافی نوٹ کی ترتیب میں ایسی مصروفیت رہی کہ تمام ضروری کاموں کو ملتوی کر دینا پڑا۔ اس سے فراغت کے بعد سب سے پہلے میں نے آپ کے مسلسل مضامین کا مطالعہ کیا۔ ادارہ انجام قابل مبارکباد ہے کہ اس نے ایک دینی مضمون پر اہل قلم و ادیبوں کو مذہبی عنوان پر انعامی مضمون لکھنے کا اقدام کیا۔

میرے نزدیک مندرجہ ذیل مضمون نگار اور شاعر مستحق انعام ہیں:-

(۱) مبلغ پچاس روپے (۲) مبلغ پچاس روپے (۳) مبلغ پچاس روپے

(مولانا) احتشام الحق تھانوی۔ 16 جولائی 1956ء۔

(۱۳) مکتوب سلطان عاتب بخدمت خطیب پاکستان

محترم و مکرم جناب مولانا احتشام الحق صاحب دام اللہ السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

ذریعہ حال ہذا مضمون متعلقہ شادی کمیشن ارسال خدمت گرامی ہے۔ اس سلسلے میں میں نے مکرر مارٹنک نیوز سے ابھی ٹیلیفون پر گفتگو کی، ان کا خیال ہے کہ اگر اس کی اشاعت مزید مطلوب ہو تو اس اخبار کا بھی حوالہ ہونا ضروری ہے۔ لہذا آئندہ بوقت اشاعت By Courtesy of the Morning News تحریر فرمادیں تو مارٹنک نیوز کی خواہش پوری ہو جائے گی، اس کے علاوہ اس کا کوئی دیگر مطالبہ نہیں۔ نہ میں نے اس مضمون کا کوئی معاوضہ لیا ہے نہ اپنے حقوق تقویض کئے ہیں۔

امید ہے کہ آئندہ کم بھی آئندہ اعتراض نہ ہوگا اگر دیگر طریقہ سے اور مزید زبانون میں اس کی اشاعت کا امکان ہو۔ آخر میں آپ کی قدر افزائی اور مہربانی کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ نوٹ:- تاریخ امروز کا خط جو مارٹنک نیوز میں آیا ہے، وہ بیحد درست ہے۔ اس کی نقل اخبار سے



لے لی جائے کیونکہ میرے پاس فالٹو کا پتی نہیں ہے۔

نقطہ خاکسار سلطان عاتب۔ بھوپال ہاؤس لکھنؤ کراچی 23-31 جولائی 1956ء۔

(۱۴) مکتوب خطیب پاکستان بنام ڈپٹی سیکریٹری وزارت قانون

گرامی قدر ڈپٹی سیکریٹری صاحب، گرامی قدر اے، آر، قاضی ڈپٹی سیکریٹری وزارت قانون حکومت پاکستان، کراچی۔ السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

اختلافی نوٹ کا انگریزی ترجمہ جس کے ابتدائی 18 صفحات جناب نے بھیجے تھے وہ میں نے دیکھ لئے اور شکریہ کے ساتھ واپس ہیں۔ قلم رد عبارت کی جگہ مسلسل سے لکھی ہوئی عبارت اصلاح شدہ ہے۔ وہ ہی ہونی چاہیے۔ باقی ترجمہ اچھا ہے، محنت سے کیا گیا ہے۔ والسلام بندہ احتشام الحق۔ 15 اگست 1956ء۔

(۱۵) مکتوب خطیب پاکستان بنام ڈپٹی سیکریٹری وزارت قانون حکومت پاکستان، کراچی۔

گرامی قدر اے آر قاضی صاحب، ڈپٹی سیکریٹری وزارت قانون حکومت پاکستان، کراچی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اختلافی نوٹ کے انگریزی ترجمہ کے بقیدہ اجزاء صحیح کے بعد شکریہ کے ساتھ ارسال خدمت ہیں۔ والسلام (مولانا) احتشام الحق تھانوی، ۲۳ اگست ۱۹۵۶ء۔

(۱۶) مکتوب خطیب پاکستان بنام ڈپٹی سیکریٹری وزارت قانون حکومت پاکستان، کراچی۔

حضرت الاستاذ الدكتور ناصر ادامت معالیکم السلام علیکم

غیب اهداء ماوجب اقدام بجنابکم۔ نسخة من قرار اتی التی علی

المسائل الازدواجية والعائلية ارجو من جنابکم دعوات صالحة. والسلام.

(مولانا) احتشام الحق تھانوی، ۲۳ ستمبر ۱۹۵۶ء۔

(۱۷) مکتوب خطیب پاکستان بنام ڈپٹی سیکریٹری وزارت قانون حکومت پاکستان، کراچی۔

گرامی قدر ایڈیٹر صاحب کراچی

آج اچانک اخبارات کے ذریعہ پاکستان میں عالمی قوانین کے آرڈیننس کا علم ہوا، مجھے اس ضمن میں خصوصیت کے ساتھ ایک وضاحتی بیان کی ضرورت اس لئے پیش آرہی ہے کہ ۱۹۵۶ء میں عالمی قوانین کی ترتیب دینے والے کمیشن میں میرا نام بھی تھا اور میں نے اس وقت

کمیشن کی سفارشات کی ان تمام دفعات سے اختلاف کیا تھا جو شرعی نقطہ نظر سے قابل اعتراض تھیں۔ میرا اختلافی نوٹ اس وقت اخبارات میں شائع ہو چکا ہے، اب گورنمنٹ نے اسی کمیشن کی سفارشات کو آرڈیننس کی شکل دیکر نافذ کرنے کا اعلان کر دیا ہے، مجھے افسوس ہے کہ میں آج بھی اپنی سابقہ رائے پر قائم ہوں اور جن وجوہ کی بناء پر اختلاف کیا تھا وہ آج بھی موجود ہیں۔

میری ناقص رائے یہ ہے کہ ان سفارشات کو مزید کچھ دنوں تک کے لئے ملتوی رکھا جائے اور علماء سے مشورہ کرنے کے بعد اس آرڈیننس کو نافذ کیا جائے، شرعی قوانین میں ہر طبقہ کے علماء کا اتفاق ہے اور عالمی مسائل میں تقریباً سب متفق ہیں۔ صرف چند ماہرین قانون اور سماجی کارکنوں کے مشورہ پر اس کو قطعی صورت دیدینا میری رائے میں قبل از وقت ہوگا۔ (مولانا) احتشام الحق تھانوی، ۳ مارچ ۱۹۶۱ء۔ اس اخباری بیان کے بعد حکومت پاکستان نے عارضی طور پر اس آرڈیننس کا نافذ مؤخر کر دیا۔

(۱۸) مکتوب مولانا ظفر احمد عثمانی بنام ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب

مکرمی ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب! السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

عالمی کمیشن کے متعلق میں نے اپنا بیان لکھ دیا ہے اب اس کو اخبارات میں چھپوانا آپ کا کام ہے کیونکہ اخبارات والے حکومت کے خلاف کوئی بیان شائع نہیں کرتے، آپ میرے بیان کی کاپیاں کر کے اخبارات کو بھیج دیجئے، اصل اپنے پاس محفوظ رکھیے۔ والسلام (صاحب اعلاء السنن، مولانا) ظفر احمد عثمانی عفی عنہ۔ 21 رمضان 1380ھ/9 مارچ 1961ء۔

(۱۹) مکتوب مولانا ظفر احمد عثمانی بسلسلہ اہمیت اختلافی نوٹ

بعد الحمد والصلوة۔ عالمی کمیشن کی رپورٹ پر مولانا احتشام الحق صاحب اختلافی نوٹ تنہا اُن کی طرف سے نہ تھا بلکہ وہ اس میں تمام علمائے اسلام کی نمائندگی کر رہے تھے، اس لئے پچھلی حکومتوں نے اس رپورٹ کو دبا دیا تھا، اب مولانا کے اختلافی نوٹ کو یہ سمجھ کر نظر انداز کر دینا ہرگز درست نہیں کہ عالمی کمیشن کے بقیدہ ارکان اُس کے موافق نہ تھے جبکہ پوری جماعت علمائے اسلام اور عامۃ المسلمین اُس کی موافقت میں ہیں۔ اگر حکومت کو اس میں شبہ ہو تو وہ دوبارہ رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے اس رپورٹ کو شائع کر کے دیکھ لے پھر یہ ایک شرعی مسئلہ ہے جس کا فیصلہ دونوں کی کثرت سے نہیں ہو سکتا بلکہ دلائل شرعیہ سے ہوگا، پس حکومت کو لازم ہے کہ یا تو دلائل شرعیہ کی روشنی میں مولانا کے دلائل کا جواب دے ورنہ اپنے اس فیصلہ کو واپس لے جو اس نے حال

ہی میں عالمی کمیشن کے حق میں دیا ہے۔ لہذا الامر من قبل ومن بعد ویومئذ یفرح المؤمنون بنصر اللہ ۝ یغلبون من یشاء وهو العزیز الرحیم ۝ وعد اللہ لا یتخلف اللہ وعدہ ولكن اکثر الناس لا یعلمون ۝ یعلمون ظاہرا من الحیوة الدنیا وهم عن الآخرہ هم غافلون ۝ (صاحب اعلاء السنن مولانا) ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ 20 رمضان 1380ھ (8 مارچ 1961ء)

(۲۰) مکتوب چوہدری نصیر احمد خان بنام مولانا تنویر الحق تھا نوی صاحب کمری و معظی جناب صاحبزادہ صاحب (حضرت مولانا تنویر الحق تھا نوی) السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملک عزیز میں فیڈرل شریعت کورٹ اسلام آباد میں وجود میں آچکا ہے جس میں بندہ ناچیز عالمی قوانین نافذ شدہ کو عدالت میں چیلنج کرنا چاہتا ہے۔ بزرگوار مرحوم و مقبور جناب مولانا احتشام الحق تھا نوی (اللہ تعالیٰ اُن کی قبر کو اپنے انوار سے منور فرمائے) نے عالمی قوانین کے بارے میں مولانا موصوف نے عالمی کمیشن کی رپورٹ سے اختلافی نوٹ تحریر فرمایا تھا کہ کمیشن کی رپورٹ قرآن و سنت کے مسئلہ اصولوں کے خلاف ہے۔

بندہ ناچیز کو اس اختلافی نوٹ کی ضرورت ہے، میں نے لائبریری پنجاب پبلک لاہور سے رابطہ کیا تھا، اس سے رپورٹ مذکورہ بالا نہ مل سکی ہے، اس کے علاوہ مفتی صاحب کے صاحبزادہ صاحب مالک ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور سے ملاقات انہوں نے آپ کا پتہ دیا۔ اس لئے تحریر کر کے زحمت دے رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اپنی اولین فرصت میں رپورٹ مذکورہ بالا بھیج کر شکر گزار ہونے کا موقع دیں گے۔ تاکہ جلد از جلد عالمی قوانین کو عدالت موصوف میں چیلنج کر کے ان کو منسوخ کروایا جاسکے۔ فقط والسلام

چوہدری نصیر احمد خان ایم اے۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ جرنالہ ضلع فیصل آباد۔ 53 سب ڈویژنل کورٹس جرنالہ ضلع فیصل آباد (پنجاب) 10 مارچ 1987ء

نوٹ: جوابی لفافہ لکھ ہذا ہے تاکہ آپ جلد از جلد اختلافی نوٹ از مولانا احتشام الحق تھا نوی بھیج سکیں۔ ممنون ہوں گا۔

## وضاحت از مولانا تنویر الحق تھا نوی صاحب

اس خط کے بارے میں کچھ ضروری وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ آج سے 20 سال قبل جناب چوہدری نصیر احمد خان صاحب کے اس خط کے جواب میں میں نے کوئی چیز اُن کو نہ بھیج سکا اللہ کرے کہ چوہدری صاحب اگر آج بھی بقیہ حیات ہوں تو مجھے فوری طور پر معاف فرمادیں کیوں کہ آج اُن کے نیک ارادوں کا مطالعہ کر کے شدت سے احساس ہوا کہ حقیقت میں احقر سے یہ ایک بہت ہی سنگین فروگزاشت ہوئی ہے۔

بات اصل میں یہ ہے کہ میں نے بھی یہ سستی اور کالی جان بوجھ کر نہیں دکھائی تھی، بلکہ میری صورت حال بڑی محمبیہ و دلگیر تھی، کچھ اس لئے بھی کہ۔

غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا اور ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات اپنے والد محترم حضرت مولانا احتشام الحق تھا نوی نور اللہ مرتدہ کی مسند جلیل کے بیشتر تقاضوں کو ایسے دیگرگوں حالات میں محکم الہی پایا کہ درس نظامی کی کتب زیر تکمیل تھیں اور میں بوقت وصال خطیب پاکستان ہدایہ اولین انفرادی طور پر پڑھ رہا تھا جیسا کہ 1976ء کی جولائی سے اپنے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سید محمد اکمل صاحب احسنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں فارسی کی کتابوں سے لے کر ہدایہ تک کتابیں پڑھیں۔ یہاں تک کہ 11 اپریل 1980ء بروز جمعۃ المبارک تبلیغی سفر کے دوران مدراس (پھینائی) میں حضرت والد ماجد کا سایہ احقر سمیت لاکھوں کروڑوں تخلصین کے سر سے اٹھ گیا۔ والد ماجد حضرت مولانا احتشام الحق تھا نوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سفر ہندوستان پر روانہ ہوتے وقت جمعہ کی تقریر و نماز کے فرائض کی انجام دہی کا حکم تو دے ہی دیا تھا، ان کے پیچھے دو جتھے پڑھائے اور تیسرے جمعہ کی تیاری کر رہا تھا کہ انتقال کی خبر آگئی۔ والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کے حکم اور فیصلے کے مطابق مرکزی جامع مسجد تھا نوی جیکب لائن کے جملہ امور (بسم اللہ و بقونہ) آج تک انجام دے رہا ہوں۔ اس ضمن میں بڑی قدر ناشائسی و ناپاسی ہوگی اگر میں اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا احترام الحق تھا نوی اطال اللہ صرہ عافیہ وراحۃ کی مشقنا نادانوں اور لائق قدر راہنما و قربانی کا ذکر نہ کروں، وہ یہ کہ ایک مدت طویل تک محض میری نگرانی اور حفاظت از ضرور و فتن کے جذبہ سے جمعہ کی تقریروں اور رمضان کی نماز تراویح میں بہ نفس نفیس شرکت فرماتے رہے۔ جس کا ادنیٰ سے ادنیٰ تشکرانہ مظاہرہ احقر کی جانب

سے بالائزہام آج تک یکساں ہے اور رہے گا کہ ان کے ادب احترام میں کسی قسم کی کمی نہیں ہونے دیتا اور آج بھی ان کی بھرپور شفقتوں اور مفید و قیمتی مشوروں کا بہرہ طوراً اپنے کو محتاج سمجھتا ہوں۔

لذیذ بود حکایت درازتر گفتیم، بات لمبی ہوگئی، مطلب کی بات رہ گئی، وہ یہ کہ اپنی مصروفیات اور پراڈھنسی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ حقیقت میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ میرے پاس اس قبیل کی کوئی چیز تھی بھی نہیں جو میں چوہدری صاحب کی خدمت میں ارسال کرتا۔ کیونکہ بعض وجوہ سے میں عرصہ 7 سال تک مسجد کے ملحقہ مکان سے منتقل ہو کر کرائے کے مکانوں میں قیام پذیر رہا، سن 89ء مارچ سے دسمبر 96ء تک۔ اس کے بعد اپنے والد محترم کے علمی و ادبی تحقیقی و تخلیقی اوراق و کتب سمیت نادر مخطوطات و مکتوبات منتشر و بوسیدہ شکل میں کونوں، گھمدروں میں حتیٰ کہ نالیوں کے آس پاس پڑے ملے اور جنہیں صرف جمع کرنے اور جنہیں صرف ترتیب کے مطابق الگ الگ کرنے میں سال سوا سال کا عرصہ لگا۔ یہ عالمی قوانین اور اختلافی نوٹ بھی اسی میں کا ایک حصہ ہے۔ بہر حال اگر ہم اپنے عظیم والد ماجد کی خدمات کو بعد از وصال شروع کے 5 سے 10 سال کے اندر اندر منصفہ شہود پر لے آتے تو اس کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا۔ اگرچہ ”دیر آید درست آید“ حقائق و خدمات اپنی جگہ مسلم الثبوت ہیں، جو مخالف تھے یا تلخ گھونٹ پینے کا حوصلہ نہیں رکھتے، وہ آج بھی ناک بھوں چڑھاتے ہیں، شاید وہ ایسے ہی شقی القلب قاتل رحم مسلمان ہوں گے جنہوں نے چند صدی قبل شیخ اکبر حضرت شیخ محمد بن الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کو بعد وصال بھی بخشا اور اپنی تسکین قلب کی خاطر ان کی قبر کی بھی بے حرمتی کرنے سے نہیں چوڑے۔ بالکل اسی طرح حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی سوباتوں میں ایک آدھ بات اور ہزار باتوں میں 2 یا 3 باتیں جو مٹی برحقائق بھی ہیں اگر آج ہم نے ”مستاع احتشام“ میں چھاپ دیں تو عوام تو درکنار بڑے بڑے جید محدث و عالم لیکن کفر (CONFIRMED) کو تباہ بین شان احتشام میں ہدیان گوئی کیے بغیر نہ رہ سکے۔ ہمیں بھی کوئی تکلیف اس لیے نہ ہوئی کہ تم پہلے ہی کون سے حق میں تھے، منہ دیکھے کی تعریف شکست خوردہ ذہنیت کی عکاس ہوتی ہے ورنہ دل و دماغ کسی سنڈاس سے کم نہیں ہیں، اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت تامہ سے نوازے۔

اپنے عظیم المرتبت والد گرامی حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نور اللہ مرقدہ کے حق میں شاید ہم اس شعر کا مصداق سمجھ جاسکتے ہیں جس کا مقصود بھی ہے اور یاد بھی رہ گیا۔  
یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ را ہم دور شد

ایک لمحہ کی غلطی اور غفلت سے سو سال کی دوری ہو جاتی ہے، یعنی ایک خلا اور (GAP) پیدا ہو گیا شاید یہی وجہ ہے کہ حقائق و شواہد کے دشمن اور آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنے والے مسلسل اسی کوشش میں بڑے چاق چو بند اور بیدار رہتے ہیں کہ ہم اپنی زبان و قلم سے مولانا احتشام الحق تھانوی کی عظمت و خدمت و ریلند و بالا شخصیت و حیثیت کا اعتراف کیوں کریں، لیکن۔

حاجت مضاطہ نیست روئے دلآرام را

حسن و جمال کی پیکر دلہن کو زیب و زینت کے سامان اور سنورے ہوئے بالوں میں کنگھے کی رانگی برابر بھی حاجت نہیں ہوتی۔ اگر چوہدری نصیر احمد خاں ایڈووکیٹ بقید حیات ہیں تو ایک مرتبہ پھر معذرت، اور اگر خدا نہ کرے وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں تو ان کے حق میں خصوصی دعائے مغفرت۔ (از قلم تنویر الحق تھانوی: 19-5-2007)





## عالمی کمیشن اور اختلافی نوٹ کے متعلق اہل علم کا اظہار خیال

زیرنگرانی: حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی صاحب  
مرتبہ: شعبہ تصنیف جامعہ احتشامیہ کراچی  
ناشر: مکتبہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی

خدا کے واسطے اے نوجوانو! ہوش میں آؤ  
دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو، جوش میں آؤ  
وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو  
اٹھو تہذیب سیکھو، صنعتیں سیکھو، ہنر سیکھو

## عالمی کمیشن اور اختلافی نوٹ کے متعلق اہل علم کا اظہار خیال

مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی

حکومت پاکستان نے 4 اگست 1955ء کو ازدواجی اور عالمی امور کے لئے ایک کمیشن کا اعلان کیا، مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم اس کمیشن کے واحد عالم دین رکن تھے، اس کمیشن کی رپورٹ کا وہ مسودہ جب مولانا کو موصول ہوا جو کمیشن کے اراکین کی رائے معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا تو مولانا نے اس رپورٹ کو اسلام، مسلمان اور شریعت اسلامیہ کی بنیادوں کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش قرار دیتے ہوئے قطعی طور پر مسترد کرنے کی سفارش کی اور اپنے اختلافی نوٹ میں اس پر مفصل تبصرہ فرما کر واضح فرمادیا کہ یہ رپورٹ نہ تو شریعت ہی کے موافق ہے اور نہ ہی عقل کے موافق ہے اور کمیشن نے موجودہ قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کے بجائے اسلام کو اپنے خیالات کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے، مغربیت سے مرعوب یورپ زدہ طبقہ نام نہاد اجتہاد کے نام پر قرآن و حدیث کے مفہوم و مطلب میں تحریف و تبدل کرنے کی کوشش ہمیشہ سے کرتا آیا ہے، اس رپورٹ میں بھی اس تجدید پسند طبقے نے اپنے اسی ناروا اجتہاد سے کام لیا ہے، یہ اختلافی نوٹ چالیس سے بھی زائد صفحات پر مشتمل ہے اور ماہنامہ الصدیق ملتان بابت ماہ صفر المظفر ۱۳۷۶ھ میں شائع ہو چکا ہے جو کہ مولانا مرحوم کی وقت نظر اور فقیہی بصیرت کا شاہکار اور ذہانت و ذکاوت اور وسعت مطلوبات کا آئینہ دار ہے۔

سابق صدر پاکستان سکندر مرزا نے اپنے دور اقتدار میں ایک مرتبہ علمائے حق کو مدھکی دیتے ہوئے کہا تھا کہ اسلامی دستور کا نام لینے والے یہ علماء کا گھر لسی ہیں انہیں چاندی کی کشتی میں رکھ کر بھارت کو پیش کر دیا جائے گا، اس کے جواب میں طبقہ علماء میں سے صرف ایک ہی آواز بلند ہوئی اور وہ آواز مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کی تھی، مولانا نے جواب میں فرمایا کہ اسکندر مرزا اور اس کے ساتھی برطانیہ اور امریکہ کے جاسوس ہیں ہم انہیں عیسائیوں کے نابوت میں بند کر کے

سمندر میں بہاویں گے۔ اسکندر مرزا کے حق میں مولانا کا یہ ارشاد بالکل الہامی ثابت ہوا۔ از حضرت مولانا مفتی (سید عبدالغفور ترمذی) مہتمم مدرسہ عربیہ حنفیہ سائیوال ضلع سرگودھا۔

### مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ ”مولانا تھانوی مرحوم نے ہمیشہ ایک مجاہد اسلام کی حیثیت سے بڑی جرأت و استقامت سے ہر باطل تحریک کا مقابلہ کیا اور کلمہ حق ادا کیا۔ عائلی قوانین پر غور کرنے کے لئے ابتداء میں جو کمیشن قائم ہوئے اس میں مولانا تھانوی ایک عالم دین تھے جنہوں نے اس میں حق گوئی کا پورا حق ادا کیا، چنانچہ ان کا اختلافی نوٹ تاریخی حیثیت اختیار کر گیا، مولانا کا یہ اختلافی نوٹ کتاب و سنت کی صحیح عکاسی کرتا تھا اور مولانا کی حق گوئی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اسی طرح فیلڈ مارشل صدر محمد ایوب خان کے عہد حکومت میں مولانا مرحوم ڈاکٹر فضل الرحمن کے باطل نظریات کے خلاف ڈٹ گئے اور اخبارات کے ذریعے عوام کو تحریف و ترمیم کے اس فتنے سے خبردار کیا۔ رویت ہلال کے مسئلے میں انہوں نے ہمیشہ شریعت کے مطابق جرأت مندانہ موقف اختیار کیا اور اس پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ 1970ء کے انتخابات کے موقع پر ملک میں سوشلزم اور کمیونزم کو روکنے اور عوام کو اس کی دینی حیثیت سے آگاہ کرنے کے لئے مولانا تھانوی مرحوم نے جس جانفشانی کے ساتھ ملک کے دورے کئے وہ مولانا کی ناقابل فراموش خدمت ہے۔ از (مولانا مفتی) محمد تقی عثمانی صاحب (شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی) و سابق جسٹس وفاقی شرعی عدالت پاکستان و مؤلف مکتبہ فتح الملہم، ماہنامہ ابلاغ کراچی ۱۹۸۰ء)

### ادارہ الصدیق ملتان

جو ملک (پاکستان) اللہ و رسول کے نام پر لاکھوں مسلمانوں کے خون کی قربانی دینے کے بعد معرض وجود میں آیا آج اسی پاکستان کو دہریت اور الحاد کا مرکز بنانے کے لیے ان لوگوں کی طرف سے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے۔ جن کی زندگی مدنی و مجازی ماحول میں گزارنے کے بجائے یورپین اور عیسائیت اور لہرائیت کے معجون مرکب سے تربیت یافتہ ہے۔ یہ لوگ اپنے ذرائع نشر و اشاعت اور زور قلم سے چاہتے ہیں کہ تیرہ سو سال کے متواتر اسلامی کو اپنے پراپیگنڈہ کے زور سے ختم کر کے شریعت کی قیود سے آزادی حاصل کر لی جائے۔ انہی حضرات نے ایک عرصہ سے حقوق نسواں کے تحفظ کے نام سے متواتر اسلامی کے خلاف مہم چلا رکھی تھی۔

اتفاق سے جب عائلی کمیشن کی رپورٹ ملک کے سامنے آئی تو انہیں لوگوں نے اس رپورٹ پر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور اسے اپنے عزائم کی کامیابی کا پیش خیمہ تصور کیا۔ ہمیں حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مدظلہ العالی کا ممنون احسان ہونا چاہئے کہ انہوں نے بحیثیت ممبر کمیشن ہونے کے اس رپورٹ کے سلسلے میں اختلافی نوٹ تحریر فرمایا۔ اس سے ممبران کمیشن کے عجیب قسم کی علمی خیانتوں کا انکشاف ہوا ہے اور ساتھ ہی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ منکرین حدیث کے لٹریچر سے کافی متاثر ہو چکے ہیں اور انہوں نے اس تاثر کے ساتھ ساتھ عامیانہ لوگوں کی طرح دجل و تلمیس کی راہ کو اختیار کیا ہے۔ گو یہ اختلافی نوٹ طویل ہے لیکن حضرات علماء اور مخلص دین دار حضرات سے درخواست ہے کہ اس تبصرہ کا توجہ سے مطالعہ کریں اور فکر فرمائیں کہ لحدین نے کس طرح پاکستان میں صحیح اسلام کو مٹانے کے لیے منصوبے باندھ رکھے ہیں۔ (ادارہ الصدیق کتب خانہ صدیقیہ بیرونی بوڑگیٹ ملتان شہر)

### مؤلف کتاب ”حیات احتشام“

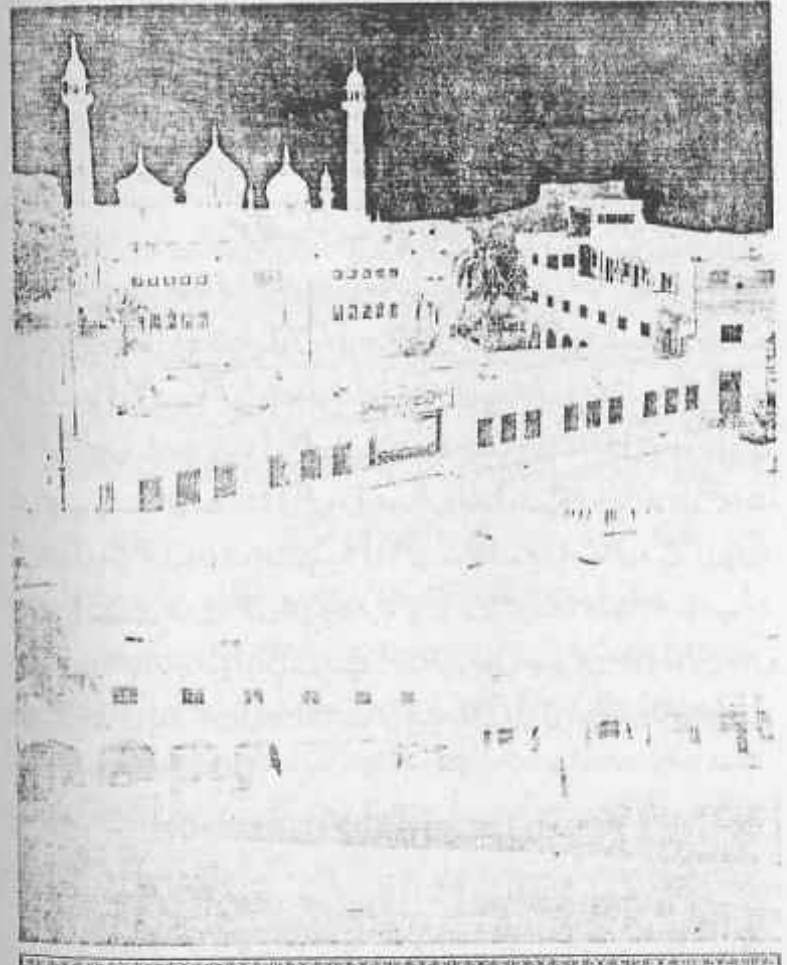
محترم جناب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صاحب مؤلف حیات احتشام لکھتے ہیں کہ مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حق گوئی اور حق پرستی کا ایک اور عظیم کارنامہ ایوب خان کے مقرر کردہ عائلی کمیشن کے بعض غیر اسلامی اور غیر شرعی قوانین کے خلاف ان کا شدید رد عمل تھا جس کا اظہار انہوں نے برملا کیا۔ عائلی کمیشن کی رپورٹ کے خلاف مولانا کا اختلافی نوٹ کتابی شکل میں چھپ چکا ہے جس سے مولانا کی فقیہانہ وسعت نظر عالمانہ ژرف نگاہی اور اسلام کی تعلیمات میں ان کی بالغ نظری کا اندازہ ہوتا ہے۔ عائلی کمیشن کے خلاف مولانا کے اس وقیع علمی بیان کو پوری دنیا کے مذہبی اور دینی حلقوں میں بہت سراہا گیا حتیٰ کہ برصغیر کے نامور عالم اور صاحب طرز ادیب مولانا عبدالمجید دریا آبادی نے اپنے مشہور اخبار صدق جدید میں مولانا تھانوی کو اس اعلائے کلمۃ الحق پر داد تحسین دی اور مولانا کے اس کارنامہ کو حق گوئی کی تاریخ میں نشان منزل قرار دیا۔ (حیات احتشام ص: ۷۵)

### علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب

### مناظر العصر موجودہ رکن وفاقی شرعی عدالت شریعت منج

علامہ خالد محمود فرماتے ہیں کہ سابق صدر محمد ایوب خان نے اپنے دور حکومت میں

پاکستان کی چند جدید تعلیم یافتہ خواتین کے مطالبہ پر ایک کمیشن مقرر کیا جس کا نام عالمی کمیشن تھا جس میں مولانا احتشام الحق تھانوی کو ایک ممتاز مذہبی رہنما کی حیثیت سے شریک کیا گیا، کمیشن کے باقی متحد و پسند ارکان نے ایک غیر اسلامی اور غیر شرعی رپورٹ پیش کی جس کے ساتھ مولانا کا بڑا مفصل اختلافی نوٹ بھی تھا جس میں کمیشن کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے قرآن و سنت کی صحیح ترمیمی کی گئی۔ مولانا کی اس حق گوئی اور بے باکی پر ملکی پریس نے اچھی رائے کا اظہار کیا اور ہندوستان کے علماء اور مسلم اخبارات نے بھی مولانا کی جرأت و بے باکی اور عالمانہ نقطہ نظر کی تحسین کی۔



## چند عکس تحاریر

### 22 نکاتی دستور اور وفاق المدارس کے متعلق وضاحت

قارئین کرام! مؤرخین عظام اور نئی نسل کے نوجوان وزعمائے اسلام آپ کو معلوم ہے کہ حکومت وقت کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے ربیع الثانی 1370ھ / جنوری 1951ء کو جبکہ لائن کراچی میں مشرقی و مغربی پاکستان کے ہر مکتبہ فکر کے 31 علماء کو جمع کیا اور 22 نکاتی متفقہ دستور مرتب فرمایا، اس 22 نکاتی دستور کے بانی المسابنی، روح رواں اور محرک اعلیٰ خطیب پاکستان ہی ہیں، انہوں نے ہی علماء کرام کے پاس دعوت نامے بھیج کر سب کو اپنے گھر میں بلایا اور 22 نکاتی دستور مرتب کرایا۔ جس کی پوری تفصیل ”متاع احتشام الحق“ میں ہے اور اصل دستاویزات بھی محفوظ ہیں، اسی طرح خطیب پاکستان ہی کی شبانہ جدوجہد اور پیہم کوشش کے نتیجے میں 20 شعبان المعظم 1376ھ / 22 مارچ 1957ء کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سلسلے میں علماء کرام کی پہلی کمیٹی بنی اور دوسرا اجلاس خطیب پاکستان کی ہی دعوت پر دارالعلوم الاسلامیہ اشرف آباد منڈوالہ یار حیدر آباد میں منعقد ہوا۔ یوں عظیم الشان ادارہ ”وفاق المدارس العربیہ پاکستان“ وجود میں آ گیا۔ اس کی تفصیل بھی ”متاع احتشام الحق“ میں ہے اور اصل دستاویزات بھی محفوظ ہیں۔

اب ان دونوں کارناموں کا سہرا کسی اور کے سر کر دینا یا وقت تحریر و تقریر خطیب پاکستان کا نام حذف کر دینا، واقعہً زیادتی ہے۔ اب آگے بطور نمونہ صرف چند بزرگوں کے خطوط کے عکس دیئے جا رہے ہیں، ان خطوط سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ مذکورہ بالا دونوں کارناموں کے موجود، محرک اعلیٰ اور روح رواں کون ہیں؟ اس طرح اور بھی بہت سے خطوط اور دستاویزات ہیں۔ (ادارہ)





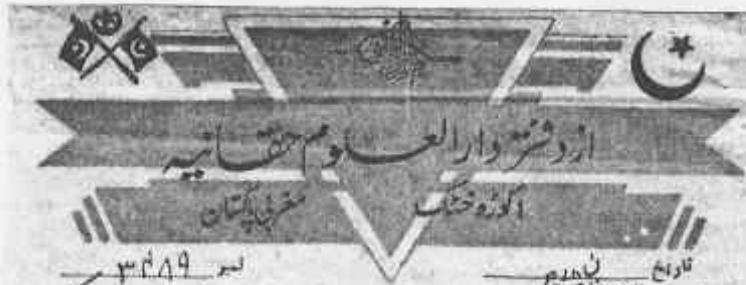
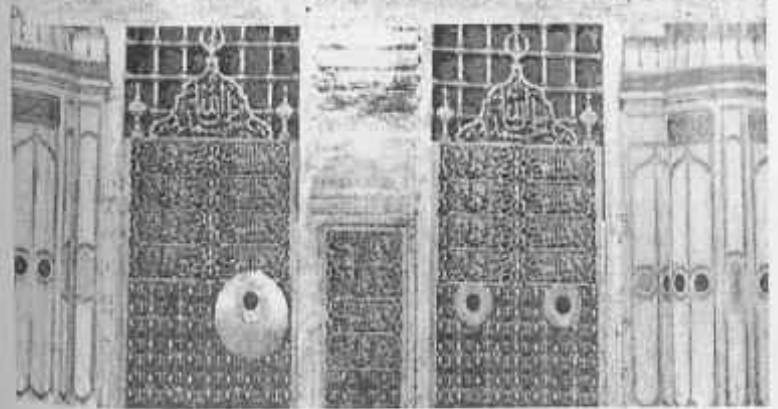
بسم الله الرحمن الرحيم

بدینہ مسنونہ آنکہ دعوت نامہ وصول ہوا موجب حمد ست ہوا  
اللہ تعالیٰ انجمن کی اس مبارک سہی کو مقبول اور شہر بنائے آمین  
انشاء اللہ العزیز طلبہ میں شرکت کرونگا اور خطا بتا رہے  
مطلع کرونگا غامیہ اجتماع جناب جی ایمان پر ہوگا۔ رسالہ  
اگرچہ قیام کیا مسجد کا حجرہ یا اور کوئی عکدہ جگہ تجویز فرمادین  
جسمین کوئی دوسرا شریک نہ ہو تو یہ سب باعث راحت ہوگا  
والسلام علیہ و آلہ وسلم

لہذا اس کی اطلاع

انہی ہا دل پر پر یوم الامور

۱۰ جنوری ۱۳۸۵



تاریخ ۶ ربیع الثانی ۱۳۸۵

محرم الامداد خیر الداعی حضرت مولانا صاحب مولانا ذہیرت صاحب

السلام علیہ و آلہ وسلم اللہ کریم اللہ

جناب گرامی نامہ صادر ہو کر کاشف حال ہوا۔ یاد فرمائی کا شکریہ!

آزاد شدہ چند سالہ مصطفیٰ سیاست کے ذریعہ ملک کا مسموم شدہ فغانی اصلاح کے پیش نظر جن مہینوں  
خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ بندہ ان کا احترام کرتا ہے۔ اور چونکہ وہ اس مہینہ کی تبلیغ و تعاب  
کا ترسیم اور مذکورہ عدلت کے ماحول میں کیئے غور و خوض اور شہر تدا میر اختیار کرنا انتہائی وقت کا ایک  
اہم تقاضا ہے۔ لہذا اس اہم کام کو آپ جیسے بزرگوں سے بھی جسکے طرف اللہ تعالیٰ اپنے توجہ  
فرمائی۔ اسلئے مجوزہ پروگرام سے اتفاق اور شمولیت کیلئے عہدہ کار اظہار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ

اس شخصیت مبارک اجتماع میں شمولیت کی کوشش کروں گا۔

والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم



ذوالحجہ والکریم حضرت مولانا احتشام الحق صاحب دامت برکاتہم  
 علیہم السلام مدظلہ العالی۔ واللہ اعلم۔ عارف کرم باجست اعترافاً۔ یادگار  
 کا قہر دل سے شکر گوئی ہوئی۔ اعلیٰ کس کے موقر ہر عارف حوئے الی اللہ العزیز  
 پروردگار کو شکر کرنا۔ اللہ تعالیٰ ہر ارادہ کو علی بابہ پیمائے گی تو حق کا فرات  
 آبشار عارفین پر دینے کی تعلیم اور ترمیم نصیب کے ہے جو مسدود شریعت کا ہے  
 وہ حالت عارفہ کے پیش نظر دست لگایا تھا۔ اور ایک عظیم تہنیت  
 تہنیت اور مبارک ہے۔ اللہ جل جلالہ آپ کو کامیاب فرمائے۔  
 عارفین دینہ عرب کی تعلیم خودی ہے۔ لیکن اعلیٰ کس کے قبلی قدرے دشوار ہے۔ اگر اعلیٰ کس  
 بعد بھی تعلیم الیقین کا مسدود کل ہر جائے۔ تو کوئی مفاہات نہیں ہے۔ امید آپ ہم الفیہ  
 ہو گئے واللہ اعلم

حبیب الہیہ حضرت مولانا محمد امجد علی صاحب دامت برکاتہم  
 رحمہ اللہ میرا بیٹا جنوں (مفتی)  
 بقیہ علیہم السلام



بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم







مدرسہ ابتدائی علوم  
صدر المذاہب حضرت مولانا صاحب الحق مدظلہ العالی

وہابیہ مذہب کے  
مدرسہ عالیہ ابتدائی علوم  
بیت اہمیت اقام فرمایا۔  
بیت اہمیت اقام فرمایا۔  
بیت اہمیت اقام فرمایا۔  
بیت اہمیت اقام فرمایا۔

بیت اہمیت اقام فرمایا۔  
بیت اہمیت اقام فرمایا۔  
بیت اہمیت اقام فرمایا۔  
بیت اہمیت اقام فرمایا۔



گراں قدر - السلام علیکم -

1967

اختلافی نوٹ کے انگریزی ترجمہ کے بعدہ اجزا تصحیح کے بعد

شکرہ کے ساتھ ارسال خدمت میں - والسلام

الحق

(احقر السلام الحق تھا نوی)

گراں قدر ہے - آر - ناسی صاحب

ڈپٹی سیکریٹری وزارت قانون حکومت پاکستان کراچی

کراچی ۲۰ مارچ ۱۹۶۷ء

آج اچانک اخبارات کے ترجمہ پاکستان میں عاقلی قوانین کے آرڈر کے تحت کاظم ہوا  
مجمعہ اہل حق میں غم و غصہ کے ساتھ ایک دعاوی میں کی ضرورت اس لئے ہیں آج کے  
۱۹۶۷ء میں عاقلی قوانین کی ترقی دینے والے کمیشن میں ہر اہمیت اقام فرمایا۔  
لاہور کے کمیشن کی سلام شاہ کی ان تمام دعاوی سے اختلاف کیا تھا جو عسکری قلعہ نظام  
سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس کا اختلافی نوٹ اس وقت اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔  
گورنمنٹ نے اس کمیشن کی سلام شاہ کو آرڈر کے تحت کی شکایت کو نظر ثانی کرنے کا اعلان کر دیا  
ہے۔ مجمعہ اہل حق کے میں آج بھی اپنی سلام شاہ رائے پر قائم ہوں اور جن وجوہ کی بنا پر  
اختلاف کیا تھا وہ آج بھی موجود ہیں۔

جہ کہ ناسی رائے یہ ہے کہ ان سلام شاہ کو مزید کچھ دنوں تک کھینچے بیٹھ کر رکھا جائے  
اور علما سے مشورہ کر کے بعد اس آرڈر کے تحت کو نظر ثانی کیا جائے۔ جس میں قوانین میں ہر طبقہ  
کے علما کا اتفاق ہے اور عاقلی مسائل میں نظر مباحثہ متحد ہیں۔ جہ کہ چند ماہرین قانون اور  
محکم کارکنوں کے مشورہ پر اس کو قطع صورت دیدہ بنا کر دینے میں قبل از وقت ہو گا۔

الحق

احقر السلام الحق تھا نوی



F.9(4)/56-Leg.  
GOVERNMENT OF PAKISTAN  
MINISTRY OF LAW

**CONFIDENTIAL**  
**IMMEDIATE.**

Karachi, the 13th August,

My respected Maulana Sahib,

I enclose the first instalment of the draft translation of your note of dissent. It is a draft by the Parliament Translator to which we have suggested certain modifications. The remaining instalments will follow quickly.

We will publish the entire translation, with the Urdu original, as a translation approved by you as soon as you have returned it to us with your own modifications.

With regards,

Yours sincerely,

( S. Mahmood Butt )

Maulana Ehtishamul Haq Sahib,  
56, Jacob Lines, K A R A C H I.



انذاری و حاکم عدالت

دن بہر صورت سے لبرطیکہ صورت دستور اس کے لئے کیا جائے گا

(۲) برسر

(۳) جو دن ایک نوپور گویا لبرٹیکہ صورت سے حاکم عدالت کے لئے کیا جائے گا

(۴) اگر حکومت خود بخود اس کے لئے نوپور گویا لبرٹیکہ صورت سے حاکم عدالت کے لئے کیا جائے گا

(۵) جبکہ عدالت کے لئے نوپور گویا لبرٹیکہ صورت سے حاکم عدالت کے لئے کیا جائے گا

(۶) میں نے ایک حکم دیا ہے کہ اس کے لئے نوپور گویا لبرٹیکہ صورت سے حاکم عدالت کے لئے کیا جائے گا

(۷) اور اس کے لئے نوپور گویا لبرٹیکہ صورت سے حاکم عدالت کے لئے کیا جائے گا

(۸) حکومت کی امداد دینے اور اس کے لئے نوپور گویا لبرٹیکہ صورت سے حاکم عدالت کے لئے کیا جائے گا

(۹) الفیہ

(۱۰) الفیہ

(۱۱) الفیہ

(۱۲) الفیہ

(۱۳) الفیہ



## عالمی کمیشن اور علماء اسلام

بعد ازاں الحمد للہ عالمی کمیشن کی رپورٹ پر مولانا غلام احمد رضا صاحب کا  
اختلاف فی شخص تھا ان کی طرف سے نہ تھا بلکہ وہ اس میں قریباً برابر  
معاہدہ کی رپورٹ پر اس کے پچھلی حکومتوں نے اس رپورٹ کو بے جا  
جب مولانا نے اختلاف فی ذات کو یہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا رپورٹ بہت  
نہیں ان عالمی کمیشن کے بغیر ارکان اس کے سوائے ہر جگہ پر  
حکومت عالم اسلام اور عام مسلمان اس کی موافقت میں ہیں  
اگر حکومت کو اس میں شبہ ہو تو وہ دوبارہ اسے عام مسلمانوں  
سینا اس رپورٹ کو سن کر کہہ دیں کہ یہ ایک شرعی مسئلہ ہے  
صاحب کا فیصلہ دو اثرات کی کثرت سے نہیں ہو سکتا بلکہ دلائل شرعیہ  
ہو گا کہ حکومت کو لازم ہو گا کہ تو دلائل شرعیہ کی روشنی میں  
مولانا کے دلائل کا جواب دے

ورنہ اگر اس فیصلہ کو اس کے جواب میں نہ مان لیں  
عالمی کمیشن کے حق میں دلائل اللہ سے قبل دلائل  
ویرمہ لفرع المؤمنین بنصر اللہ و بنصر من لینا و ہو اللہ  
الرحیم وعد اللہ لا خیف اللہ وعدہ و لیکن اللہ اعلم  
سلیون ظاہر من الجبۃ الدنیا و ہم من الآخرة ہم غافلون  
ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۲۰ اگست ۱۹۶۵ء

حکومت پاکستان  
اسلامی مشاورتی کونسل  
۷۲ - مین روڈ - مین آباد

نمبر - ۱۹ (۱۶) / ۶۵ - اے - سی - آئی - آئی -  
لاہور - بتاریخ ۱۹ - اگست ۱۹۶۵

محترم القلم خطاب مولانا صاحب

مسلحہ خانی ٹاؤن ۱۹۶۱ پر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے  
دو نوع شائع کیے ہیں۔ ان کی ایک نقل آپ کی خدمت میں ارسال کر  
رہا ہوں اور مجلس ہوں کہ اس پر غور فرما کر اگر ہو سکے تو ایک ہفتہ  
کے اندر کونسل کو اپنی پیش رفت رائے سے مستطیع ہونے کا موقع فراہم  
اس تعاون کے لئے میں آپ کا بیحد ممنون و مشکور ہوں گا۔

نہاڑ

(علاؤ الدین صدیقی)  
صدر - اسلامی مشاورتی کونسل  
حکومت پاکستان

محترم مولانا احتشام الحق صاحب تعالیٰ -  
جامع مسجد حیکما لاٹن -  
کراچی -

گواہی قدم ڈپٹی سیکرٹری صاحب . اگست ۱۹۶۵ء

السلام علیکم - اختلافی نوٹ کا انگریزی ترجمہ جس کے ابتدائی  
(۱۸) صفحات خطاب نے مجھے بھیجے وہ میں نے دیکھ لئے اور شکریہ ادا کر کے ساتھ  
واپس دیں - قلم زد عبارت کی جگہ پتسل سے لکھی ہوئی عبارت اصلاح شدہ ہے  
وہ میں بھیجا جا رہے - باقی ترجمہ اچھا ہے - معذرت سے کیا گیا ہے والسلام

ظفر احمد عثمانی

گواہی قدم اے آغا ڈپٹی سیکرٹری وزارت قانون

حکومت پاکستان کراچی - (احتشام الحق تعالیٰ)



حضرت الاسفانہ الدکتور ناصر ( دامت معالیکم )  
 السلام علیکم - تمہارا ادا " ما واجب اندم جتنا یکم نصفه  
 من قراراتی التی علی المسائل الازواجیه والمائتہ ارجو من  
 جنابکم دعوات صالحه - والب - لام  
 ( احتضام الحق النعمانی )

کراچی کے جلیلہ عبدالحکم صاحبہ = ۱۲ = اکتوبر ۱۹۵۵ ع

السلام علیکم = اکتوبر کی چھٹک سے تاریخ ہوکر ۶ = اکتوبر کی صبح کو محل سے من  
 کراچی پہنچا اور کراچی پہنچ کر پہلے السوس ٹاکسیر اخبار میں پڑھنے کے واسطے کھین کے  
 جہر من جناب خلیفہ شجاع الدین صاحب اس نام لکھی گئی تھیں  
 اس خبر سے خبر وصولی السوس ہوا کہ لاہور کی ملاقات میں اس کا لکھن بھی نہ لگا کہ  
 ان کی بہت آفری ملاقات ہے اور ایک ہی دن کے بعد وہ ہم سے جدا ہوجائیں گے =  
 خلیفہ صاحب مرحوم بھی عہدہ اور لڑی علم کرنے کے علاوہ بہت ہی سادہ اور  
 دیر فسر کے آدمی تھے = کھین ان کی سپرنٹنڈنسی سے شروع ہوگا اور پاکستان کو ان کے  
 انتقال سے نقصان پہنچا = اللہ تعالیٰ ہم کو جوار رحمت میں جگہ دے جو السلام  
 ( احتضام الحق النعمانی )

الحق

۵۶ = چوک لائن کراچی ( احتضام الحق النعمانی )



بسم الله الرحمن الرحيم

# جامعہ اسلامیہ اسلامی یونیورسٹی (بھاو لپو)

شعبہ " حدیث "

پرنسپل الرشید نعمانی  
 ریڈر شعبہ " حدیث "

خدمت و محرم حضرت احتضام الحق صاحب مخلصی نہایت سہا یکم

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ = اس سے مزاج کراچی پھر عافیت ہون گے۔ توقع ہے کہ " جامعہ اسلامیہ " کو اس سال  
 یونیورسٹی بنایا جائے۔ اس کے بعد میں اس کے ساتھ سے ان کی ہمسایہ، قریبی، اور علمی خدمات پر کام لگا کر  
 میں نے آپ کے " دارالعلوم " کے ساتھ ساتھ " دارالعلوم " میں رہنے کی بات کہی ہے۔ اور گو میں اب خانہ کافہ میں بھی تھا مگر  
 تین سبق روزانہ دہلی میں سناؤں میں میرے ذمہ ہے۔ چنانچہ میں نے جب دہلی لکھن اور دارالعلوم لکھن میں  
 پڑھائی ہے۔

۱) اصول حدیث میں مفہم ماہی اصلاح (حسب سابق دورہ کے کے طلباء کو عام طور پر بات میں دیا جاتا تھا)  
 (۳) فقہ میں کفر والقائم، شرح وقایہ

۲) اصول حدیث میں، اصول الحدیث

۳) محرم میں کتاب

۴) منطق میں شرح تہذیب

میرا تقررہ دارالعلوم میں یکم دسمبر ۱۹۵۵ کو ہوا تھا۔ اس میں دہلی میں میں مستوفی ہو گیا تھا۔  
 اب مجھے قریبی خبر کے بعد میں ایک عہدہ انتظامیہ میں اس امر کی تصدیق ہو کہ دہلی میں دارالعلوم  
 کو ایک دارالعلوم میں میں اس میں رہا ہوں اور جس کا کہہ اس کے بعد میں بھی اگر وہ کچھ خیر و برکت میں تو میری عافیت  
 ہون تو بات آپ کی صواب ہو رہے ہیں لیکن عہدہ انتظامیہ میں اگر کوئی نام میں نے لکھا ہے تو میں نے کوئی نام نہیں لکھا  
 ذکر آجائے تو یاد رہے ہے دارالعلوم دارالعلوم

محمد عبد الرشید نعمانی

امید ہے کہ اس سے عہدہ سزاوار خدائیں گے۔  
 مگر میں میرا کام کوئی عہدہ نہیں لکھا  
 میں اس مسئلہ میں رہا ہوں، مگر فی حاکم حدیث

۱۰ دسمبر، لاہور، دارالعلوم لکھنوی

محلہ پورہ دہلی پاکستان





HIS EXCELLENCY MAULANA

Shah Ahmad Noorani Fideeqi

P. O. BOX 87 HADIMA MINAWARAH  
SAUDI ARABIA

5 HARTER HOUSE, SOMERSET STREET  
SADDAR KARACHI-2 PAKISTAN

مخدوم امجد محمد زید اللہ

مخدوم مارٹینو فرانسسہ کونستانتینو  
کے ایک مرتبہ حاضر ہوئے، مقدس مقامات پر  
ہر حال انکی معرفت سے بہرہ مند ہوں

مشفق معاشی امداد حاکم حاضریت اور غائب  
خیال فرمائیں کہ وہ مستحق ترن فرماویں۔ کچھ دستخط  
میں نے کچھ باقی میں نے غرضی فرستیں  
کچھ میں بھی ایک مانی خود حاکم آئے،  
پھر حال اترتے مشرق کے سفارشات کے طور پر مشاعرے ہو جائے  
ما، تو ایک مفید تفہیم ہم آہد ہوگا، اور یہ جامعہ ثناء مشرق  
مشرق حاکم اس وقت تک کل ۲۶ دستخط ہوئے

مخدوم زید اللہ  
مخدوم زید اللہ  
۹



دارالعلوم ہاqqانیا

السلام علیکم وعلیٰ آئیں  
مخدوم ورجہ صاحب دارالعلوم

گراہی نامہ مذکورہ ۵ ہر ربیع الاول ۱۳۸۷ موصول ہوکر بہت شرف ہوا  
سائل کی اُصیت اور قابلیت کی نزاکت سے پیش نظر آپ کا یہ مقدمہ محبت  
زیادہ اُفیم سمجھتا ہوں خدا کے درمیان میں برکت ملی رہے "فان یرید اللہ"۔  
پہلی ذمہ دارانہ معروفیت کے باوجود جبکہ قبل حاضری درم کرچکے ہو اور اللہ  
رسول منی آوردہ موصول ہو گیا۔ امید ہے کہ سبب جو بہت در کسی ہوگی، مگر خدا کے  
جانب سے رسولی خدمات کی اور زیادہ توفیق رحمت فرمائے۔ آمین

سبب محمد بن محمد  
دارالعلوم ہاqqانیا  
مخدوم ورجہ صاحب دارالعلوم  
۸ ربیع الثانی ۱۳۸۷



گزارش قدس زادک المجدد اور کرامت

اسلامی و روحانی و علمی و فنی سادات و بزرگواران  
 و علمائے کرام کے لیے یہ کتاب نہایت ہی مفید و نفع بخش ہے اور  
 میں ناظر کے لیے یہ کتاب نہایت ہی مناسب و سودمند ہے۔  
 اس کتاب کے مصنف مولانا محمد صدیق ارکانی  
 صاحبِ قلم و قریب و دور کا ایک بزرگ و نامور شخصیت ہیں۔  
 ان کی تصانیف و کتب کا مطالعہ نہایت ہی مفید و نفع بخش ہے۔  
 ان کی تصانیف و کتب کا مطالعہ نہایت ہی مفید و نفع بخش ہے۔

محمد رفیع الدین

حضرت مولانا محمد رفیع الدین کے  
 اور ان کے شاگردوں کے  
 مدد سے

جامعہ احتشامیہ کراچی کا ترجمان

# حق نواز احتشام

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے علوم و افکار کا امین

مدیر اعلیٰ

مولانا تنویر الحق تھانوی

امرازی مدیر و مشیر

سید نعیم الحسن تھانوی

مدیر منتظم

مولانا محمد صدیق ارکانی

ماہنامہ حق نواز احتشام پر مقرر مضامین جاندہ مقالات اور خطیب پاکستان کے  
 گراں قدر خطبات شائع کرتا ہے۔

اکابرین امت و علماء حق کے صحیح افکار اور نظریات کا امین ہے۔

عشقِ حقیقی، تعلقِ روحانی، اتباعِ سنت اور محبتِ الہیہ سے لبریز مضامین کا مرقع ہے۔

عصرِ حاضر کے لادینی نظریات اور باطل کی ریشہ دوانیوں کے خلاف

بے لاگ تبصروں پر مشتمل ہوتا ہے۔

حالاتِ حاضرہ کے عین مطابق نگارشات اور خطیب پاکستان کے ملفوظات شائع کرتا ہے۔

اس میں خطیب پاکستان کی نہایت عمدہ و بھرپور قرآن کریم کے علاوہ عالم اسلام کے

مابین تازہ علماء و فضلاء کے شاہکار مقالات شائع ہوتے ہیں۔

آئیے اس موقر و دینی اور اصلاحی جریدہ کو خود بھی پڑھئے، دوسروں کو بھی ترغیب دیجئے۔

خود خریدار بنئے اور اس میں اشتہارات شائع کروا کے دین اسلام کو فروغ دینے کے

ساتھ رسالہ کی ترقی میں معاون بنئے۔



## اہل خیر حضرات متوجہ ہوں

معزز قارئین کرام و اہل خیر حضرات \_\_\_\_\_ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج عالی!

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ ادارہ ہذا (جامعہ احتشامیہ جیکب لائن) گزشتہ گیارہ بارہ سال سے انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بحسن و خوبی دینی خدمات سرانجام دیتا آ رہا ہے۔ الحمد للہ تجربہ کار ماہر اساتذہ کرام ادارہ کو ترقی دینے اور معیار تعلیم کو بلند کرنے میں کوشاں ہیں۔ جامعہ احتشامیہ میں طلبہ کے لیے طعام و قیام، معقول وظائف، علاج و معالجہ کی سہولت، فرائض کتب و دیگر روزمرہ ضروریات کا انتظام مفت کیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اہل ثروت کی خصوصی توجہ اور اعانت مالی کے ذریعہ پورا فرماتے ہیں چونکہ ادارہ ہذا کا مستقل کوئی سفیر اور متعین ذرائع آمدنی نہیں ہیں اور کس توڑ مہنگائی بھی ہے اس لیے ہر سال مالی بحران کا سامنا کرنا پڑتا ہے امید ہے کہ اس پریشانی کے عالم میں اہل خیر حضرات خصوصی توجہ فرما کر اپنے صدقات، زکوٰۃ اور عطیات درج ذیل پتے پر روانہ فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔  
واللہ تعالیٰ فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیه۔ (الحديث)

ترجمہ:- ”اللہ میاں اس بندے کی مدد میں لگے رہتے ہیں جو بندہ اپنے بھائی (بالخصوص نسبی و دینی اور تعلیم و تبلیغ کے کاموں میں مصروف بھائیوں) کی مدد کرتا رہتا ہے۔“

## برائے تعاون

اکائونٹ نمبر 924-9

الائیڈ بینک آف پاکستان، تاج کمپلیکس برانچ، کراچی

## مطبوعات مکتبہ احتشامیہ

جامعہ ہذا میں شعبہ تصنیف و تالیف کا قیام جمادی الاولیٰ 1420ھ / ستمبر 1999ء کو عمل میں آیا جس کے تحت رسالہ ”ماہنامہ حق نوائے احتشام“ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس وقت سے اب (شعبان المعظم 1428ھ / ستمبر 2007ء) تک اس شعبہ سے رسالے کے 84 شمارے شائع ہوئے اور خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی درج ذیل تالیفات ترتیب، تصحیح اور نظر ثانی وغیرہ کے مراحل سے گزر کر منصہ وجود میں جلوہ گر ہوئیں۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے۔

- (1) بیانات جمعہ: صفحات 568، بڑے سائز، بن طباعت: صفر المظفر 1425ھ / اپریل 2004ء۔
- (2) ایک گنا مخطوط اور تلخ حقائق: صفحات 80، بن طباعت: صفر المظفر 1425ھ / اپریل 2004ء۔
- (3) خطبات احتشام: جلد سوم، صفحات 564، بن طباعت: ربیع الاول 1425ھ / مئی 2004ء۔
- (4) متاع احتشام الحق: صفحات 700، بن طباعت: رجب المرجب 1426ھ / اگست 2005ء۔
- (5) اشرف التفاسیر: صفحات 224، بن طباعت: رمضان المبارک 1426ھ / نومبر 2005ء۔
- (6) فلسفہ مصوم و برکات رمضان: صفحات 96، بن طباعت: رمضان المبارک 1426ھ / نومبر 2005ء۔
- (7) عیدین اور اسلامی ذبیحہ: صفحات 96، بن طباعت: رمضان المبارک 1427ھ / اکتوبر 2006ء۔
- (8) حشر نزول قرآن کریم: صفحات 24، بن طباعت: رمضان المبارک 1427ھ / اکتوبر 2006ء۔
- (9) خطبات احتشام جلد چہارم: صفحات 628، بن طباعت: شعبان المعظم 1428ھ / ستمبر 2007ء۔
- (10) عالمی قوانین اور اختلافی نوٹ: صفحات 368، بن طباعت: شعبان المعظم 1428ھ / ستمبر 2007ء۔

# روح افزا

## مشروب مشرق

جبہ چھوٹی چھوٹی باتیں کر دیں موڈ خراب  
اور آنے لگے غصہ ایسے میں روح افزا  
مزاج میں لائے ٹھنڈک اور مٹھاس۔

پیوٹھنڈا ٹھنڈا،  
بولو میٹھا میٹھا!

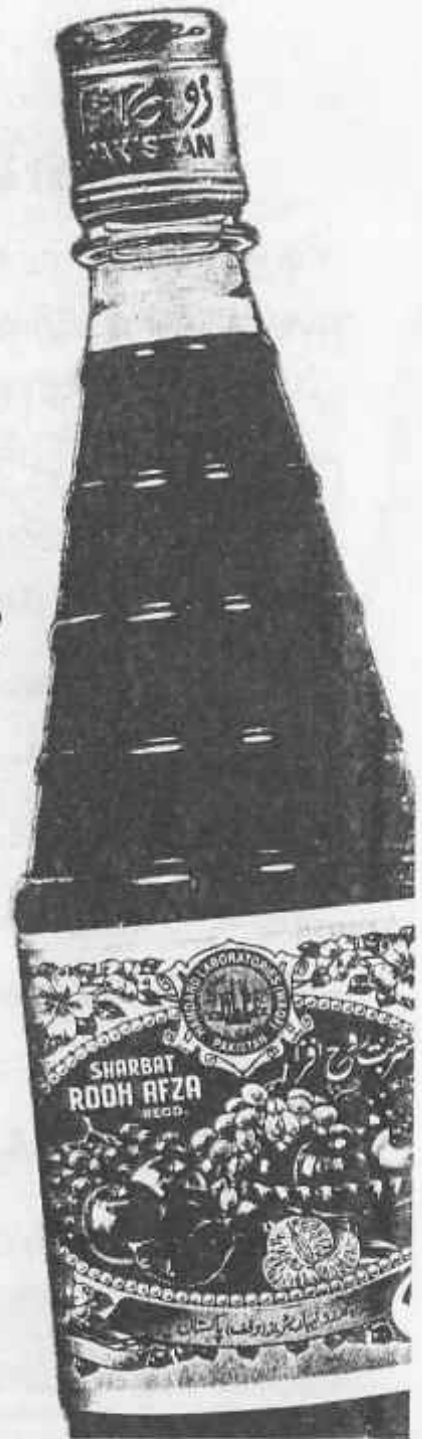


ہمدرد



ہمدرد لیباریٹریز (وقف) پاکستان

ISO 9001: 2000 CERTIFIED  
www.hamdard.com.pk



# قرار داد مقاصد پاکستان

## اور متفقہ 22 نکاتی دستور اسلام

- ۱۔ (علامہ) سید سلیمان ندوی (صدر مجلس)
- ۲۔ (مولانا) محمد ظفر احمد انصاری (سیکرٹری بورڈ آف تعلیمات اسلام۔ مجلس دستور ساز پاکستان)
- ۳۔ (مولانا) عبدالحق قادری بدایونی (صدر جمعیۃ العلماء پاکستان۔ سندھ)
- ۴۔ (مفتی) محمد صاحب ادغنی (سندھ مدرسۃ الاسلام۔ کراچی)
- ۵۔ (پیر صاحب) محمد ہاشم مجددی (نندوسائیں داد۔ سندھ)
- ۶۔ (مولانا) شمس الحق افغانی (سابق وزیر معارف۔ ریاست قلات)
- ۷۔ (مولانا) داود غزنوی (صدر جمعیۃ اہل حدیث۔ مغربی پاکستان)
- ۸۔ (قاضی) عبدالصمد سر بازی (قاضی قلات۔ بلوچستان)
- ۹۔ (مولانا) محمد اسماعیل (ناظم جمعیۃ اہل حدیث پاکستان گوجرانوالہ)
- ۱۰۔ (مولانا) محمد صادق (مہتمم مدرسہ مظہر العلوم۔ کھڑہ، کراچی)
- ۱۱۔ (مولانا) احمد علی (امیر انجمن خدام الدین۔ لاہور)
- ۱۲۔ (مفتی حافظ) کفایت حسین مجتہد (ادارہ عالیہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان۔ لاہور)
- ۱۳۔ (مفتی) جعفر حسین مجتہد (رکن بورڈ آف تعلیمات اسلام، مجلس دستور ساز پاکستان)
- ۱۴۔ (مولانا) حبیب اللہ (جامعہ پیہ دار الہدی۔ ٹیڑی، خیرپور)
- ۱۵۔ (مولانا) راغب احسن (نائب صدر جمعیۃ العلماء اسلام مشرقی پاکستان)
- ۱۶۔ (مولانا) محمد حبیب الرحمن (نائب صدر جمعیۃ المدینین، سرینہ شریف مشرقی پاکستان)
- ۱۷۔ (مولانا) ابو جعفر محمد صالح (امیر جمعیت حزب اللہ مشرقی پاکستان)
- ۱۸۔ (مولانا) شمس الحق فرید پوری (صدر مہتمم مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ)





## دستخط شرکاء اجلاس

مختلف مکاتب فکر کے علماء کا نمائندہ اجتماع (منعقدہ 12، 13، 14، 15 ربیع الثانی 1370ھ / 21، 22، 23، 24 جنوری 1951ء، بصدرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ) میں مملکت خداداد پاکستان کا دستوری خاکہ (22 نکات پر مشتمل) اسلامی روح کے مطابق مرتب ہوا۔ اس نمائندہ اجتماع میں شریک اکابر علماء کے دستخط درج ذیل ہیں۔

- (۱) سید محمد رفیع
- (۲) محمد طفیل و انصاری
- (۳) سید عبد اللہ لطیف ریگ بری
- (۴) محمد حیدر دہلوی
- (۵) محمد اسماعیل مدنی
- (۶) شمس الدین
- (۷) دائر الدین
- (۸) قاضی علی محمد بانی کافہ قلدت
- (۹) محمد سعید محمود انوار
- (۱۰) محمد سعید
- (۱۱) احمد علی
- (۱۲) کفایت
- (۱۳) خورشید
- (۱۴) سید محمد
- (۱۵) رائے غازی
- (۱۶) جلیل الرحمن
- (۱۷) ابو حفص محمد احمد
- (۱۸) لقا امانی سید کنیز علی
- (۱۹) احمد علی
- (۲۰) محمد بدیع عالم
- (۲۱) قریوسف السوبری
- (۲۲) محمد رفیع علی
- (۲۳) محمد رفیع
- (۲۴) خادمہ حاجی محمد رفیع

# کتاب ”عائلی قوانین الخ“ کے مندرجات

(1) عائلی قوانین کے متعلق خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کا مشہور و معروف اختلافی نوٹ۔

(2) عائلی قوانین کے متعلق صاحب اعلیٰ السن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا انمول علمی مقالہ۔

(3) عائلی قوانین کے متعلق حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ کا گرانقدر خزانہ۔

(4) عائلی قوانین کے متعلق محترمہ شہزادی عابدہ سلطان صاحبہ کا قابل مطالعہ تنقیدی جائزہ۔

(5) محترمہ ممتاز جہل بیگم صدیقی کی کتب ”اسلام میں عورت کا عائلی مقام“ کا بہترین رد اور عمدہ جواب۔

(6) حکومت پاکستان کے نافذ کردہ فرسودہ عائلی قوانین کی تردید اور خطیب پاکستان حضرت

مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے اختلافی نوٹ کی تائید میں مشرقی و مغربی پاکستان کے پچاس سے زائد ممتاز و جید علماء کے علمی تبصرہ جات۔

(7) کیا اگست 2006ء میں پاس شدہ بل ”تحفظ حقوق نسواں“ سابقہ عائلی قوانین کا حصہ ہے؟

(8) اسلامی احکامات پر مشتمل حدود آؤرڈیننس کا نفاذ کب ہوا اور کیوں ہوا؟

(9) حدود آؤرڈیننس کی مندرجات کیا ہیں؟

(10) حدود آؤرڈیننس پر غیر معقول اعتراضات اور جوابات

(11) حدود آؤرڈیننس کو ختم کرنے کی کوششیں کیوں ہوئیں؟

(12) وفاقی شرعی عدالت کا قیام کب عمل میں آیا؟

(13) تحفظ حقوق نسواں کے عنوان سے سلب حقوق نسواں کا کارنامہ کن لوگوں نے انجام دیا؟

مذکورہ سوالات، شبہات، تحفظات اور اعتراضات کے جوابات کے لئے زیر نظر کتاب کا مطالعہ

مفید ثابت ہوگا۔ یہ کتاب ماہنامہ حق نوائے احتشام کی زینت بھی بن چکی ہے۔